Vols II + III

صحفا مطهرة فيها كتب قيمة

سلسلۂ دار المصنفین

(۳۹)

مقالاتِ شبلی

(ادبی)

جلد دوم

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام ادبی مضامین کا مجموعہ جن کو مختلف رسالون سے یکجا کیا گیا ہے،

باہتمام مسعود علی، ندوی

سنہ ۱۳۵۰ھ در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد سنہ ۱۹۳۱ء

فہرست مقالاتِ شبلیؒ جلد دوم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مقالاتِ شبلی" کی دوسری جلد جسمین مولٰنا مرحوم کے دس ادبی مضامین شامل ہین پیشکش ہے، اس مین سے صرف دو مضمون "سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر" اور "املا اور صحتِ الفاظ" علی گڈھ کالج منتھلی میگزین بابت ۱۸۹۸ء سے لئے گئے ہین، اور "اردو ہندی" معارف مین چھپا تھا، بقیہ کل مضامین الندوہ سے لیے گئے ہین، فن بلاغت والے مضمون کا کچھ حصہ موازنہ انیس و دبیر مین داخل ہے، مگر کسی قدر تغیر کے بعد،

"شعر العرب" پر مولانا پوری کتاب لکھنا چاہتے تھے، مگر دو نمبرون سے زیادہ نہ لکھ سکے،

دوسری جلدین بھی بتدریج، شائع ہونگی،

سید سلیمان ندوی

۱۳/ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

۷۸۶

عربی زبان

دنیا مین یون تو سیکڑون ہزارون زبانین مروّج اور مستعمل ہین لیکن سب کی اصل الاصول صرف تین زبانین ہین، ایک سامی جو سام بن نوح کی طرف منسوب ہے، اس زبان سے جو زبانین پیدا ہوئین وہ عربی، عبرانی، سریانی، کلدانی، نبطی وغیرہ ہین، ان زبانون مین بعض اوصاف ایسے پائے جاتے ہین جو انھین کے ساتھ مخصوص ہین ان مین سے ایک یہ ہے کہ ان مین بعض حرف ایسے ہین جنکا تلفظ اور کوئی قوم نہین کر سکتی، مثلاً ح، ع، ق، ص، ض، ط، ظ، دوسرے یہ کہ ان زبانون مین مذکر اور مونث کے لئے ضمیرین اور افعال جدا جدا ہین، تیسرے یہ کہ ان زبانون مین اسم، فعل، حرف، ہر ایک کے ساتھ ضمیر لاحق ہو سکتی ہے، اس امر مین اختلاف ہے کہ ان سامی زبانون مین نسبۃً قدیم کون زبان ہے، قدمار کا عام خیال یہ تھا کہ عبرانی سب سے زیادہ قدیم ہے، یورپ کے اکثر متاخرین، سریانی کو قدیم تر بتاتے ہین، لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرف، عربی زبان کو حاصل ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہین،

عربی، سریانی اور عبرانی مین سب سے قدیم کون زبان ہے

۱- عبرانی اور سریانی زبان مین جس قدر الفاظ کے مادے ہین، عربی مین سب موجود ہین، بخلاف اس کے عربی زبان مین بہت سے مادے ہین جو عبرانی اور سریانی زبانون مین نہین، اس سے ثابت ہوتا ہو کہ عربی زبان اصل تھی، اس لئے تمام مادے اس مین موجود تھے، عبرانی اور سریانی زبانین چونکہ زمانۂ مابعد کی

زبانین تھین اس لئے بہت سے مادے متروک ہو گئے،

۲۔ عربی مین جس قدر افعال ہین سب قیاس کے موافق ہین، بہت کم الفاظ ہین جنمین خلاف قاعدگی اور شذوذ پایا جاتا ہی. بخلاف اس کے سریانی اور عبرانی مین جس قدر الفاظ قیاس کے موافق ہین، اس سے زیادہ اسی کے مخالف ہین، اور یہ ظاہر ہی کہ جو زبانین جسقدر زیادہ قدیم ہوتی ہین، اسی قدر ان مین اصول اور قاعدہ کی پابندی پائی جاتی ہی،

۳۔ عبرانی اور سریانی زبانون مین بہت سے ایسے الفاظ ہین، جنکی اصل معلوم نہین اور یہ پتہ نہین لگتا کہ یہ کن الفاظ سے مشتق ہین، لیکن عربی زبان مین ان الفاظ کی اصلین اور مشتق منہ موجود ہین،

۴۔ عبرانی اور سریانی مین اکثر الفاظ کے اجزا اصلیہ جاتے رہے ہین، لیکن عربی زبان مین موجود ہین، مثلاً انت اور انتم کا نون، الف لام تعریف کا لام، جمع متکلم مضارع کا نون،

۵۔ عربی مین جن الفاظ مین ضاد کا حرف تھا، عبرانی اور سریانی مین ص اور ع سے بدل دیا ہی مثلاً، ارض، ضان، قبض کو عبرانی مین ارص، صان، قبص کہتے ہین، اور سریانی مین انھین الفاظ کو ارع، عان، قبع کہتے ہین،

یہ الفاظ اگر اصل مین عبرانی ہوتے، تو عربی مین صاد اور سریانی مین ع سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان دونون زبانون مین خود ص کا حرف موجود ہی اسی طرح اگر یہ الفاظ اصل مین سریانی ہوتے تو عربی مین ض اور عبرانی مین ص سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ عین کا حرف دونون زبانون مین پہلے سے موجود ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ الفاظ دراصل عربی ہین، اور چونکہ ض عربی کے سوا اور کسی زبان مین موجود نہین، اس لئے عبرانی نے اس کو ص سے بدل دیا اور سریانی نے ع سے اسطرح

جن عربی الفاظ مین ذ ہے، وہ عبرانی مین ز سے اور سریانی مین د سے بدل دیئے گئے مثلاً ذکر، عذر، ذراع کو عبرانی مین زکر، عزر، زروع کہتے ہین اور سریانی مین دکر، عدر، دراع اسی طرح جن الفاظ عربی مین ث ہے، وہ عبرانی مین ش سے اور سریانی مین ت سے بدل جاتے ہین. مثلاً ثلج، ثعلب، ثقل، ثور، میراث، وثب اثنان، ثلاثہ، کہ یہ سب الفاظ عبری مین ش سے اور سریانی مین و سے لکھے جاتے ہین،

دلائل مذکورۂ بالا کے سوا ایک بڑی دلیل عربی زبان کے قدیم ہونے کی یہ ہے کہ عبری زبان کی سب سے قدیم تصنیف سفر ایوب تسلیم کیجاتی ہے، اس کتاب مین نہایت کثرت سے عربی الفاظ بھرے ہوئے ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان عبری سے پہلے موجود تھی،

یہان ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ عبری اور سریانی زبان مین نہایت قدیم زمانہ سے تصنیفات پائی جاتی ہین، بخلاف اس کے عربی زبان کی قدیم سے قدیم تصنیف کا اسلام کے زمانہ سے کچھ ہی پہلے پتہ چلتا ہے،

لیکن اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے، کہ تصنیفات کی حیثیت سے عربی زبان عبری اور سریانی سے متاخر ہے، اور یہ سچ ہے کیونکہ عرب مین علوم و فنون کا رواج بہت پیچھے ہوا ہے لیکن اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ عربی زبان، سرے سے موجود ہی نہ تھی، کسی زبان کا وجود اور اس زبان مین تصنیفات کا وجود. دو مختلف امر ہین، اور دونون مین کوئی لزوم نہین،

فنِّ بلاغت

مسلمانون نے جو علوم وفنون خود ایجاد کئے اور جنمین وہ کسی کے مرہون منت نہین ان مین ایک یہ فن بھی ہے، عام خیال یہ ہی، اور خود ہمکو بھی ایک مدت تک یہ گمان تھا کہ یہ فن بھی مسلمانون نے یونانیون سے لیا، ابن اثیر نے مثل السائر مین ایک جگہ لکھا ہے کہ "یونانیون نے فن بلاغت پر جو کچھ لکھا ہی، اگرچہ اس کا ترجمہ عربی مین ہو چکا ہی لیکن مین اس سے واقف نہین، اور اس لئے اس فن مین مین نے جو نکتے اضافہ کئے ہین ان مین سے کسی کا مین مقلد نہین بلکہ خود مجتہد ہون"

ابن اثیر نے گو اپنے آپکو یونان کی خوشہ چینی کے الزام سے بچایا ہی، لیکن فحوائے عبارت سے اس قدر ثابت ہوتا ہی کہ اصل فن یونان ہی سے آیا تھا، لیکن اب اس خیال کی غلطی علانیہ ثابت ہو گئی، اصل یہ ہی کہ ارسطو نے ایک کتاب ریطوریقا کے نام سے لکھی تھی، جس کو اس نے منطق کا ایک حصہ قرار دیا تھا، ریطوریقا وہی لفظ ہی جس کو انگریزی مین رٹیارک کہتے ہین، اردو مین اس لفظ کا ترجمہ خطابت یا فن تقریر ہو سکتا ہے، یہی کتاب ہی، جسکی نسبت لوگون کو دھوکا ہوا کہ مسلمانون کا فن بلاغت اسی سے ماخوذ ہے، اس کتاب کو شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب منطقیات شفا مین پورا پورا لے لیا ہی، یعنی اس کے مطالب اپنے الفاظ مین ادا کر دیئے ہین، ابن رشد نے اس کتاب کے اصل ترجمہ کی جو اصلاح کی تھی اس کا بڑا حصہ بیروت مین چھپ گیا ہی، یہ ذخیرے ہمارے سامنے

ہین، اور ان سے ثابت ہوتا ہی کہ مسلمانون کا فن بلاغت ارسطو کی کتاب سے چھو بھی نہین گیا ہی؛

ارسطو کی کتاب کا موضوع یہ ہی کہ جب کوئی تقریر کسی موقع پر کیجائے تو امور ذیل قابل لحاظ ہون گے،

(۱) مضمون تقریر کیا ہی،

(۲) تقریر کے مخاطب کون لوگ ہین،

(۳) تقریر کرنے والا کون ہی،

ان مختلف حیثیتون کے لحاظ سے تقریر کے مقدمات کس قسم کے ہونے چاہئین، چنانچہ ارسطو نے اس کتاب مین بتایا ہی کہ واعظ، وکیل، حکیم، فریق مقدمہ وغیرہ وغیرہ کی تقریر کے اصول کیا ہین؟ اور ہر ایک کے طریقۂ استدلال کو کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہئے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ ارسطو کی یہ کتاب نہایت دقیق اور لطیف مباحث پر مشتمل ہی، اور اگرچہ اسکا بھی سخت افسوس ہی کہ مسلمانون نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہین اٹھایا، لیکن بہر حال مسلمانون کا فن بلاغت ایک جداگانہ چیز ہے، اور اس کے وہ خود موجد ہین،

فن بلاغت پر جہان تک ہمکو معلوم ہی سب سے پہلی جو کتاب لکھی گئی ہے، وہ دلائل الاعجاز عبد القاہر الجرجانی ہے، اس سے پہلے کی تصنیفین بھی ہم نے دیکھی ہین، لیکن درحقیقت انکو اس فن کی تصنیف نہین کہہ سکتے، دلائل الاعجاز کے بعد اور بہت سی کتابین لکھی گئین یہان تک کہ مطول اور مختصر معانی پر گویا خاتمہ ہوا،

آجکل یہ فن جس طریقہ سے پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہی، اس سے زیادہ کسی فن کی

مٹی خوار نہین ہوئی، طلبا اور علما ان لفظون اور عبارتون کو جو مختصر معانی وغیرہ مین مذکور مین بار بار دہراتے ہین، لیکن خود نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین، یہ ایک عام قاعدہ ہی کہ جب انسان کسی فن کے مسائل کو سمجھ لیتا ہی، اور اس پر حاوی ہو جاتا ہی، تو جہان کہین ان مسائل کا موقع آتا ہی، انسان ان کو استعمال کر سکتا ہی اور کرتا ہی، مثلاً اگر تم نے عربی فن نحو مین مہارت حاصل کر لی ہی، تو جب کوئی عربی عبارت تمھارے سامنے آجائیگی، تم اس کو بے تکلف پڑھتے چلے جاؤ گے، لیکن فن بلاغت کی درس و تدریس کی یہ حالت ہی کہ مختصر معانی اور مطول سو سو بار دہرا چکے ہین، لیکن اگر قرآن مجید کی کوئی عبارت یا عربی کا کوئی شعر دیدیا جائے تو ہرگز نہ بتا سکین گے، کہ اس مین کیا کیا بلاغت کے اصول پائے جاتے ہین،

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان درسی کتابون مین مسائل بلاغت کو اس طرح صاف اور سلجھا کر نہین لکھا ہی کہ طالب علم کے ذہن مین اصل مسئلہ کی تصویر اتر جائے، مسئلہ ابھی پورا بیان بھی نہین ہوا ہے، کہ اس کے ساتھ لفظی جھگڑے شروع ہو جاتے ہین، اور طالب علم کا ذہن ان بیہودہ بحثون مین پریشان ہو جاتا ہی،

ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ مسائل کے لئے کثرت سے مثالین نہین پیش کیجاتین عبد القاہر جرجانی نے جو مثالین لکھدی تھین، وہی آج تک چلی آتی ہین بلکہ اسمین سے بھی بہت سی چھوٹ گئین،

مسائل بلاغت کے ذہن نشین کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہی کہ اپنی زبان مین اس کی مثالین سمجھائی جائین، لیکن ہمارے علمار عربی مثالون مین اس قدر محدود ہین، کہ کسی اور زبان سے ان مسائل کی مثالین پیش ہی نہین کر سکتے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم نے ارادہ کیا ہی، کہ وقتاً فوقتاً فنِ بلاغت کے مہمات مسائل

اس رسالہ مین اس طرح ادا کئے جائین کہ مسئلہ کی تصویر دل مین اتر جائے اور اس غرض کیلئے تمام مثالین اردو کے کلام سے دیجائین چنانچہ اس پرچہ مین ہم **فصاحت** کے مسئلہ پر بحث کرتے ہین، جو بلاغت کا پہلا زینہ ہی،

فصاحت کی تعریف علمائے ادب نے یہ کی ہی کہ "لفظ متنافر الحروف نہ ہو، نامانوس نہ ہو، قواعد صرفی کے خلاف نہ ہو" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلآویز، اور لطیف ہوتی ہین، مثلاً طوطی و بلبل کی آواز اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہین، بعض شستہ بیک شیرین اور بعض ثقیل بھدے ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو **فصیح** کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین ان کا استعمال نہین ہوا ہی، یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین، تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، ان کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین، لیکن یہ نکتہ یہان لحاظ کے قابل ہی کہ بعض موقعون پر غریب لفظ کی غرابت اس وجہ سے کم ہو جاتی ہی، کہ اس کے ساتھ کے الفاظ بھی اسی قسم کے ہوتے ہین، مثلاً ایک شاعر کہتا ہی:- ع

ذریت رسول کی خاطر جلائی نار

نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اردو مین مستعمل ہوتا ہی، مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی،

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہی، یعنی بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر بعض اس سے بھی بڑھکر فصیح، مثال کے طور پر ہم دو چار مثالین نقل کرتے ہین، جن سے فصاحت

اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہوسکے گا، (ان مثالون مین ایک ہی مضمون مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہی)

ع کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع وسجود مین ع سائل کو کس نے دی ہو انگوٹھی نماز مین

ع آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

ع رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کہتے ہین ع حسرت ہو کہ خواب مین بھی رو دیا کیجے

ع جیسے مکان سے زلزلہ مین حیا مکان ع جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

معانی والفاظ کی مناسبت حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین، لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین مہیب پر رعب، سخت، نرم، شیرین لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم، شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہی، بعض سے درد اور غمگینی، ظاہر ہوتی ہی، اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین، قصیدے مین پر زور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہی، اسیطرح رزم و بزم، مدح وذم، فخر وادعا وعظ وپند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین، اور یہ ان کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہی، لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین، لیکن ایک خاص رنگ ان پر اس قدر چڑھ گیا ہی کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے لفظ ان کی زبان سے ادا ہوتے ہین، انکا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہی، یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین نبھ سکتی، فردوسی نے جہان حضرت یوسفؑ کی نالہ وزاری کو اپنی کتاب یوسف زلیخا مین لکھا ہی، لکھتا ہے،

ع بعزیز یوسف دگر بارہ زار،

رزم، بزم، فخر، حسرت، شوق، ہر ایک مضمون کے لئے خاص خاص قسم کے الفاظ موزون ہین، اور ان مضامین کے لئے انھین الفاظ کو استعمال کرنا چاہئے، مثلاً ایک شاعر نے جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کیا ہی،

کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے ۔۔۔ نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہی دلیر کو ۔۔۔ سب دشت گونجتا ہی یہ غصہ ہی شیر کو

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر جوان ۔۔۔ سینہ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان

لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو ۔۔۔ روکے تھا ایک شیر جری دھزار کو،

ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح ان کے معنی غیظ و غضب کے ہین اسیطرح ان الفاظ کی آواز اور لہجہ سے بھی ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہی،

کلام کی فصاحت، یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے، کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے انکی ساخت ہیئت نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ اس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی، قرآن مجید مین ہی ما کذب الفؤاد ما رای، فواد اور قلب و ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہی لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین، ان کی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہی،

میر انیس کا مصرع ہے ع فرمایا آدمی ہی کہ صحرا کا جانور، صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین، انیس نے مختلف موقعون پر ان دونون لفظون کا استعمال کیا ہی، اور ہم معنی

ہونے کی حیثیت سے کیا ہی، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ آجائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، ذیل کے شعر مین

طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین ۔۔۔ جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

اگر جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرع کا مصرع بھس بھسا ہو جاتا ہی،

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین لیکن اس شعر مین

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا ۔۔۔ تھا موتیون سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین ملجائیگی، یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہی، اس مصرع مین ع شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے شبنم کے بجائے لایا جائے، تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی،

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے، اس لئے یہ ضرور ہی کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے ان آوازون سے اس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہی، ہر سر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے، تو دونون مکروہ ہو جائینگے، راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا یہی گر ہے، کہ جن سرون سے اس کی ترکیب ہو ان مین نہایت تناسب اور توازن ہو،

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سر ہین، اس لئے ان کی لطافت شیرینی اور روانی، اسی وقت تک قایم رہتی ہی، جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لے مین ان کے مناسب ہون

دبیر کا مشہور مصرع ہے، ع "زیرِ قدم والدہ فردوس برین ہے" اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی، زیر، قدم، والدہ، فردوس، برین، سب بجائے خود فصیح ہین، لیکن ان کے باہم ترکیب

دینے سے جو مصرع پیدا ہوا ہی، وہ اس قدر بھدا اور گران ہی کہ زبان اس کا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہو گئی ہی، اس لئے ثقل پیدا ہو گیا ہی، لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا، مثلاً میر انیس کہتے ہین ؎

مین ہون سردارِ شبابِ چمنِ خلد برین   مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین

پہلے مصرع مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے،

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن، اور توافق پایا جاتا ہی، اور اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہین، تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، یہی چیز ہے، جس کو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست، اور روانی سے تعبیر کرتے ہین، یہی چیز ہے، جس کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین

آن را کہ خوانی استاد اگر بنگری بتحقیق   صنعت گرست اما شعرِ روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہی، میر انیس، حضرت علی اکبرؓ کی اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین، ع "تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین"

اسی مضمون کو دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین، ع

بلبل چہک رہا ہی ریاضِ رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون مصرعون مین کسقدر فرق پیدا کر دیا ہی،

ایتلاف الوزن مع المعنی، | ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بجائے خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات، فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین باقی رہے، اگرچہ اسمین شبہہ نہین کہ اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے، صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت، شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً سعدیؒ کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلآویز تو مستم،
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت، سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہین تو نہ ہو سکے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے، جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی، تو بہرحال اس کے قریب قریب پہونچ جائے، جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈھلا ہوا ہوگا، مثلاً یہ اشعار

کچھ تو ہوتے بھی ہین وحشت مین جنون کے آثار — اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہین

دل نہین مانتا جہان جاؤن — ہاے مین کیا کرون کہان جاؤن

(الندوہ ج ۱، ن ۵، رمضان ۱۳۲۲ھ)

نظم القرآن و جمہرۃ البلاغۃ

"عام قیاس یہ ہے کہ صاحبِ کمال، کسی حالت مین گمنام نہین رہ سکتا، تجربہ اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتے آئے ہین، لیکن کوئی کلیہ مستثنیٰ سے خالی نہین. مولوی حمید الدین جنکی ایک عجیب و غریب تصنیف کا اس وقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہین، اس استثنا کی ایک عمدہ مثال ہین، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق، تعلیم بائی یعنی درسِ نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوئے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب شارح حماسہ سے، جو میرے بھی استاد ہین، ادب کی تکمیل کی، اس کے بعد انگریزی شروع کی اور مدرسۃ العلوم مین رہکر، بی اے، کی سند حاصل کی، زمانِ طالب العلمی ہی مین سر سید مرحوم کے حکم سے انھون نے سیرتِ نبوی کے متعلق دو کتابین عربی سے فارسی مین ترجمہ کین جو مدرسۃ العلوم کے نصابِ دینیات مین شامل ہین، اور چھپکر شائع ہو چکی ہین، مدرسہ سے نکل کر، کراچی کے مدرسۃ الاسلام مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اب تک اسی عہدہ پر ہین، ان کا فارسی دیوان چھپکر شایع ہو چکا ہی، لارڈ کرزن، جب سواحلِ عرب کی مہم پر گئے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سردارانِ عرب کے سامنے عربی زبان مین لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم کے واقعات مین سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لئے کافی ہو سکتا ہی، لیکن

مولوی صاحب اب بھی گمنام ہین، ان کی یہی خواہش ہو، اور اگر وہ اس خواہش مین ہمیشہ کامیاب رہین تو ہمارا کوئی ہرج نہین،

لیکن اُن کی جس تصنیف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین، اس کے متعلق، ہم ان کی خواہش کی پیروی نہین کرسکتے، یہ تصنیف (خصوصاً اس زمانہ مین) اسلامی جماعت کے لئے اسی قدر مفید اور ضروری ہو جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جان کے لئے آب زلال، اس لئے ہم اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنا چاہتے ہین، افسوس ہو، کہ مصنف نے یہ کتاب عربی زبان مین لکھی ہو، اور اس لئے عام لوگ اس سے متمتع نہین ہوسکتے، ہم نے اُن سے بارہا کہا کہ اس زمانہ مین جو کچھ لکھنا چاہئے، ملکی زبان مین لکھنا چاہئے، لیکن انکی قدامت پرستی اردو کی طرف ان کو مائل نہین ہونے دیتی، (اور سچ یہ ہو کہ وہ اردو لکھ بھی نہین سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہین دے سکتے بلکہ اسکے مطالب پر اکتفا کرین گے"

نظم قرآن یہ امر صاف نظر آتا ہو، کہ قرآن مجید کی اکثر آیات مین کوئی خاص ترتیب نہین ہو، ایک آیت مین کسی فقہی حکم کا بیان ہو، اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہوجاتی ہے، پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہو، ساتھ ہی کافرون سے خطاب شروع ہوجاتا ہو، پھر کوئی اور بات نکل آتی ہو، غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے، کہ ایک قسم کے مطالب یک جا بیان کئے جائین، قرآن پاک کا یہ طرز نہین،

اس کے متعلق قدما کی مختلف رائین ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہو کہ چونکہ قرآن مجید مین عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہو، اور اُن کے خطبے، اسی طرح کے ہوتے تھے، یعنی مختلف مضامین بلا ترتیب بیان کرتے تھے، اس لئے قرآن پاک مین بھی یہی

طرز ملحوظ رکھا ہو، اکثر علما کی یہ رائے ہے، کہ قرآن مجید کی آیتین، مختلف وقتون مین مختلف ضرورتون کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہین، اس لئے اُن مین کوئی ترتیب کیونکر قایم ہو سکتی ہو، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریرون کو جو اس نے مختلف وقتون مین کین اگر یکجا قلمبند کردیا جائے، تو ان مین ترتیب کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ یہ رائے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی جستہ جستہ نازل ہوا ہی اور ہر سورۃ اور ہر ٹکڑے کا شانِ نزول مختلف ہی، اس لیۓ ان مین ترتیب کیونکر قایم رہ سکتی ہی، بعض علمائنے یہ دعوی کیا ہی، کہ قرآن مجید کی تمام آیتون مین ابتدا سے لیکر انتہا تک، ترتیب اور تناسب ہی، بقاعی نے اس کے ثبوت مین مستقل تفسیر لکھی ہی، جسکا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہی، لیکن اس کے مطالب جو تفسیرون مین نقل کئے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے، اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزون مین بھی پیدا ہو سکتا ہی،

مولوی حمید الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہی، وہ اسی اخیر رائے کے مدعی ہین، یعنی، یہ کہ ایک سورہ مین جسقدر آیتین ہین، ان مین ضرور کوئی قدر مشترک ہے، اور اس لحاظ سے وہ سب آیتین باہم متناسب ہین،

ان کا دعوی ہی کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبجکٹ) ہوتا ہی اسیطرح ہر سورۃ کا ایک خاص موضوع ہی، اور تمام آیتین بالذات یا بواسطہ اسی موضوع سے متعلق ہوتی ہین، ان کا عام استدلال یہ ہے کہ اگر ایک سورۃ کی آیتون مین باہم اس قسم کا تناسب نہین ہے، تو اس کی کیا وجہ ہی کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی، اور مختلف وقتون مین مختلف آیتین نازل ہوتی تھین، تو آنحضرت صلعم حکم دیتے تھے کہ ان آیتون کو اس سورۃ

مین داخل کرتے جاؤ، پھر ایک حد تک پہونچ کر آپ فرماتے تھے کہ اب یہ سورہ ختم ہوگئی، اور اسکے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی، اگر یہ آیتین اس سورہ سے کوئی خاص مناسبت نہین رکھتی تھین، تو ان آیتون کو انھین سورتون مین داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ سورتون کی تحدید اور تخصیص بھی بے کار تھی، اس سے بڑھکر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہو کہ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ دو سورتین ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہین، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلان سورۃ مین داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اس کو دوسری سورت مین شامل کرو، اگر اس آیت کو اس سورہ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین تھی تو جس آیت کو جس سورہ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے اس بنا پر مصنف نے تمام سورتون مین تناسب کا دعویٰ کیا ہو، اور نہایت دقت نظر سے ہر جگہ اسکو ثابت کیا ہو؛

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا، لیکن اس بحث کے ضمن مین، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف ان کتابون سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہین لیکن اس کو نظر آیا کہ یہ تمام کتابین ناتمام ہین، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود ناتمام تھا، اور تمام لوگون نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی،

اس بنا پر مصنف نے اصل فن پر توجہ کی، اور اسکو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سرے سے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کئے، اس طرح ایک اور مستقل کتاب تیار ہوگئی جسکا نام انھون نے جمہرۃ البلاغۃ رکھا، اس کتاب کی تمہید مصنف نے اس طرح شروع کی ہے:۔

فنِّ بلاغت

علماے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کر دیئے جائین، اس کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلامِ عرب کا تتبع کیا جاتا، اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کر کے اسکے اصول اور ضوابط منضبط کئے جاتے لیکن جس زمانہ مین یہ کوشش کی گئی، اس وقت عجم کے علوم و فنون کا اثر مسلمانون پر غالب آگیا تھا، اس لئے مسلمانون نے جس طرح اور علوم و فنون یونان اور فارس سے اخذ کئے اس فن کے مسائل بھی انھین کی تحقیقات کے موافق مرتب کئے، عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہین، اس لئے علماے اسلام نے بھی انھین چیزون کو مہتم بالشان قرار دیا حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے اور تشبیہ چندان قابلِ اعتنا نہین،

علماے اسلام نے فنِ شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی، ارسطو اگر عرب مین پیدا ہوا ہوتا، اور کلامِ عرب کے تتبع اور استقرا، کی بنا پر اس فن کی بنیاد قائم کرتا تو یقیناً اس مقصد مین کامیاب ہوتا لیکن وہ یونان مین پیدا ہوا وہین تربیت پائی یونانیون ہی کا کلام اس کے پیشِ نظر رہا، اس لئے شاعری اور فنِ بلاغت کے جو اصول اس نے قائم کئے، یونانی شعرا کے کلام سے مستنبط کر کے قائم کئے، یونان مین شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا وہ ہومر اور سوفکلیس کی شاعری تھی، ان دونون نے شاعری کی بنیاد مصنوعی قصون اور حکایتون پر رکھی تھی،

فنون لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عام طور پر مسلم الثبوت

ہوتا ہی، اُس پر نظر ڈالتے ہین، اور اس کے اجزا کی تحلیل کرتے ہین، یعنی یہ کہ اسمین کیا کیا باتین پائی جاتی ہین، پھر انھین چیزون کو محاسن قرار دیکر کلیات قائم کر لیتے ہین،

یونان مین ہومر اور سوفکلیس کا کلام، فصاحت و بلاغت مین بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا، ارسطو نے تحلیل کر کے دیکھا تو اُن کا کلام تمامتر حکایتین اور افسانے تھے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتین واقعی نہین ہین، بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہین، اس سے اسکو خیال پیدا ہوا کہ کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہے، کہ کسی واقعہ کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہ صحیح ہو یا نہ ہو، اس سے غرض نہین، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ دو چیزین فی نفسہ بدصورت اور کریہ المنظر ہین، انکی بھی اگر بعینہ تصویر کھینچدی جائے تو طبیعت کو مزہ آتا ہی، اس سے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اگر اس طرح ادا کر دیا جائے کہ اس کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تو حسنِ کلام حاصل ہو جائے گا، اس خیال کی امورِ ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہی،

انسان مین محاکات کا مادہ تمام اور حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہے، بچہ وہی کام کرتا ہی، جو اورون کو کرتے دیکھتا ہی، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچنا، انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہی،

علم فی نفسہ ایک مرغوب چیز ہے، اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہی، اس بنا پر واقعہ نگاری مرغوبِ عام ہی،

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے، محاسنِ کلام کی تمام تر بنیاد انھین دو اصولون پر رکھی، اور ان کے خلاف جو باتین نظر آئین، انکو رد کر دیا، سوفاکلیس پر لوگون نے اعتراض کیا تھا کہ تم نے لوگون کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی، وہ اصل کے مطابق نہین،

سوفاکلیس نے کہا کہ:۔

"مین نے انکا ویسا حلیہ بیان کیا، جیسا ہونا چاہیئے، نہ کہ جیسا انکا واقعی حلیہ ہی"

سوفاکلیس کا یہ جواب، اگرچہ غلط ہی، لیکن ارسطو اسکو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہی، یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا، شعرا عموماً مذاقیہ، مصنوعی قصے نظم کرتے تھے، یہان تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا کہ شاعری کا اصلی مقصد لطف انگیزی ہی، اور اسی بنا پر اس کی رائے ہے کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو، تو شاعر کو، واقعہ کا گھٹانا بڑھا دینا جائز ہی،

علماے اسلام نے چونکہ بنیادِ فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، اس لئے تمام مسائل مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہی، ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمالِ شاعری قرار دیا تھا، علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذبہ یعنی اچھا شعر وہ ہے، جس مین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہے، اس لئے علمائے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح وروان، تشبیہ و تمثیل ہی، کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہی، چنانچہ عبدالقاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ مین لکھا ہی، کہ بلاغت کے مہماتِ مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین،

ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین جھوٹ کو سچ پر ترجیح ہی، انھون نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہی، مثلاً ان دونون فقرون مین "زید، شیر کے مشابہ ہی" "زید، شیر ہے"

پہلا، تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پر زور اور بلیغ ہے،

اب ان دونون فقرون کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ، واقعیت کا پہلو رکھتا ہی، کیونکہ ایک شجاع شخص، دلیری اور بہادری مین شیر کا مشابہ کہا جا سکتا ہی، لیکن دوسرا فقرہ تمامتر مبالغہ اور جھوٹ ہے، اس بنا پر یہ راے قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری مین جو زور یا لطف پیدا ہوتا ہی، وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہی، ان خیالات نے تمام لٹریچر کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونون مذکورۂ بالا اصُول غلط ہین، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان مین محاکات[1] کا مادہ تمام جانورون سے زیادہ ہی، محض غلط ہی، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان، دونون مین محاکات کا مادہ ہی، تاہم یہ فرق ہوگا کہ انسان صرف انسانون کی محاکات کرتا ہے بخلاف اس کے بندر، تمام حیوانات اور انسانون کی محاکات کرتا ہی، آدمی کا بچہ جانورون کو بھی بولتے دیکھتا ہی، لیکن انکی بولی کی مطلق نقل نہین کرتا، بخلاف اس کے ہزار داستان، یا مینا، ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہی، آدمی کا بچہ، جو اپنے مان باپ، بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہے، وہ اس بنا پر نہین، کہ اس کی فطرت مین محاکات کی قوت ہے، بلکہ اسکی وجہ یہ ہی کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہی، تو اسمین تمام خصائل انسانی بالقوہ موجود ہوتے ہین، یہ خصائل نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے ابھرتے اور ظہور کرتے ہین، بچہ پیدا ہونے کے ساتھ دودھ پینا شروع کرتا ہی، اس نے پہلے کسی کو دودھ پیتے نہین دیکھا تھا، لیکن چونکہ خدا نے اسکی فطرت مین یہ قوت ودیعت رکھی ہی، اس لئے وقت معین پر خود بخود اسکا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح انسان کو جو قوتین عطا ہوئی ہین، وقتاً فوقتاً خود انکا ظہور ہوتا ہی،

[1] محاکات کا لفظ ارسطو کی تحریر مین بار بار آیا ہے، اسلئے اس کے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئین محاکات کے معنی کسی چیز کی نقل اتارنا یا صورت کھینچنا ہے،

نمونہ اور مثال سے اس قوت کو صرف تحریک ہوتی ہی، نہ یہ کہ یہ افعال محاکات کی فطرت کی وجہ سے وجود مین آتے ہین،

ارسطو کا یہ خیال بھی غلط ہی کہ بلاغت کا مدار کذب سخن سازی، اور مبالغہ پر ہے، چنانچہ اس کی حقیقت آگے چل کر واضح ہو گی،

ارسطو کے خیالات کے رد کرنے کے بعد مصنف نے خود اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہی، کہ نطق اور بلاغت کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے کیا اصول وشرائط ہین، انکی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

انسان فطرۃً ناطق پیدا کیا گیا ہی، انسان اور دیگر تمام جانورون مین، جو چیز اصلی مابہ الامتیاز ہے، اور جس کو منطق کی اصطلاح مین فصل کہتے ہین، یہی نطق ہی، لیکن نطق سے آواز یا لہجہ یا راگ مقصود نہین، یہ چیزین بلبل اور طوطی مین بھی پائی جاتی ہین، اور انسان سے بڑھکر پائی جاتی ہین بلکہ نطق سے یہ مراد ہے کہ دل مین جو خیالات آئین ان کا اظہار کر سکے، عقل کا کام سوچنا اور غور وفکر کرنا ہے، غور وفکر سے جو خیال پیدا ہوتا ہے، عقل جب اس کو ظاہر کرنا چاہتی ہے تو نطق ہی کے ذریعہ سے کر سکتی ہے، اسی لئے نطق عقل کا آلہ ہے،

ارسطو کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ انسان کی اصلی فضیلت اور اس کا اصلی خاصہ محاکات قرار دیتا ہی، حالانکہ یہ خاصہ محاکات نہین، بلکہ نطق ہی، محاکات بھی نطق ہی کا ایک نتیجہ ہی، انسان مین قوت نطق نہ ہوتی تو محاکات بھی نہ ہوتی،

نطق کا کمال دو چیزون پر منحصر ہے، خیالات اور مطالب صحت اور خوبی سے ادا کئے جائین، جو مطالب ادا کئے جائین، خود بھی عمدہ اور صحیح ہون،

ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط، ضروری نہین، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہ ادا کرے، مضمون فی نفسہ برا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین، ابو جعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہی کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہی، کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہی، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہی، اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک ٹانگ کا کانڑا ہو تو حسین نہین کہا جا سکتا،

حسنِ کلام کی بھی یہی حالت ہی، اکثر ایسا ہوتا ہی، کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو وصرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ، مضمون کا حجاب بنجاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کر کے دل مین اتر جاتا ہی، اسکی یہ مثال ہی کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آداب سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بنکر جائے اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسنِ کلام، الفاظ کا پابند نہین اور یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہی، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی، "پہونچنے والے" کے ہین، اور جو چیز دل مین پہونچتی ہی، وہ دراصل معانی ہین نہ الفاظ،

اس تمہید کے بعد، اس بات پر لحاظ کرو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہی تو گو کیسے ہی فصیح اور شستہ الفاظ مین ادا کیا جائے، دل مین جگہ نہین کرتا، بلکہ اچٹ جاتا ہی، ممکن ہو کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بدمذاق کو مزا آئے، لیکن کلام کی حسن وخوبی کا فیصلہ، احمقون کے مذاق کے رو سے نہین ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام مین جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو، دل مین نہین اتر سکتا، اور اس بنا پر اسکو بلیغ بھی نہین کہہ سکتے، یہی وجہ ہے کہ شعرائے عرب، کلام کی تعریف حسن مضمون کے لحاظ سے کرتے ہین،

زہیر بن ابی سلمی کہتا ہی،

وذی نعمۃ تممتہا وشکرتہا	وخصیم یکاد الحق یغلب باطلہ
دفعت بمعروف من القول صائب	اذا ما اضل الناطقین مفاصلہ
وذی خطل فی القول یحسب انہ	مصیب فما یلمم بہ فھو قائلہ
عبأت لہ حلماً واکرمت غیرہ	واعرضت عنہ وھو باد مقاتلہ

قرآن مجید مین جہان بلیغ کا لفظ آیا ہی، اسی معنی مین آیا ہی، مثلاً قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا، یعنی اے محمدؐ! ان لوگون سے ایسی بات کہہ جو بلیغ ہو، یعنی ان کے دل مین اتر جائے، اسی طرح اس آیت مین بھی وللہ الحجۃ البالغۃ یہی معنی مراد ہین، حاصل یہ کہ جو مضمون جس قدر زیادہ دلنشین اور دلپذیر ہو گا اسی قدر زیادہ بلیغ ہو گا،

ایک اور واضح مثال سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو سکتا ہی، فرض کرو ایک شخص کسی آدمی کو گالیان دیرہا ہے، اور گالیون مین ہر قسم کی سخن آرائی، لفاظی، جدت پسندی، استعارہ بندی صرف کرتا ہی، الفاظ بھی نہایت شستہ، بامحاورہ اور فصیح ہین، تو کیا تم

اس شخص کو فصیح و بلیغ کہو گے!!

اس تمام تقریر سے امورِ ذیل ثابت ہوئے، کلام کی خوبی، صرف محاکات کا نام نہین، کلام کی غرض و غایت صرف، سامعین کو محظوظ کرنا نہین بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری ہے، کلام سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ اس لئے نہین کہ کلام ایک قسم کی محاکات ہے، اور محاکات، انسان کی فطرت مین داخل ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے، کہ نطق ایک قوت ہے، اور ہر قوت کے استعمال مین انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہے، انسان کا اصلی خاصہ محاکات نہین بلکہ نطق ہے، کلام کی خوبی سچائی پر موقوف ہے،

ان مقدمات سے معلوم ہو گا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہے، وہ عقل کی دست و بازو، انسانیت کا عنصر، راستی کی مترجم اور فخر کا تاج ہے، وہ اس رتبہ کی چیز ہے، کہ ایک پیغمبر اولوالعزم کا معجزہ قرار پائے، اسی کا اثر تھا، کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجازِ موسوی کو بے حقیقت کر دیا، عصائے موسوی کا معجزہ، یہودیون یا قبطیون کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا، لیکن اعجازِ قرآنی نے لوگون کو حضیضِ خاک سے اٹھا کر آسمان تک پہونچا دیا،

لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہو جو ارسطو نے بیان کی، تو نعوذ باللہ، وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پا سکتی ہے!!

بلاغت کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے کے بعد، اب ہم اس کے اصول اور آئین مرتب کرنا چاہتے ہین، لیکن چونکہ بلاغت کا بہت بڑا مظہر، شاعری اور خطبہ پردازی ہے، اس لئے پہلے ہم ان دونون کی حقیقت سے بحث کرتے ہین،

شاعری اور خطابت اگرچہ بلاغت کی حیثیت سے برابر کے شریک ہین، تاہم ان دونون مین بہت بڑا فرق ہے، شاعری کی حقیقت، خود شاعری کے لفظ سے اچھی طرح سمجھ

ہین ہ سکتی ہی، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اس لئے انھون نے اسکا نام بھی ایسا رکھا جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہی، شاعر کے لفظی معنی، صاحب شعور کے ہین، شعور احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین، یعنی شاعر وہ شخص ہی جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین، مثلاً، رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین، جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہین، مثلاً رونے کی حالت مین آنسو جاری ہوتے ہین، ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہی، انگڑائی کی حالت مین، اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہی، شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب کے طاری ہوتے ہی ایک خاص اثر پڑتا ہی، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی، اسی کا نام شاعری ہی، شاعر کا احساس اورون کے احساس سے قوی ہوتا ہی، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ اسکو اورون کی بہ نسبت، زیادہ رنج یا زیادہ خوشی ہوتی ہی، بلکہ اس کے یہ معنی ہین کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتین جوش مین آجاتی ہین، احساس اس کی قوت متخیلہ کو، نطق کو، آواز کو، لہجہ کو، سب کو یکبارگی مشتعل کر دیتا ہی، شاعر گویا نو دمیدہ سبزہ ہی، کہ جب اسپر پانی پڑتا ہی تو رگ رگ مین سرایت کر جاتا ہے اور وہ لہلہانے لگتا ہی،

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہین ہوتا، لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہین ہوتا، اس کی غرض، دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہی، وہ اپنے احساس کو قابو مین رکھ سکتا ہی، اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہی جہان تک اورون کے متاثر کرنے مین کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہی لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہی کہ آیندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب، شاعر کی بہ نسبت، زیادہ عاقل

زیادہ ذکی النفس، زیادہ عالی منزلت ہوتا ہی، اور اسی بنا پر اہلِ عرب، شعر کو جادوگری، اور خطبہ کو حکمت کہتے ہین،

عام لوگون کا خیال ہی، کہ شاعری کا اصلی عنصر تشبیہات اور استعارات ہین، چنانچہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ کو اس بنا پر ایک قسم کی شاعری سمجھتے ہین، کہ وہ تشبیہات سے مملو ہین، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہی، شاعر کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت سریع الانفعال اور موسیقی الطبع ہوتا ہی، جب اس پر کوئی خاص اثر طاری ہوتا ہی، تو نغمہ، وزن، رقص کی قوتین جو اسمین فطری ہوتی ہین، دفعۃً تحریک مین آجاتی ہین،

حضرت داؤدؑ پر جب خدا کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وہ وجد مین آکر رقص کرنے لگتے تھے، انکا کلام جس قدر ہی، سرتاپا شعر ہے، جو انکے پرجوش دل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر اُن کے اشعار کو مزامیر کہتے ہین، بخلاف ان کے حضرت عیسیٰؑ پر شاعرانہ احساس غالب نہ تھا، اس لئے ان کے کلام مین شاعری کے بجائے حکمت اور فلسفہ ہوتا تھا،

ارسطو نے اس بحث مین بھی سخت غلطی کی ہی، وہ کہتا ہی کہ شاعری کے جذبہ کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہی، اس کی وجہ یہ ہے، کہ نغمہ اور رقص ایک قسم کی محاکات ہی یعنی انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے وہ انکی تصویر کھینچتا ہے، چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکاتِ رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے بھی جاتے ہین،

لیکن یہ خیال غلط ہی، اصل حقیقت یہ ہے کہ جذباتِ انسانی مثلاً رنج، خوشی، خوف، تعجب، شوق، نفرت، یہ چیزین، انسان کے دل مین ایک نہایت پرزور حرکت پیدا کر دیتی ہین، یہی حرکت آواز یا راگ یا رقص، یا تڑپ بنجاتی ہی، مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے، تو دل مین ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہی، یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہے، اور چونکہ یہ آثارات

حرکاتِ نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین، اس لئے وہ حرکاتِ نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہین، جس طرح، الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہین،

غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہی، اسی طرح یہ اشارات وحرکات بھی فطری ہین، جو بے اختیار سرزد ہوتے ہین، وہ محاکات کی غرض سے نہین کئے جاتے، گو یہ ممکن ہی کہ محاکات کا مقصد، اس سے حاصل ہو جائے،

اس موقع پر پہونچکر ایک اور عام غلطی کا رفع کر دینا بھی ضرور ہی، اکثر لوگ، شعر اور نثر بلیغ کو ایک سمجھتے ہین، چنانچہ قدما مین ارسطو اور متاخرین مین جان مل کا یہی مذہب ہی، ارسطو کا خیال ہے، کہ محاکات کے مختلف طریقے ہین، اور خود کلام، جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہی، اس مین محاکات کے تین ذریعہ پائے جاتے ہین، وزن، الفاظ، نغمہ یہ چیزین، تنہا اور کبھی مل کر، وارداتِ قلبی کی تصویر کھینچتی ہین، یہی محاکات شعر ہے، یہ محاکات کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، جس طرح سقراط کا مکالمہ اور کبھی الفاظ اور نظم دونون کے ذریعہ سے، وزن شعر کے لئے کوئی ضروری چیز نہین، لیکن عام لوگون نے اس کو شاعری کا ضروری جز قرار دیدیا ہے،

ارسطو کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا مدار نہین، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ وزن شعر کے اجزا مین داخل نہین، وزن شعر کا جز ہے، لیکن چونکہ کل کے لئے محض ایک جز کافی نہین ہوتا، اس لئے تنہا وزن سے شعر نہین بن سکتا، لیکن ارسطو کی یہ غلطی ہے کہ وہ سقراط کے مکالمہ اور ہومر کے کلام، دونون کو شعر قرار دیتا ہی،

جان مل کی رائے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے' اور یہ کہ شاعر دوسرون کو نہین بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہی، اس تشریح سے جان مل

نے شاعر کو خطیب سے الگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہین کہتا، لیکن جان مل نے بھی یہ غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہین قرار دیتا،

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ انسان کی تمام قوتون مین سے نطق سب سے زیادہ قوی اور اسی کی مخصوص قوت ہے، اس لئے یہ جذبہ نطق ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جس طرح کہ حیوانات کے جذبات مختلف قسم کی آوازون سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً شیر کا ہمہمہ، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک وغیرہ وغیرہ بعض وقت یہ جذبہ موزون حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس اور کبوتر کا رقص، یا راگ سننے کے وقت سانپ کا لہرانا، قدرت نے جن اشخاص کو نطق اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے اس سے جذبات کی حالت مین شعر ادا ہوتے ہین، اور ساتھ ہی وہ غنغنانے بھی لگتا ہے، اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے، تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہین، اس بنا پر شعر، وزن، نغمہ اور رقص کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن چونکہ یہ چیزین جذبات کے کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین، اس لئے ہر شعر مین ان چیزون کا پایا جانا ضروری نہین، تاہم کوئی شعر نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہین ہو سکتا، خود وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے، راگ کی ایک قسم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گا کر پڑھتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ شعر پڑھنے کو اہل عرب انشاد کہتے ہین جسکے معنی گانے کے ہین، اب تم نے سمجھا ہوگا کہ شعر کو وزن سے، نغمہ سے رقص سے کیا تعلق ہے، وہ حقیقت یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہین، البتہ وزن کو شعر سے بہ نسبت نغمہ اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے، اور اسی وجہ سے ہمیشہ لوگ وزن اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہین،

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول اور قواعد اور جزئیات بیان کئے ہین اسکو ہم آیندہ پرچے کیلئے اٹھا رکھتے ہین،

شعر العرب

رجحانِ طبع کی اور بات ہی، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اقتضاے حالات کے لحاظ سے مجھکو شعر العجم سے پہلے شعر العرب لکھنا چاہئے تھا، بلکہ سچ یہ ہی کہ قومی ضروریات کی فہرست مین شعر العجم کا نام سیکڑون نمبرون کے بعد آنے کی چیز ہے، لیکن کیا کیا جائے؟ شعر العرب لکھتا تو سمجھنے والے کہان سے آتے؟ مدرسون مین فن ادب کا مذاق نہین، اور کالج والے عربی خود نہین پڑھتے بلکہ یہ لقمہ زبردستی ان کے منہ مین ڈالا جاتا ہی، جس کو امتحان کے بعد وہ اگل دیتے ہین،

یہ سب کچھ سہی لیکن یہ کانٹا مرتے دم تک دل سے نہین نکل سکتا، کہ عربی شاعری اس قدر وسیع پر اثر اور قومی جذبات سے لبریز اور اس کے متعلق ہماری زبان مین ایک حرف بھی نہین! زیادہ افسوس یہ کہ شعر العرب کے لئے کچھ بہت زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہین، کسی قدیم تصنیف کو سامنے رکھ لیا جائے اور انھین عنوانون کو کچھ پھیلا کر، کچھ نئے مذاق کا رنگ چڑھا کر لکھ دیا جائے، تو اچھی خاصی تالیف ہو جائیگی، اس قسم کی قدیم تصنیفون مین سب سے بہتر اور سب سے جامع ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہی، اسکا نسخہ ہندوستان مین موجود نہ تھا، مدت ہوئی مین نے بہ صرف کثیر مصر کے کتبخانہ سے لکھوا کر منگوایا تھا، لیکن وہ ایک دوست کی نذر ہوا، اور شاید ایشیا سے یورپ مین پہونچ گیا، اتفاق سے اب کی ڈاک مین جو مصری کتابین آئین ان مین کتاب العمدہ کا بھی ایک نسخہ تھا، یار گم گشتہ کے ملنے سے جو خوشی ہوئی اس کا بیان نہین ہو سکتا، شعر العرب

کی یاد پھر تازہ ہوگئی، کتاب تو جب لکھی جائیگی، لکھی جائیگی، لیکن سر دست اس کتاب کا ریویو لکھتا ہون، جس سے شعر العرب کی داغ بیل پڑ جائیگی، اسی پر کبھی عمارت بھی بنجائیگی اور مین اس کام کو نہ کرسکون گا تو کوئی اور خدا کا بندہ پیدا ہو جائے گا ع

مردے از غیب برون آید و کارے بکند

ابن رشیق افریقیہ کا رہنے والا تھا، اس کا باپ ایک رومی غلام تھا، اور زرگری کا پیشہ کرتا تھا، باپ نے ابتدا مین خاندانی پیشہ سکھلایا، لیکن اس نے اسی کے ساتھ علوم ادبیہ کی بھی تحصیل کی، اور یہ مذاق غالب آیا کہ ۴۰۶ھ مین قیروان گیا، جو افریقیہ کا دار العلم تھا، یہان اس نے ان علوم کی تکمیل کی، لیکن جب وحشی عربون نے اس شہر کو برباد کر دیا تو وہ سسلی چلا آیا اور مازر مین قیام کیا، ۴۶۳ھ مین وفات پائی،

ادب مین اس کی بہت سی تصنیفات ہین، لیکن سب کی سرتاج کتاب العمدہ ہے جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کی نسبت لکھا ہی کہ اس فن مین کوئی کتاب اس درجہ کی نہین لکھی گئی، اس کتاب کا موضوع اگرچہ عرب کی شاعری اور اس کے اصول اور آئین ہین، لیکن چونکہ اس وقت تک زبان یا شاعری کی تاریخ اور اصول و آئین کا منضبط کرنا کوئی فن نہین قرار پایا تھا، اس لئے مصنف نے شاعری کے اصول پر کم اور صنائع و بدائع پر زیادہ لکھا ہی، تاہم جو کچھ لکھا ہی کسی قدر ترتیب بدل دینے سے مذاقِ حال کے سانچہ مین ڈھل سکتا ہی، اور ہم اس وقت ریویو مین یہی مقصد پیشِ نظر رکھتے ہین،

شاعری کی ابتدا عرب کا ملک ہزارون برس سے موجود ہی، اس کا تمدن بھی کچھ نوعمر نہین تاہم تعجب ہی کہ شاعری کا پتہ اسلام سے سو ڈیڑھ سو برس آگے نہین چلتا ہے سب سے

پہلا شاعر جس سے قصیدہ کی ابتدا ہوئی مہلہل بن ربیعۃ ہی جو امرء القیس کا ماموں تھا، فرزدق کہتا ہی، ع ومہلھل الشعراء ذاک الاول،

امرء القیس آنحضرت صلعم سے تقریباً ۸۰ برس پہلے تھا، اس لئے مہلہل کا زمانہ بھی اس کے قریب قریب سمجھ لینا چاہئے، یہ بات عرب کی تاریخ کا طغرائے زرین ہی کہ وہاں شاعری کی ابتدا شریفانہ اور مردانہ جذبات سے ہوئی، ایران کی طرح مداحی اور خوشامد گوئی مین اس کی زبان نہین کھلی، عرب ہمیشہ سے جنگجو، بہادر، مہمان نواز، سیرچشم، غیور، اور بلند ہمت تھے، انھین باتون کو نظم مین ادا کرتے تھے، اور یہی ان کی شاعری تھی، کوئی قبیلہ کسی شاعر کی خانہ جنگیون مین کسی قسم کی مدد کرتا تھا تو شکریہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے مثلاً امرء القیس نے بنو تیم کی مدح مین کہا،

اقر حشا امرء القیس بن حجر بنو تیم مصابیح الظلام

سب سے پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح لکھی وہ زہیر بن ابی سلمی تھا جس نے ہرم بن سنان کی مداحی کی تاہم اس نے یہ آن قایم رکھی کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار مین آئے، اور مجھ کو سلام کرے تو اس کو انعام دیا جائے، اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار مین جاتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہون۔

زہیر کے بعد نابغہ ذبیانی نے سلاطین کی مداحی کی، اور اس وجہ سے تمام عرب اس کو ذلیل سمجھنے لگا اور اس کی قدر و منزلت جاتی رہی، کتاب العمدہ مین ہی،

فسقطت منزلتہ وتکسب مالا جسیماً تو اس کی عزت جاتی رہی، اور اس نے مداحی سے بڑی دولت پیدا کی،

اہل عرب مداحی کو جس قدر ذلیل سمجھتے تھے اسکا اندازہ واقعات ذیل سے ہوگا،

لبیدبن ربیعہ مشہور شاعر تھے، جنکا ایک قصیدہ سبعہ معلقہ مین داخل ہی انکا معمول تھا کہ جب پورب کی ہوا چلتی تھی تو عام مہمانی کرتے تھے، جسمین سیکڑون اونٹ ذبح کرتے تھے، بڑھاپے مین جب دولت کی طرف سے تنگی ہوئی تو یہ معمول قضا ہونے لگا، ولید بن عقبہ کو خبر ہوئی تو اس نے سو اونٹ بھیجدیئے کہ معمول مین فرق نہ آنے دیجئے، لبید نے اپنی لڑکی کو بلاکر کہا کہ بٹیا! اس شخص نے میرے ساتھ احسان کیا ہی، لیکن اب مجھ سے شعر نہین کہے جاتے میری طرف سے تو شکریہ کے اشعار کہدے، اس نے یہ قطعہ لکھا:-

اذا ھبّت ریاح ابی عقیل	دعونا عند ھبّتھا الولیدا
اغر الوجہ ابیض عبشمیّا	اعان علی مروتہ لبیدا
ابا وھب جزاک اللہ خیرا	نحرناھا واطعمنا الثریدا

اخیر شعر یہ تھا:-

فعد ان الکریم لہ معاد	وظنی یا ابن اروی ان یعودا

دوبارہ بھی ایسی ہی فیاضی کر کیونکہ شریف بار بار فیاضی کرتے ہین، اور میرا گمان ہے کہ تو ایسا ہی کرے گا،

چونکہ اس شعر مین اظہارِ حاجت تھا، لبید نے بیٹی سے کہا کہ اور شعر بہت اچھے ہین، لیکن اخیر شعر غیرت کے خلاف ہی،

عمر بن ابی ربیعہ قریش کا مشہور شاعر تھا، عبدالملک نے اس سے مدح کی فرمایش کی اس نے کہا کہ مین صرف عورتون کی مدح کیا کرتا ہون، (یعنی غزل لکھتا ہون)

ابن میّادہ نے خلیفہ منصور کی مدح مین قصیدہ لکھا اور قصد کیا کہ بغداد جاکر دربار مین سنائے، سوار ہو رہا تھا کہ اس کا نوکر حسب معمول اونٹنی کا دودھ لیکر آیا، ابن میادہ نے پیکر پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ استغفر اللہ اس کے ہوتے مین امیر المومنین کی مدح لکھا

ہون اور بغداد جاتا ہون۔

یزید ثقفی، حجاج کا ہموطن شاعر تھا، حجاج نے اس کو فارس کا گورنر مقرر کیا جب وہ رخصت ہونے کے لئے آیا تو حجاج نے کہا کچھ شعر سناتے جاؤ، حجاج سمجھا تھا کہ اس کی مدح پڑھیگا، یزید نے برجستہ کہا:۔

وابی الذی سلب ابن کسری رایۃ　　　بیضاء تخفق کالعقاب الطائر

میرا باپ وہ ہے جس نے نوشیروان کے بیٹے سے علم چھین لیا تھا جو عقاب کی طرح لہراتا جاتا تھا،

حجاج نے عرض بیگی سے کہا کہ جب یزید باہر نکلے تو سند حکومت چھین لینا اور کہنا کہ تیرے باپ نے یہ چیز تجھکو وراثت مین دی تھی،

یزید نے کہا حجاج سے کہدینا کہ:۔

وورثت جدی مجدہ وفعالہ　　　وورثت جدک اعنزا بالطائف

مین نے اپنے باپ کا شرف اور کارنامے وراثت مین پائے، اور تیرے باپ نے وراثت مین بکریاں چھوڑین

فرزدق بنی امیہ کے دربار کا شاعر تھا تاہم جب سلیمان بن عبد الملک نے اس سے شعر پڑھنے کی فرمایش کی تو بجائے اس کے کہ وہ سلیمان کی مدح مین کچھ پڑھتا اپنے خاندان کی مدح مین فخریہ اشعار پڑھے، سلیمان سخت برہم ہوا، اتفاق سے دربار کا ایک اور شاعر جسکا نام نصیب تھا موجود تھا اس نے برجستہ یہ اشعار پڑھے:۔

اقول لرکب قافلین رایتھم　　　قفا ذات اوشال ومولاک قارب

قفوا خبرونی عن سلیمان اننی　　　لمعروفہ من اھل ودان طالب

فعاجوا فاثنوا بالذی انت اھلہ　　　ولو سکتوا اثنت علیک الحقائب

سلیمان نے نصیب کو پانسو اشرفیاں دلوائین اور کہا کہ فرزدق سے کہ دے کہ

کہ اپنے باپ کی آگ کے پاس جائے، فرزدق غصہ مین آکر یہ شعر پڑھتا ہوا دربار سے اٹھا،

وخیر الشعر اکرمہ رجالا — وشر الشعر ما قال العبید

اچھے شعر شرفا کہتے ہین، — اور سب سے برا شعر وہ ہے جو غلامون نے کہا ہو،

غیر قومون کے میل جول اور شخصی حکومت کی بد اثری سے عرب مین مداحی کا رواج ہوا، تاہم شروع شروع مین اتنی آن قائم رہی کہ خلفا اور سلاطین اور امرا کے سوا اور کسی کی مدح نہین کرتے تھے اور نہ صلہ لیتے تھے، مروان ابن ابی حفصہ کہتا ہی:۔

ولقد حبیت بالف الف لم تکن — الا بکف خلیفۃ و وزیر

مین نے لاکھون روپیہ حاصل کئے — لیکن صرف خلیفہ یا وزیر سے،

مازلت آنف ان اؤلف مدحۃ — الا لصاحب منبر او سریر

مین ہمیشہ اس بات کو عار سمجھتا رہا — کہ بجز صاحب تخت و منبر کے اور کسی کی مدح کرون،

ذوق سخن مین یہ بحث زیادہ پھیل گئی، اصل مضمون یہ تھا کہ عرب مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی اور کب ہوئی،

ابن رشیق نے شاعری کی ابتدا اور رفتہ رفتہ مختلف قبیلون مین پھیلنے کا ایک سلسلہ بیان کیا ہی، جو مختصراً حسب ذیل ہی:۔

قبیلہ ربیعہ، — اس قبیلہ کے مشہور شعرا یہ ہین مہلہل بن ربیعہ، مرقش اصغر واکبر، طرفہ بن عبد، حارث بن حلزہ، متلمس، اعشی ان مین سے دو شاعر سبعہ معلقہ والے ہین،

بنو قیس، — اس قبیلہ مین نابغہ ذبیانی، نابغہ جعدی، زہیر بن ابی سلمیٰ کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، حطیئہ، شماخ، مشہور شعرا

گذرے ہین، ان مین بھی دو سبعہ معلقہ والے ہین،

تمیم — اس قبیلہ مین مدت تک شاعری قایم رہی اوس بن حجر اسی قبیلہ کا شاعر تھا،

ابتدا مین صرف قصیدے کہتے تھے، رجز دو تین شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے، جو معرکۂ جنگ یا مفاخرت وغیرہ کے موقع پر بے اختیار شاعر کی زبان سے نکل جاتے تھے، سب سے پہلے عجاج نے رجز کو وسعت دی، اور تمام وہ خیالات ادا کئے جو قصائد مین ادا کئے جاتے تھے، روبہ بن عجاج نے اسکو اور بھی ترقی دی، یہ دونون بنی امیہ کے زمانے مین تھے، افسوس یہ کہ رجز انھین دونون پر ختم ہو گیا ورنہ اگر اس صنف کو ترقی ہوتی تو عرب مین بھی مثنوی کا رواج ہو جاتا جو شاعری کی سب سے بڑی شاخ ہے اور جس کی بدولت عجم نے اس میدان مین عرب سے علانیہ بازی جیتی، تاہم یہ صنف بالکل معدوم نہین ہوئی، ابن المعتز وغیرہ نے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین، اور الفیہ بن مالک وغیرہ بھی گویا اسی کے پرتوے ہین اگو وہ شعر نہین بلکہ نظم ہین،

زمانے کے اعتبار سے شعرائے عرب کے چار دور ہین،

جاہلی، یعنی اسلام سے قبل کے شعراء،

مخضرمی، یعنی جنھون نے دونون زمانے پائے، مثلاً لبید، حسان، نابغہ،

اسلامی، یعنی آنحضرت صلعم کے زمانے سے لیکر بنو امیہ تک،

محدث، یعنی دولت عباسیہ کے شعرا، اور ان کے مابعد،

ایران مین شاعر کے لئے مختلف علوم و فنون مین کامل ہونا ضرور تھا، چنانچہ تمام مشاہیر شعرا، نامور علما اور فضلا تھے، لیکن عرب مین اس کے برخلاف وہی شعرا فن شعر

کے امام اور پیشوا خیال کئے جاتے ہین، جو جاہل مطلق تھے اور ایک حرف لکھ پڑھ نہین سکتے تھے، یہان تک کہ کسی اسلامی شاعر کی بے انتہا تعریف کرنا چاہتے ہین، تو کہتے ہین کہ اگر اس نے زمانۂ جاہلیت کا ایک دن بھی پایا ہوتا، تو سب سے بڑا شاعر ہوتا، اس کی وجہ یہی ہو کہ شاعری دراصل خالص فطری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور تمدن کے زمانے مین کوئی فطری حالت باقی نہین رہتی، بلکہ تصنع اور آورد کا اثر آجاتا ہو، اس کے علاوہ تمدن کے زمانے مین جذبات کا جوش و خروش نہین رہتا جو شاعری کی جان ہو، غور کرو ایک بہت بڑا متمدن شاعر فخریہ یہ کہتا ہو اور یہ فخریہ شاعری کا بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہو،

اذا مضاء الحمراء کانت ارومتی | وقام بمجدی حازم وابن حازم
جب کہ قبیلہ مضر میرا مورث اعلیٰ ہو | اور میری شرافت کے بانی حازم اور ابن حازم ہین،
عطست بانفی شامخا وتناولت | یدای الثریا قاعدا غیر قائم
تو غرور سے ناک چڑھاتا ہون اور | میرے ہاتھ بیٹھے بیٹھے ثریا کو چھو لیتے ہین،

لیکن ایک جاہلی شاعر یون فخر کرتا ہو:-

الا لا یجهلن احد علینا | فنجهل فوق جهل الجاهلینا
ہان دیکھو! کوئی ہم سے جہالت نہ کرے | ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین،
اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ | تخرله الجبابر ساجدینا
جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑتا ہے | تو بڑے بڑے جبارا اسکے سامنے سجدہ مین گر پڑتے ہین

شاعری کا رتبہ اور شاعری کا اثر

ایران بلکہ تمام ایشیا مین شاعری تفریح طبع کی چیز تھی، اس لئے انوری نے ایک قطعہ مین ثابت کیا ہو کہ انسانی جماعت مین شاعر کی اتنی بھی ضرورت نہین جس قدر بھنگی اور خاکروب کی ہو، لیکن عرب مین شاعر ایک جنرل،

ایک فاتح، ایک سردار اعظم کا رتبہ رکھتا تھا، ایک شاعر صرف اپنے کلام کے اثر سے قبیلہ کے قبیلہ کو برباد اور گمنام کر دیتا تھا، عرب مین ایک نہایت معزز قبیلہ نبو نمیر تھا کسی مجمع مین اس قبیلہ کا کوئی آدمی بیٹھا ہوتا تھا اور کوئی اسکا نام و نسب پوچھتا تھا تو نمیر کا نام لیتے وقت اس کی آواز مین غرور کا لہجہ پیدا ہو جاتا تھا، جریر اس قبیلہ سے ناراض ہوا، رات کو ان کی ہجو لکھنے بیٹھا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ ذرا چراغ مین تیل زیادہ ڈالدینا، آج دیر تک جاگونگا، یہ کہکر ہجو لکھنی شروع کی جب یہ شعر کہا:-

فغض الطرف انك من نُمير   فلا كعبا بلغت ولا كلابا

تو زور سے اچھلا اور پکار اٹھا واللہ اخزیتہ لا یفلح ابدا (یعنی خدا کی قسم مین نے اس قبیلہ کو برباد کر دیا، اب یہ قیامت تک ابھر نہین سکتے، اسی وقت یہ شعر تمام عرب مین پھیل گیا اور یہ حالت ہوگئی کہ اس قبیلہ کا کوئی آدمی کہین جا نکلتا تھا، اور کوئی اسکا نام و نشان پوچھتا تھا تو قبیلہ کا نام بدل کر بتاتا تھا یہان تک کہ رفتہ رفتہ اس قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا،

اسی طرح وہ قبیلے جنکو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، صرف ایک شاعر کی بدولت نامور ہو گئے، اور بڑے بڑے معزز قدیم قبیلون نے ان کو اپنا ہمسر مان لیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی گھرانے مین کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبیلون کی طرف سے مبارکباد کے پیام آتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین جمع ہوکر مبارکباد کے گیت گاتی تھین، قربانیان کیجاتی تھین، بخلاف اس کے ایران مین کوئی شخص شاعری مین در آتا تھا تو قوم سمجھتی تھی کہ گداگرون کی فہرست مین ایک نام کا اور اضافہ ہوا،

ایشیا مین شاعری نے کبھی کوئی ملکی یا قومی انقلاب نہین پیدا کیا، بلکہ یہ کہنا چاہیے

کہ شخصی حالتون پربھی اس کا کوئی نمایان اثر نہین ہوا، تم کہوگے کہ خواجہ حافظ کی شاعری نے تمام ایران کو رند بنادیا، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خواجہ حافظ پر موجودہ سوسائٹی کا اثر تھا، یا خواجہ صاحب نے سوسائٹی کو متاثر کیا، یعنی خواجہ صاحب نے اس وقت کی موجودہ معاشرت کی تصویر کھینچی، یا انھون نے وہ حالت اپنے کلام سے پیدا کردی،

لیکن عرب مین شاعری ایک قوت تھی اور شاعر کا ایک شعر بھی کسی نمایان نتیجہ سے خالی نہین جا سکتا تھا، عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب کو دو سو برس تک غیرت او شجاعت کے نشہ مین چور رکھا، اس قبیلہ کے ایک ایک بچہ کو پورا قصیدہ یاد ہوتا تھا اور وہ مجامع عام مین پڑھتا تھا، امیر معاویہ لیلۃ الہریر کے دن حضرت علیؓ کے مقابلہ مین بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہوچکے تھے محض ان اشعار نے ان کو روک دیا، ؎

وقولی کلما جشأت وجاشت | مکانک تحمدی او تستریحی
لادفع عن مآثر صالحات | واحمی بعد عن عرض صحیح

رسول اللہ صلعم کے مقابلہ کے لئے کفار جو بار بار مدینہ پر چڑھائیان کرتے تھے انمین متعدد لڑائیان شعرا ہی نے برپا کرائی تھین،

اسی بنا پر شعرا سلاطین اور رؤسا تک سے نہین دبتے تھے، عرب کے مشہور بادشاہ عمرو بن ہند نے جب سلطنت کے نشہ مین آکر کہا کہ اب بھی کوئی عرب مین رہگیا ہی جسکو میرے سامنے گردن جھکانے سے انکار ہو، تو درباریون نے کہا کہ ہان عمرو کلثوم شاعر، بادشاہ نے اس کو اور اس کی مان کو بلا بھیجا، مان شاہی محل مین گئی، تو بادشاہ کی مان نے اس سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ذرا اٹھا دینا، اس نے کہا اپنا کام خود کرنا چاہیے، بادشاہ کی مان نے دوبارہ کہا، اس پر غصہ مین آکر اس نے نعرہ مارا کہ

واذلاہ یعنی ہاے ذلت، عمرو کلثوم نے باہر سے سنا، سمجھا کہ میری ماں کی توہین کی گئی، اسی وقت تلوار میان سے کھینچ کر جھپٹا اور بادشاہ کا سر اڑا دیا، پھر بہت سخت رن پڑے دونوں طرف کے ہزاروں آدمی کٹ گئے، عمرو کلثوم نے یہ تمام واقعہ قصیدہ مین لکھا اور سالانہ دنگل کے موقع پر عکاظ مین پڑھا،

الا لا یجهلن احد علینا — فنجهل فوق جهل الجاهلینا

ہان! ہم سے کوئی جہالت نہ کرے — ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین

فانا نورد الرایات بیضا — ونصدرهن حمرا قد روینا

ہم اپنی برچھیان میدانِ جنگ مین — سفید لیجاتے ہین اور سرخ واپس لاتے ہین

(۲)

مدح، مدح اگرچہ عرب کی اصلی شاعری مین داخل نہین، لیکن اسلام کے بعد تمدن کی وسعت اور شخصی حکومتون کے قایم ہونے کی وجہ سے شاعری کے چار ارکان مین سے مدح بھی ایک رکن قرار پاگئی، اب چار ارکان یہ ہین، مدح، ذم، عشقیہ، فخریہ، اس بنا پر اہل ادب نے مدحیہ شاعری کے اصول اور ضابطے مقرر کئے، جنکو ابن رشیق نے نہایت تفصیل اور توضیح سے کتاب العمدہ مین لکھا ہے،

ایران مین مدحیہ بلکہ ہر قسم کی انواع سخن کے لئے مبالغہ اور غلو سب سے مقدم شرط تھی، ممدوح کے وصف مین جسقدر زیادہ ناممکن باتین جمع کیجائین، اسی قدر شاعری کا کمال خیال کیا جائیگا، مثلاً،

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پاے — تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

لیکن عرب نے اس کے لئے جو اصول قرار دیئے حسب ذیل ہین:—

(۱) الفاظ گزیدہ اور شستہ ہون، سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائین،

(۲) زیادہ اشعار نہ ہون چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا تو بہت کم شعر لکھتا تھا، جریر مشہور شاعر کہا کرتا تھا، اذا مدحتم فلا تطیلوا،

ایک دفعہ فرزدق، عبدالرحمن بن ام الحکیم کے پاس گیا، اور اسکی مدح پڑھنی چاہی، عبدالرحمن نے کہا مجھکو ایسی مدح سے معاف رکھو کہ اخیر اشعار تک پہونچتے پہونچتے پہلے مضامین بھول جائین، صرف دو شعر پر اکتفا کرو تو مین تمکو اس قدر انعام دونگا کہ کسی نے تم کو نہ دیا ہوگا، فرزدق نے صرف دو شعر مین مدح ادا کی اور عبدالرحمن نے دس ہزار درہم عطا کئے،

(۳) مدح مین تفاوتِ مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ وزیر دبیر افسر فوج حاکم عدالت ہر ایک کی مدح مین اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے، مثلاً دبیر کی مدح مین اگر دلیری اور شجاعت کا وصف بیان کیا جائے، یا قاضی کو صاحب ہیبت وجلال کہا جائے تو ناموزون ہوگا،

لیکن ایرانی شاعری مین ایک قلی کی مدح مین بھی تمام شاہانہ اوصاف ثابت کر دیئے جاتے ہین، علامہ ابن رشیق نے اس بحث مین لکھا ہی کہ جب ممدوح بادشاہ ہو تو شاعر کو خیال رکھنا چاہئے، کہ ایسے اوصاف نہ بیان کرے جو عام رئیسون مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً اخطل کے اس شعر

وقد جعل اللّٰہ الخلافۃ منھم ۔۔۔ لابیض لا عاری الخوان ولا جدب

یعنی خلافت خدا نے ایسے شخص کو دی ۔۔۔ جس کا دسترخوان تنگ نہین،

پر لوگون نے اعتراض کیا ہی کہ یہ وصف تو بادشاہ کے ایک ادنی نوکر مین بھی پایا جا سکتا

ہے، اسی طرح احوص کے اس شعر پر

واذاک تفعل ما تقول وبعضھم　　　مذق الحدیث یقول ما لا یفعل

آپ جو کہتے ہین کرتے ہین اور اور لوگ　　　صرف باتین بناتے ہین، کچھ کرتے نہین،

لوگون نے یہ نکتہ چینی کی کہ یہ ایک معمولی بات ہی، بادشاہون کی تعریف مین اغراق اور مبالغہ ہونا چاہئے، یعنی وہ اوصاف لکھنے چاہئین، جو عام انسانون کے رتبہ سے بالاتر ہون

علامہ ابن رشیق پانچوین صدی ہجری مین تھے، جب کہ عرب کا مذاق عجم کے اختلاط سے بالکل بدل گیا تھا، ورنہ وہ جانتے کہ عرب کی شاعری کی یہی خوبی تھی کہ کسی موقع پر اصلیت اور واقعہ سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا، شعرائے عرب سلاطین کی مدح مین بھی وہی باتین لکھتے تھے، جو واقعی ہوتی تھین، یاد ہو گا کہ جب عرب کے ایک بادشاہ نے ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اس نے کہا پہلے تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون،

(۴) ممدوح جب بادشاہ ہو تو اس کے اوصاف ذیل کا ذکر کرنا چاہئے، یعنی عقل عفت، عدل، شجاعت، چنانچہ شعرائے متقدمین انھین اوصاف کا بیان کرتے تھے لیکن متاخرین نے وسعت دیکر ان اوصاف کی شاخون اور شاخ در شاخ اوصاف کو لیا اور اس مین وسعت پیدا کی، مثلاً وہ ممدوح کی نکتہ رسی، شرم ولحاظ، قوت تقریر، سیاست حلم وغیرہ کا بھی بیان کرتے ہین، اور ان سب اوصاف کو عقل کے نتائج قرار دیتے ہین،

(۵) زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئین، جو اوصاف عارضی ہین، مثلاً حسن دولتمندی جاہ ومال وغیرہ ان چیزون کے ذکر کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ سب چیزین چلتی چھاؤن ہین، آج ہین کل نہین، بخلاف ذاتی اوصاف کے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہین،

یہ قدامہ کی رائے ہی لیکن علامہ ابن رشیق کا خیال ہی کہ عارضی اوصاف کو سرے سے ترک نہین کرنا چاہیئے، البتہ ذاتی اوصاف کو مقدم رکھنا چاہیے،

اہل ادب مین یہ مسئلہ بحث طلب ہی کہ مدح مین سب سے بڑھکر کونسا شعر ہے، ہم اس موقع پر علامہ ابن رشیق کی کتاب سے مختلف اقوال نقل کرتے ہین، جس سے عرب کے مذاق کا اندازہ ہوگا،

ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ کے دربار مین شعرا کا مجمع ہوا معتصم باللہ نے کہا کہ تم مین کوئی شخص ایسے شعر کہہ سکتا ہی یہ کہکر منصور نمیری کے یہ اشعار پڑھے جو اس نے ہارون الرشید کی مدح مین لکھے تھے،

ان المکارم والمعروف اودیۃ	احلک اللہ منہا حیث تجتمع
شریفانہ خصائل نہرین ہین،	اور یہ نہرین جہان جاکر ملگئی ہین وہ تیری جگہ ہی
اذا رفعت امرأ فاللہ رافعہ	ومن وضعت من الاقوام متضع
تو جس شخص کو اونچا کرے خدا بھی اسکو اونچا کردیتا ہے	اور تو جس کو گرادے وہ گرجاتا ہے،
ان اخلف الغیث لم تخلف انا ملہ	اوضاق امر ذکرنا ہ فیتسع
بادل رک جائین تو اسکا دست کرم نہین رکتا	جب کوئی مشکل آپڑتی ہی تو ہم ممدوح کا نام لیتے ہین اور وہ حل ہوجاتی ہے

محمد بن وہب نے بڑھ کر کہا کہ ہم اس سے بڑھکر کہہ سکتے ہین، پھر یہ شعر پڑھے:-

ثلاثۃ تشرق الدنیا ببھجتھم	شمس الضحی وابواسحق والقمر
تین چیزین ہین جنکون نے دنیا کو روشن کر رکھا ہی	آفتاب، چاند اور معتصم باللہ
تحکی افاعلہ فی کل نائبۃ	الغیث واللیث والصمصامۃ الذکر
بادل، شیر، اور تلوار	اسکے کارنامون کی نقل اتارتے ہین

حطیہ ایک مشہور شاعر تھا، جب مرنے لگا تو کہا کہ انصار کو یہ پیغام پہونچا دینا کہ تمھارا بھائی سب سے بڑا مدح گو ہی جسکا یہ شعر ہی،

یغشون حتی ما تھر کلا بھم ... لا یسألون عن السواد المقبل

عرب مین عموماً لوگ کتے پالتے تھے، یہ کتے اجنبی آدمی کو دیکھکر بھونکتے تھے، شاعر کہتا ہے کہ ممدوح کے پاس اس کثرت سے مہمان اور آیند و روند آتے جاتے رہتے ہین کہ اس کے کتے کسی کو دیکھکر بھونکتے نہین، کیونکہ تمام لوگون سے مانوس ہو گئے ہین،

یہ ایک سچی مدح تھی لیکن ثعلب نے جب یہ حطیہ کا یہ قول سنا تو کہا کہ یہ غلط ہی سب سے عمدہ شعر مدح کا یہ ہی:-

فتی لو یباری الشمس القت قناعها ... او القمر الساری لالقی المقالدا

وہ اگر آفتاب و ماہتاب کا مقابلہ کرے تو آفتاب اپنے ... اوپر نقاب ڈال دے اور چاند سپر ڈال دے

ثعلب اس زمانہ کا آدمی ہی جب عرب کا صحیح مذاق خراب ہو چکا تھا، اس لئے اس نے تکلف اور مبالغہ کو واقعیت پر ترجیح دی،

عرب مین مدحیہ شاعری کے جو عمدہ نمونے خیال کئے جاتے ہین، ان مین سے بعض ہم نقل کرتے ہین، ان سے اندازہ ہو گا کہ عرب کی شاعری کس قدر صحیح اور سچے خیالات کا آئینہ ہی،

اخی ثقة لا یھلك الخمر ماله ... ولکنه قد یھلك المال نائله

قابل اعتماد ہی شراب اسکی دولت کو ضایع نہین کر سکتی ... البتہ فیاضی اس کی دولت کو برباد کر دیتی ہی

تراہ اذا ما جئته متھللاً ... کانك تعطیه الذی انت سائله

اس کے پاس کچھ مانگنے جاؤ تو اسکا چہرہ ... ایسا شگفتہ ہو جائیگا کہ گویا تم ہی اسکو دے رہے ہو

فمن مثل حصن فی الحرب و مثله　　لانکار ضیم او لخصم یجادله

لڑائی کے وقت یا دشمنو کے مقابلہ مین یا عزت　　کی پاسداری مین ممدوح کا ہمسر کہان مل سکتا ہے

و فیھم مقامات حسان وجوھہا　　و اندیہ ینتا بہا القول و الفعل

ان لوگون کے کارنامے روشن ہین　　ان کی مجلسون مین قول اور فعل ساتھ ساتھ آتے ہین

و ان جئتھم الفیت حول بیوتھم　　مجالس قد یشفی باحلامہا الجھل

ان سے ملنے جاؤ تو وہان　　ایسے لوگ نظر آئینگے جنکی دانشمندی جہالت کی دوا ہے

علی مکثریھم حق من یعتریھم　　و عند المقلین السماحۃ و البذل

انمین جو دولتمند ہین وہ مفلسونکی حاجت روا کر دیتے ہین　　اور جو نادار ہین وہ سائلون سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہین

سعی بعدھم قوم لکی یدرکوھم　　فلم یفعلوا و لم یلاموا و لم یالوا

اورون نے بھی چاہا کہ انکا رتبہ حاصل کرین　　لیکن نہ کر سکے اور اس پر انکو الزام نہین دیا جا سکتا

فما کان من خیر اتوہ فانما　　توارثہ ابآء ابآءھم قبل

یہ جو کچھ کرتے ہین ان کے باپ دادے　　ان کو ورثت مین پہونچا ہے ،

یہ اشعار زہیر کے ہین جو اسلام سے پہلے زمانے کا شاعر ہے، اور جو بالکل لکھا پڑھا نہ تھا، اس لئے اس کے خیالات نہایت سادہ اور بے تکلف ہین لیکن جب اسلام کے بعد آورد اور تکلف آگیا، اسوقت بھی اصلیت اور واقعیت کا عنصر موجود تھا، متنبی، ابو تمام، بحتری نے اکثر جگہ بالکل عجمیون کی طرح مبالغہ غلو اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے لیکن ان کے کلام کا بھی بہترین حصہ وہی خیال کیا جاتا ہے جسمین واقعیت کی جھلک موجود ہوتی ہے، متنبی جب شام مصر اور بغداد ہر جگہ پھر کر عضد الدولہ کے دربار مین گیا ہے، تو اسکو مخاطب کر کے کہتا ہے، :-

وقد رأيت الملوك قاطبة
وسرت حتى رأيت مولاها

مین نے سب بادشاہون کو دیکھا
اور اب اگر بادشاہون کے آقا کو دیکھا

ابا شجاع بفارس عضد الدولة
فنا خسرو شهنشاها

جس کا نام ابو شجاع عضد الدولہ
فنا خسرو شہنشاہ ہے،

اساميا لم تزده معرفة
وانما لذة ذكرناها

یہ سب نام اور لقب مین نے اسلیے نہین گنائے کہ لوگ ایک لقب سے نہ پہچانین تو دوسرے سے پہچان لین، بلکہ اسلیے کہ بار بار اسکے لینے مین مجھکو مزہ آتا ہی،

برخلاف اس کے ایران کی شاعری مین ایک شعر بھی مدحیہ ایسا نہین مل سکتا جو عمدہ خیال کیا جاتا ہو، اور اسکو واقعیت سے بھی کچھ علاقہ ہو،

فخریہ، عرب کی شاعری کا ایک رکن اعظم فخریہ شاعری ہی ایرانی شعرانے بھی فخریہ شعر لکھے ہین، لیکن وہ صرف شاعری یا علم و فضل کا فخر ہوتا ہی، یعنی میری شاعری اس درجہ کی ہی یا علم و فضل مین میرا کوئی ہمسر نہین مثلاً فیضی کہتا ہی،

امروز نہ شاعرم حکیمم
دانندۂ حادث و قدیمم

آنم کہ بہ سحر کاری ژرف
از شعلہ تراشش کردہ ام حرف

بانگ قلمم درین شب تار
بس معنے خفتہ کرد بیدار

اسراف معانیم نظر کن
زین گنج بہ مفلسان خبر کن

آنان کہ بمن نظر فگندند
در معرکہ ام سپر فگندند

گر عشق چنین بسوزدم پاک
مہتاب برون بریزم از خاک

بگداختہ آبگینۂ دل
آئینہ دہم بدست محفل

عرفی نے یہ جدت پیدا کی کہ علم وفضل کے ساتھ اپنے حسن وجمال کی بھی تعریف کرتا ہی، اور چونکہ وہ واقعی خوبصورت بھی تھا، اس لئے یہ نازیبا نہ تھا، لیکن فخر کا پہلو نہایت برا اختیار کیا ہی، چنانچہ کہتا ہی:-

سربرزدہ ام بامہ کنعان زیکی جیب | معشوق تماشا طلب وآئینہ گیرم
میگویم واندیشہ ندارم زظریفان | من زہرہ راشگردم من بدر منیرم

مہ کنعان کے مقابلہ اور معشوقیت کا مضائقہ نہین، لیکن زہرہ رقاص بنا کون سی آدمیت ہی،

لیکن عرب کی فخریہ شاعری بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہی، عرب مین سیکڑون مختلف قبیلے تھے، ان مین جنگ وجدل رہتی تھی، اور ہر ایک کو اپنی مدد کے لئے اور قبیلون سے کام لینا پڑتا تھا، اس غرض کے لئے شاعری سب سے بڑا کارگر آلہ تھا، اشعار مین وہ اپنے رتبہ اور شان کو اس حیثیت سے دکھاتے تھے کہ دوسرون پر اثر ہوتا تھا اور لوگ خواہ مخواہ ان کے حلقہ بگوش یا یار وفادار بنجاتے تھے، اسطرح فخریہ شاعری کی بنیاد پڑی، رفتہ رفتہ اسکو وسعت ہوتی گئی، اور فخریہ شاعری کے بہت سے موقع نکل آئے، جنکی تفصیل یہ ہے،

(۱) قبایل کے مقابلہ مین فخر کا اظہار،

(۲) معرکہ جنگ مین فخر کا اظہار،

(۳) شعرا مین باہم مفاخرت، لیکن یہ عجیب بات ہی کہ ان مین کہین شاعری کا فخر نہین ہوتا تھا بلکہ ایک شاعر، شاعر کے مقابلہ مین بھی جب فخر اور ترجیح کا دعوی کرتا تھا، تو علو نسب، جود وکرم رزم آرائی کے معرکون کی بنا پر کرتا تھا،

جاہلیت اور ابتدائے اسلام کے فخریہ مین نسب کا فخر سب سے ضروری عنصر تھا لیکن متاخرین مین یہ عنصر کم ہوتا گیا، متنبی کہتا ہی:۔

ما بقومی شرفت بل شرفوا بی ——— و بنفسی فخرت لا بجدودی

میرا شرف خاندان کی وجہ سے نہین ہی، بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہی، مجھکو اپنے باپ دادا پر ناز نہین بلکہ اپنے آپ پر ناز ہی

یہ وہی خیال ہی جسکو مرزا غالب نے ثبوت کے ساتھ ادا کیا ہی،

گوہر نہ بہ کان، کان بہ گوہر وی شناست ——— بر فرخی ذات دلیلم اب وعم را

متنبی نے اگرچہ فخر کا صحیح مفہوم سمجھا، لیکن طرز ادا سے شبہہ پیدا ہوتا ہی، کہ نسب کا ہیٹا ہو گا، اس لئے دوسرے شعرا نے اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا، عامر بن طفیل کہتا ہی:۔

فانی و ان کنت ابن سید عامر ——— و فارسہا المشہور فی کل موکب

مین اگرچہ قبیلۂ عامر کے سردار کا بیٹا ہون ——— جو ہر معرکہ مین نامور رہا تھا،

فما سودتنی عامر عن وراثۃ ——— ابی اللہ ان اسمو بام ولا اب

تاہم مجھکو عامر کی وراثت نے سردار نہین بنایا ——— خدا یہ نہین چاہتا کہ میری عزت، ماں باپ کی ممنون ہو

اب ہم فخریہ شاعری کے چند عمدہ نمونے نقل کرتے ہین، جو حقیقی جوش کی تصویرین ہین،

امراء القیس — ما ینکر الناس طرا حین نملکہم ——— کانوا عبیدا وکنا نحن اربابا

لوگون کو اس سے انکار نہین ——— کہ وہ غلام اور ہم آقا ہین،

فرزدق — تری الناس ان سرنا یسیرون خلفنا ——— وان نحن اومانا الی الناس وقفوا

لوگ ہمارے پیچھے پیچھے چلتے ہین، اور جب ہم رکنے کا اشارہ کر دیتے ہین تو سب ٹھہر جاتے ہین،

بشار — اذا ما غضبنا غضبۃ مضریۃ ——— ہتکنا حجاب الشمس او امطرت دما

جب ہمکو مضری[1] غصہ آتا ہی تو ہم آفتاب کو چاک کر دیتے ہین، کہ اس سے خون ٹپکنے لگتا ہے،

[1] یعنی اس قسم کا غصہ جو قبیلہ مضر کا خاصہ ہی،

اذا ما اعر ناسید امن قبیلۃ | ذری منبر صلی علینا و سلما
جب کسی قبیلہ کا سردار منبر پر چڑھتا ہے | تو ہم پر درود اور سلام پڑھتا ہے،

ومن یفتقر منا یعش بحسامہ | ومن یفتقر من سائر الناس سائل
ہمارے خاندان کا آدمی مفلس ہو جاتا ہے تو تلوار سے معاش پیدا کرتا ہے اور دوسرے خاندان کے آدمی بھیک مانگنے لگتے ہیں

وانا اللھو بالحرب کما لھت | فتاۃ بعقد او سخاب قرنفل
ہم لڑائیوں کو اس طرح کھیل سمجھتے ہیں | جس طرح چھوکری، ہار سے کھیلتی ہے،

(از الندوہ جلد ۶ نمبر ۱۱ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء

عربی[۱] اور فارسی شاعری کا موازنہ

اوپر کے بیانات سے اس قدر تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ فارسی شاعری عرب کی ورثت ہے، لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ استاد و شاگرد مین کیا فرق ہی، شاگرد نے استاد پر کیا اضافہ کیا، اور کن باتون مین اب بھی وہ استاد کا ہمسر نہین ہو سکتا؟

حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہی، لیکن دونون ملکون کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات مین اس قدر اختلاف ہی کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی، دونون شاعریون مین زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہی، عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے بڑے جتھے پہاڑون اور میدانون مین رہتے تھے، کسی بادشاہ یا فرمان روا کے محکوم نہین تھے، آزادی اور خودسری کے خیالات ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے اور ساتھ لیکر جاتے تھے، طبیعت جنگجو اور شوریدہ سر تھی، اس لئے آپس مین لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر قبیلے کے قبیلے لڑ کر فنا ہو جاتے تھے، فصاحت و بلاغت کا ملکہ فطرتی تھا، اس لئے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے ان کو اسی اصلیت اور جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے،

رزمیہ شاعری، ان باتون کا اثر یہ تھا کہ ان کے اشعار مین شجاعت، جانبازی، مخاطرۂ نفس،

---

[۱] عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہی یا زیادہ سے زیادہ بنو امیہ کے عہد تک اسکے بعد کی شاعری عربی نہین بلکہ عجمی ہی، صرف زبان کا فرق ہی جسطرح حکومت کہ برائے نام عباسیہ کی تھی اصلی حکمران فارس اور ترک تھے،

اندھا دھندھ دلیری کے جو خیالات پائے جاتے ہین، فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہین ہو سکتی، اس قسم کے اشعار کو حماسیات کہتے ہین' ان حماسیات کو پڑھو تو یہ عالم نظر آتا ہی کہ جنگل مین شیر گونج رہا ہی، فردوسی نے بھی شاہنامہ مین بڑے بڑے زور کے معرکے لکھے ہین، لیکن وہ اورون کے افسانے ہین، فردوسی داستان گو بنکر ان کو بیان کرتا ہی، لیکن عرب کا شاعر جو کہتا ہے، اپنی سرگذشت کہتا ہی، اور اس لئے اسکا جو اثر ہوتا ہی، شاہنامہ کا نہین ہو سکتا، عرب مین جو مشہور شاعر گذرے ہین، وہی مشہور بہادر اور جنگ آور تھے، مثلاً امرء القیس، عمرو بن کلثوم، عمرو معدیکرب، اس لئے وہ زبان سے وہی کہتے تھے جو ہاتھ سے کرتے تھے،

اس کے مقابلہ مین عجم کے شعرا کی یہ حالت تھی کہ انوری ایک دفعہ ڈاکو ون مین گھر گیا، ایک حکیم صاحب اور ایک درزی بھی ساتھ تھا، سب جان بچاکر بھاگ نکلے، انوری بطور علوم متعارفہ کے کہتا ہی، ع

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کنند

آزادانہ خیالات، | اسباب مذکورۂ بالا نے عرب کی شاعری کو آزادانہ خیالات سے لبریز کر دیا تھا، فارسی شاعری ہمکو یہ سکھاتی ہی،

اگر شہ روز را گوید شب ست این بباید گفت اینک ماہ و پروین

بخلاف اس کے عرب کا شاعر اتفاق سے فلاکت مین پڑ جاتا ہی، ایک فرمان روا رئیس جو نسب مین اس سے کم رتبہ ہی، اس کو حاجتمند دیکھکر چاہتا ہی کہ اس سے قرابت پیدا کرے، شاعر کو خبر ہوتی ہی، وہ یہ اشعار جواب مین بھیجتا ہی،

یعنی ابن کوز والسفاھة کاسمھا لیستادمنا ان شتونا لیالیا

ابن کوز رئیس کا نام ہی، نے جسکا نام بھی ویسا ہی کمینہ ہی جیسا وہ خود کمینہ ہی یہ خواہش ظاہر

کی کہ ہمارے ہان قرابت کرکے شریف بنجائے اور یہ اس بنا پر کہ ہم نے چند روز فاقہ سے گذارے،

وانا علی عض الزمان الذی تری | نعالج من کرہ المخازی الدواہیا
ہان زمانہ نے ہم کو ستایا تاہم ہم | ذلت کے مقابلہ مین مصائب کو برداشت کرتے ہین
فلا تطلبنہا یا ابن کوز فانہ | غذا الناس مذ قام النبی الجواریا

ابن کوز اس خیال سے درگذر، جب سے رسول اللہ پیدا ہوئے لڑکیان ہی لڑکیان ہین (اور کہین شادی کرلو)

متنبی کے زمانے مین عرب کی تمام خصوصیات مٹ چکی تھین، تاہم جب سیف الدولہ نے متنبی کی نازبرداریون مین کمی کی اور شعرا، کو اسکا ہم رتبہ قرار دیا، تو اس نے ایک قصیدہ لکھکر دربار مین پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہی،

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ | اذا استوت عندہ الانوار والظلم

یعنی جب انسان کو روشنی اور تاریکی یکسان معلوم ہو تو آنکھ سے کیا حاصل،

تمام قصیدہ مین اسی قسم کے آزادانہ خیالات ظاہر کئے اور بگڑ کر دربار سے چلا آیا،

مفاخرت، | اسی بنا پر عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت ہے، جسمین شاعر اپنے کارنامون کو بڑے جوش و خروش سے فخریہ بیان کرتا ہی، اور وہ اسکو زیب دیتا ہے، عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گزرا ہی، اس کا اثر واقتدار جب زیادہ بڑھا تو اس نے ایک دن درباریون سے کہا کہ کیا اب عرب مین کوئی ایسا شخص بھی ہی جسکی مان کو میری مان کے سامنے گردن جھکانے سے عار ہو، انھون نے کہا، ہان، عمرو بن کلثوم، (قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اسکو دعوت دیکر بلایا اور لکھا کہ مستورات

بھی ساتھ آئین، عمرو بن کلثوم دربار مین آیا، اور عورتین شاہی حرم مین گئین، اِدھر اُدھر کی باتین ہو رہی تھین کہ بادشاہ کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی مان سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ بی ذرا اس کو اٹھا دینا، اس نے کہا آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی مان نے دوبارہ کہا، وہ چیخ کر پکاری وا تغلباہ واذلاہ یعنی ہائے تغلب کی ذلت" عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواز سنی اور سمجھا کہ مان کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ ہوا، اسی وقت تلوار سے بادشاہ کا سر اڑا دیا اور خود بچ کر نکل آیا، پھر دونون قبیلون مین بڑے زور کا رن پڑا اور ہزارون سر کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا، اور جب عکاظ کا مشہور میلا قائم ہوا تو مجمع عام مین جوش و خروش کے ساتھ پڑھا ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلہ تغلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، بالآخر یہ قصیدہ آب زر سے لکھکر درِ کعبہ پر آویزان کیا گیا، اسی بنا پر اسکو معلقہ کہتے ہین اور آج وہ سبعہ معلقہ مین داخل ہی، اس قصیدہ کا ایک ایک شعر، جوش و غیرت، حمیت و آزادی دلیری و فخر کے صاعقہ کی گرج ہی، بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتا ہی،

ابا ھند فلا تعجل علینا	و انظرنا نخبرک الیقینا
اے ابو ہند! جلدی نہ کر	ہم تجھکو سچے واقعات بتاتے ہین
بانا نورد الرایات بیضا	و نصدرھن حمرا قد روینا
ہم معرکۂ جنگ مین سفید جھنڈے لیکر جاتے ہین	لیکن انکو سرخ کرکے لاتے ہین،
الا لا یجھلن احد علینا	فنجھل فوق جھل الجاھلینا
ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے	ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین
تھددنا و توعدنا رویدا	متی کنا لامک مقتوینا

تو ہمکو دھمکاتا اور ڈراتا ہے ،	لیکن ہم کیا تیرے مان کے غلام ہین
فان قناتنا یا عمرو اعیت	علی الاعداء قبلک ان تلینا
اے عمر! تجھ سے پہلے بھی ،	ہمارے نیزون کو لوگون نے لچانا چاہا لیکن تھک کر رہ گئے
وانا المانعون لما اردنا	وانا النازلون بحیث شینا
ہم جسکو چاہتے ہین روک دیتے ہین	اور خود جہان چاہین پڑاو ڈال دیتے ہین
اذا بلغ الفطام لنا صبی	تخر له الجبابر ساجدینا
ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے ،	تو بڑے بڑے جبار اسکے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین

غور کرو، شعرائے فارس اس کے مقابلہ مین کس چیز پر فخر کر سکتے ہین، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہین، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہین، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہین، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہین، چنانچہ عرفی فرماتے ہین،

سر بر زدہ ام بامہ کنعان زیکے جیب	معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان	من زہرہ رامشگر و من بدر منیرم

مناظر قدرت مناظر قدرت مثلاً پہاڑ، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب روان، ان چیزون کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہے، ایران کے شاعر سے نہین کھنچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران مین کم ہے، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہین جو عرب کا خاصہ ہے البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہین، اور عرب اس باب مین ایران کا مقابلہ نہین کر سکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہے، وہ جو کچھ دیکھتا ہے، وہی کہتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہان نصیب تھے، یہ ہمارے

ہندوستان کا جوہر ہے کہ نرگس یاسمن، سنبل بنفشہ کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا لیکن بہار یہ قصائد ایران مین بیٹھکر لکھتے ہین، یہان کی کوئی چیز گویا دیکھی ہی نہین،

جذبات انسانی | یہ شاعری بھی عرب کے ساتھ مخصوص ہی، جذبات انسانی مین سب سے بڑھکر رنج وغم کا جذبہ ہی جو مرثیہ کی بنیاد ہی لیکن ایران کے مرثیے بھی در اصل قصائد ہین، فرق یہ ہے کہ قصائد مین زندہ ممدوح کی مدح ہوتی ہی، اور مرثیون مین مردہ کے اوصاف بیان ہوتے ہین، بخلاف اس کے عرب اپنی اولاد، عزیز دوست، احباب بلکہ اونٹ اور گھوڑے کا مرثیہ لکھتا ہی، اور اس جوش وخروش کے ساتھ لکھتا ہی کہ دل پانی ہوجاتے ہین، مرثیہ پر ختم نہین ایران کے تمام جذبات کا یہی حال ہی، فارسی مین چار شعرا ایسے نہین ملتے جنھین کسی شاعر نے خاص اپنے غیظ وغضب کے جذبہ کا اظہار کیا ہو، بخلاف اس کے چونکہ عرب کے تمام جذبات نہایت سخت اور مشتعل ہوتے ہین، اس لئے اسکو غصہ آتا ہی، تو منہ سے شرر جھڑنے لگتے ہین، ایران مین غزل کو بہت ترقی ہوئی جو ایک خاص جذبۂ عشق کا اثر ہی، لیکن یہان بھی جسقدر آورد ہی آمد نہین،

تمدن ومعاشرت کی خصوصیات، | عرب کی شاعری اس بات مین بھی ایران سے ممتاز ہی کہ عرب کا شاعر معاشرت اور خانگی زندگی کی خصوصیات اسقدر بیان کرتا ہی کہ اس سے اس زمانہ کی رفتار گفتار، نشست وبرخاست، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریقے زندگی کی ضرورتین، اسباب خانہ واری، ایک ایک چیز کا حال معلوم ہوسکتا ہی، بخلاف اسکے فارسی شاعری مین یہ بھی نہین معلوم ہوسکتا کہ لوگ زمین پر رہتے تھے، یا آسمان پر بسر کرتے تھے

معشوق، | عرب کا معشوق بھی ایران سے جدا ہی یعنی ایران مین بجاے عورت کے مرد کو معشوق قرار دیتے ہین، اور اس نے ایرانی شاعری پر سخت برا اثر ڈالا ہی، تفصیل اسکی آگے آئیگی،

فارسی شاعری کی ترجیحی خصوصیات

ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو، بے شبہہ عرب کی شاعری مین ایسی بہت سی باتین پائی جاتی ہین، جو ایران کو نصیب نہین، لیکن فارسی شاعری کو بھی بہت سی خصوصیتین حاصل ہین، جنمین وہ عرب سے علانیہ ممتاز ہی،

مثنوی، فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہی، جسمین سیکڑون واقعات اور ہزارون خیالات مسلسل بیان کئے جاسکتے ہین، عربی اس سے محروم ہی،

فلسفہ، عربی شاعری مین فلسفہ بہت کم ہی، بخلاف اس کے فارسی مین ناصر خسرو، عمر خیام سحابی نجفی، مولانا روم عرفی وغیرہ نے ہر قسم کے فلسفہ کے مسائل اور خیالات ادا کر دیئے ہین،

اخلاق، اخلاقی شاعری عرب مین تھی، لیکن فارسی کی طرح مستقل حیثیت نہین رکھتی تھی قصائد مین اخلاقی خیالات ادا کر دیتے تھے، بخلاف اس کے فارسی مین سیکڑون مثنویان، اخلاق مین لکھی گئین جنمین مسائل اخلاق مثلاً عفت، شجاعت، ہمت توکل، استغنا کے عنوان قایم کیے گئے اور ہر عنوان کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا،

تصوف، تصوف مین بھی عربی کم مایہ ہی، بے دیکر ابن فارض اور محی الدین عربی کا دیوان ہے، لیکن فارسی نے تصوف کے دریا بہا دیئے،

غزل، غزل کو بھی ایران نے بے انتہا ترقی دی، چنانچہ ان تمام خصوصیتون کی تفصیل الگ الگ مستقل عنوانون کے ذیل مین آئیگی،

تنوع خیالات، فارسی شاعری عمر مین عرب کی شاعری سے بہت زیادہ ہی، اس کے ساتھ اسکی حدود حکومت بہت وسیع ہین، جسکے مقابلہ مین عرب کی وسعت نقطہ سے بھی کم ہے،

اس بنا پر گوناگون اور رنگ برنگ کے خیالات جو فارسی مین پائے جاتے ہین، عرب مین نہین مل سکتے،

جدتِ تشبیہات، ایران آب و ہوا، اور زمین کی شادابی کی وجہ سے بہشت کا چمن زار ہے اسلئے ایرانی شاعری کیلئے تشبیہات کا جو سرمایہ ہاتھ آسکتا تھا، عرب کو نصیب نہین ہو سکتا تھا، مثلاً عرب کا شاعر دہن کی تعریف مین بڑی قوتِ تخیل صرف کرتا ہے تو انگوٹھی کے حلقہ سے تشبیہ دیکر رہجاتا ہے، لیکن ایران کا خیال بند درج گوہر چشمہ نوش، پستہ، غنچہ، ذرہ جوہر فرد سب کچھ دیجاتا ہے، اور پھر اس کی تشبیہ کا خزانہ خالی نہین ہوتا،

امرء القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر معشوق کی انگلی کو مسواک اور اسروع سے تشبیہ دیتا ہے جو جنگل کا ایک کیڑا ہوتا ہے لیکن فارسی کا شاعر اسکو دم قاقم سے تشبیہ دیتا ہے،

آن دلآویز دارد از نرمی ، سر انگشت چون دمِ قاقم

غرض تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت جو فارس مین پائی جاتی ہے عرب مین اسکا پتہ نہین لگ سکتا، بے شبہہ متاخرینِ عرب کے کلام مین بھی ہر قسم کے لطیف استعارات و تشبیہات پائے جاتے ہین، لیکن یہ شعرا یا تو خود عجمی ہین یا عجم مین نشو و نما پایا ہے اس لئے انکی شاعری درحقیقت فارسی شاعری ہے، صرف زبان کا فرق ہے،

(الندوہ، ج ۵ نمبر ۴، اپریل ۱۹۰۸ء)

سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر

سر سید کے جسقدر کارنامے ہین اگرچہ رفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن جو چیزین خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرہ سے آفتاب بنگئین ان مین ایک اردو لٹریچر بھی ہے، سر سید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرہ سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وسعت و جامعیت، سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہین، ملک مین آج بڑے بڑے انشا پرداز موجود ہین، جو اپنے اپنے مخصوص دائرہ مضمون کے حکمران ہین، لیکن ان مین سے ایک شخص بھی نہین جو سر سید کے بارِ احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو، بعض بالکل انکے دامنِ تربیت مین پلے ہین بعضون نے دور سے فیض اٹھایا ہے بعض نے مدعیانہ اپنا الگ سنہ نکالا تاہم سر سید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیونکر رہ سکتے تھے،

سر سید کی جس زمانہ مین نشو و نما ہوئی دلی مین اہل کمال کا مجمع تھا اور امرا و رؤسا سے لیکر ادنی طبقہ تک مین علمی مذاق پھیلا ہوا تھا، سر سید جس سوسائٹی کے ممبر تھے اس کے بڑے ارکان مفتی صدر الدین خان آزردہ، مرزا غالب اور مولانا صہبائی تھے ان مین سے ہر شخص تصنیف و تالیف کا مالک تھا اور انھین بزرگون کی صحبت کا اثر تھا کہ سر سید نے ابتدا ہی مین جو مشغلہ علمی اختیار کیا وہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا

اول وہ رواجِ عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان مین آئے، آہی تخلص اختیار کیا اور اردو مین ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جسکا ایک مصرعہ انھین کی زبانی سنا ہوا مجھے یاد ہے، ع نام میرا تھا کام انکا تھا،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکو شاعری سے مناسبت نہ تھی اس لئے وہ بہت جلد اس کوچہ سے نکل آئے، اور نثر کی طرف توجہ کی، چونکہ حقایق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا، اس لئے دلی کی عمارتون اور یادگارون کی تحقیقات شروع کی اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دیکر ۱۸۴۷ء مین ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصنادید کے نام سے مشہور ہے،

اس وقت اگرچہ سرسید کے سامنے اردو نثر کے بعض بعض عمدہ نمونے موجود تھے، خصوصاً میر امن صاحب کی چہار درویش جو ۱۸۰۲ء مین تالیف ہوئی تھی، اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی ہمسری کا دعوی کر سکتی ہے، اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا یعنی عمارات اور ابنیہ کی تاریخ وہ تکلف اور آورد سے اِبا کرتا تھا تاہم آثار الصنادید مین اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہے،

اس کی وجہ یہ تھی کہ سرسید کی رات دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانائے موصوف بیدل کے ایسے دلدادہ تھے کہ انکا کلمہ پڑھتے تھے، اور جو کچھ لکھتے تھے اسی طرز مین لکھتے تھے،

سرسید نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض بعض مقامات بالکل مولانا امام بخش صہبائی کے لکھے ہوئے ہین جو انھون نے میری طرف سے اور میرے نام

سے لکھدیئے تھے،

بہرحال اس کتاب مین جہان جہان انشا پردازی کا زور دکھایا ہی، اسکا نمونہ یہ ہے

"ان حضرت کی طبع رسا شکل رابع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہو کہ بیہی الانتاج سے ارباب فہم و ذکا، اور ناخن فکر عقدہ لانیحل کو پہلے اس سے وا کرتا ہو کہ گرہ حباب کو انگشت موج دریا معنی فہمی اس درجہ کہ راست و درست سمجھ لیا کہ زبان سوسن نے کیا کہا اور رمز شناسی اس مرتبہ کہ واقعی معلوم ہو گیا کہ نگاہ نرگس نے کیا اشارہ کیا، اگر ان کی رائے روشن معجز نما ہو تو نقطہ موہوم کو انگشت سے تقسیم کرے، اور جزء لایتجزی کو دو نیم"

اگرچہ اس سے بہت پہلے یعنی ۱۸۳۶ء مین مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار مولوی محمد باقر نے اردو اخبار کے نام سے اردو کا ایک پرچہ نکالا تھا، اور خود سرسید نے ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کا نام سید الاخبار تھا اور دونون پرچون کی زبان بضرورت کے قتضا سے سادہ اور صاف ہوتی تھی تاہم، اس وقت تک یہ زبان علمی زبان نہین سمجھی جاتی تھی، اس لئے جب کوئی شخص علمی حیثیت سے کچھ لکھتا تھا تو اسی فارسی نما طرز مین لکھتا تھا، سرسید نے بھی اسی وجہ سے آثار الصنادید مین جہان انشاپردازی سے کام لیا اسی طرز کو برتا،

آثار الصنادید جس زمانہ مین نکلی اس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد تقریباً ۱۸۵۰ء مین دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب نے اردو کی طرف توجہ کی، یعنی مکاتبات وغیرہ اردو مین لکھنے شروع کئے اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے، اپنا کوچہ الگ نکال کرتے تھے، اس لئے انھون نے تمام ہمعصرون کے برخلاف مکاتبہ کو مکالمہ کر دیا، مکاتبات

ہین وہ بالکل اس طرح ادائے مطلب کرتے تھے، جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتین کر رہے ہین، اس کے ساتھ بہت سے خطوط مین انسانی جذبات، مثلاً رنج و غم مسرت و خوشی، حسرت و بیکسی، کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہی، اکثر جگہ واقعات کو اس بیساختگی سے ظاہر کیا ہی کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہی، اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہین کہ اردو انشاپردازی کا آج جو انداز ہی، اور جس کے مجدد اور امام سر سید مرحوم تھے اس کا سنگِ بنیاد درصل مرزا غالب نے رکھا تھا،

سر سید کو مرزا سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے، اس لئے کچھ شبہہ نہین ہو سکتا کہ سر سید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے،

اسی زمانہ مین ہندوستان کے ہر حصہ مین کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے اور اردو انشاپردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی، اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی تمدنی، ملکی مذہبی، تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا، اس لئے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے تاہم انشاپردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہین ہوا تھا، اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت مین تھا

سنہ ۱۲۸۶ھ مین جسکو آج کم و بیش ۲۷ برس ہوئے، سر سید نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق کا پرچہ نکالا اور اردو انشاپردازی کو اس رتبہ پر پہونچا دیا جس کے آگے اب ایک قدم بڑھنا بھی ممکن نہین، سر سید نے اردو مین جو باتین پیدا کین اسکو وہ مختصراً تہذیب الاخلاق مین خود ایک مقام پر لکھتے ہین، ان کی خاص عبارت یہ ہے، :-

"جہان تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی علم ادب کی ترقی مین اپنے ان ناچیز پرچون کے ذریعہ سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف

طریقہ اختیار کیا، رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے، اور جس کی شوکت صرف لفظون ہی لفظون مین رہتی ہی، اور دل پر اس کا کچھ اثر نہین ہوتا، پرہیز کیا، اُس مین کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا مین ہو، جو اپنے دل مین ہو وہی دوسرے کے دل مین پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل مین بیٹھے"

اس آرٹیکل مین سر سید نے انشا پردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہین، جنکو اس موقع پر ہم اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہین،

سر سید کی انشا پردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہی اور جس مضمون کو لکھا ہی اسدرجہ پر پہونچا دیا ہی کہ اس سے بڑھکر ناممکن ہی، فارسی اور اردو مین بڑے بڑے شعرا اور نثار گذرے ہین، لیکن انمین ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا،

فردوسی بزم مین رہجاتا ہی، سعدی رزم کے مرد میدان نہین، نظامی رزم و بزم دونون کے استاد ہین، لیکن اخلاق کے کوچہ سے آشنا نہین، ظہوری صرف بدحیہ نثر لکھ سکتا ہی، برخلاف اس کے سر سید نے اخلاق، معاشرت، پالیٹکس، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ سب پر لکھا ہی، اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہی، مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے حبستہ حبستہ فقرے نقل کرتے ہین، امید کی خوشی پر ایک مضمون لکھا ہی جسمین امید کو مخاطب کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہین:-

"دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ مین سوتا ہی، اسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے مین لگی ہوئی ہی، اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہی، ہات کام

مین اور دل بچہ مین ہی اور زبان سے اسکو یون لوری دیتی ہی، سو رہ میرے بچے سورہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ، اے میرے دل کی کونپل سورہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزان نہ آئے، تیری ٹہنی مین کبھی کوئی خار نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھکو نہ آئے، سورہ میرے بچے سورہ، میری آنکھون کے نور اور میرے دل کے سرور، میرے بچے سورہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی، تیری شہرت، تیری لیاقت تیری محبت جو تو ہم سے کریگا ہمارے دل کو تسلی دینگی، سورہ میرے بچے سورہ، سورہ میرے بالے سورہ"

" یہ امید کی خوشیان مان کو اس وقت تھین جبکہ بچہ غون غان بھی نہین کرسکتا تھا، مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے مان کے دل کو شاد کرنے لگا اور امان امان کہنا سیکھا، اسکی پیاری آواز ادھورے لفظون مین اسکی مان کے کان مین پہونچنے لگی، آنسوؤن سے اپنی مان کی آتشِ محبت کے بھڑکانے کے قابل ہوا، پھر مکتب سے اسکو سروکار پڑا، رات کو مان کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غرض وہ دل سے سنانے لگا، اور جبکہ وہ تارون کی چھاؤن مین اٹھکر موںھ ہاتھ دھوکر اپنے مان باپ کے ساتھ صبح کی نماز مین کھڑا ہونے لگا، اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیان اور کس قدر زیادہ ہوگئین، اور ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ ہے"

" وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان مین کھڑا ہے، کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا

ہے، لڑائی کے میدان مین جبکہ بہادرون کی صفین چپ چاپ کھڑی ہوتی
ہین اور لڑائی کا میدان ایک سن سان کا عالم ہوتا ہی، دلون مین عجیب قسم کی خوف
ملی ہوئی جرات ہوتی ہی، اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہی، اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت
بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہی، اور جبکہ بجلی سی
چمکنے والی تلوارین اور سنگینین اسکی نظر کے سامنے ہوتی ہین اور بادل کی سی کڑکنے
والی اور آتشین پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپون کی آواز سنتا ہی، اور جبکہ اپنے
ساتھی کو خون مین لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہی، تو اے بہادرون کی قوت
بازو! اور اے بہادرون کی مان! تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اسکے
دل کو تقویت دیتا ہی، اسکا کان نقارہ مین سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہی"
تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطرون مین کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہی اور اسمین
کس قدر درد اور اثر پیدا کیا ہی،

پالٹیکس کا رستہ اس سے بالکل الگ ہی،

پنجاب مین جب یونیورسٹی قایم ہو رہی تھی، جسمین اورنٹیل تعلیم پر بہت زور دیا
گیا تھا، سر سید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالٹیکس کی بنا پر ہم کو اعلیٰ تعلیم سے روکنا
مقصود ہی، اس وقت سر سید نے پے در پے تین آرٹیکل لکھے، ان آرٹیکلون نے یونیورسٹی
کے بانیون کو اس قدر گھبرا دیا کہ خاص ان آرٹیکلون کے جواب مین سیکڑون مضامین
لکھے گئے، اور انکا مجموعہ یکجا کر کے ایک مستقل کتاب طیار کی، افسوس ہے کہ اختصار کی
وجہ سے ہم ان آرٹیکلون کا کوئی حصہ نقل نہین کر سکتے،

سر سید نے انشا پردازی کی ترقی کے جو طریقے ایجاد کئے، ان مین ایک یہ تھا کہ بہت سے

اعلیٰ درجہ کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا، لیکن ترجمہ کے ذریعہ سے نہین، کیونکہ یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہی، بلکہ اس طرح کہ انگریزی کے خیالات اردو مین، اردو کی خصوصیات کیساتھ ادا کئے، امید کی خوشی کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کئے دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے، انگریزی مین اڈیسن اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گذرے ہین، سرسید نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان مین ادا کیا،

سرسید کی انشاپردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہی جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتے ہین، اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام مین نہین لائی گئی اسمین علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہین، اس لئے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو مین لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہین کرتے، لیکن سرسید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دلآویزی سے ادا کیا ہی کہ پڑھنے والا جانتا ہی کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہی،

پروفیسر رینان نے جو فرانس کا ایک بڑا مشہور مصنف گذرا ہی، اپنے ایک مضمون مین لکھا ہی، کہ "عربی زبان مین یہ صلاحیت نہین کہ وہ فلسفی مسائل کو ادا کر سکے" رینان جن مسائل کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان کو ناقابل سمجھتا ہی گو یہ اسکا خیال محض غلط ہی، سرسید نے اردو جیسی کم مایہ زبان مین وہ مسائل ادا کر دیئے ہین، سرسید نے فلسفۂ الہیات پر جو کچھ اپنی مختلف تحریرون مین لکھا ہی، وہ فلسفہ کے اعلیٰ درجہ کے مسائل ہین،

زمانہ جانتا ہی کہ مجھکو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا، اور مین ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا، تاہم اس سے مجھکو کبھی انکار نہ ہو سکا، کہ ان مسائل کو سرسید نے جس طرح اردو زبان مین ادا کیا ہی، کوئی اور شخص کبھی ادا نہین کر سکتا،

سر سید کی تحریرون مین جا بجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہی، لیکن نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ مولوی علی بخش خان صاحب مرحوم جو سر سید کے رد مین رسالے لکھا کرتے تھے، حرمین شریفین گئے اور وہان سے سر سید کی تکفیر کا فتویٰ لائے، اس پر سر سید ایک موقع پر تہذیب الاخلاق مین لکھتے ہین:-

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اور ہماری کفر کی بدولت ان کو حجِ اکبر نصیب ہوا، اُن کے لائے ہوئے فتوؤن کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہین،

بہ بین کرامتِ بتخانۂ مرا اے شیخ — کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہی،

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

تہذیب الاخلاق جب بند ہوا ہی، تو سر سید نے خاتمہ پر جو مضمون لکھا ہی اُس کے ابتدائی فقرے یہ ہین:-

"سوتوں کو جھنجھوڑتے ہین کہ جاگ اٹھین، اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہوگیا، اور اگر نیند مین اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے، اِدھر ہات جھٹک دیا، اُدھر سر جھٹک دیا، اور اینڈے پڑے سوتے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھین گے، شاید ہمارے بھائیون کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہمکو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے، بچے اٹھاتے وقت کہا کرتے ہین کہ ہم کو اٹھائے جاؤگے، تو ہم اور پڑے رہین گے، تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہونگے،

بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہی کہ بی! یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹیا پی لے، پی لے، تم چپ رہو مین آپ ہی پی لونگا، لو بھائیو! اب ہم بھی نہین کہتے کہ "اٹھو اٹھو پی لو پی لو"

حقیقت یہ ہے کہ سر سید نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہی، اس کی تفصیل کیلئے دو چار صفحے کافی نہین ہو سکتے، یہ کام در حقیقت مولانا حالی کا ہے، وہ لکھین گے، اور خوب لکھین گے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لکھ چکے ہین، اور خوب لکھا ہوگا، مین کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا کہ اس وقت جبکہ تمام ملک مین سر سید کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہی، اور ہر شخص انکے کارنامون کے سننے کا شائق ہی، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہئے مین نے اسی کی تعمیل کی، ورنہ مین مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین مین مداخلت کا کوئی حق نہین رکھتا، اور اس شعر کا مصداق بننا نہین چاہتا،

اٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو ۔۔۔ بھلا تردد بیجا سے اسمین کیا حاصل

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ مئی ۱۸۹۸ء)

املا اور صحت الفاظ

ایک معزز اور محترم بزرگ نے جو ہندوستان کے مشہور صاحب قلم، اور معاملات ملکی مین بڑے اہل الرائے ہین، ہم کو ایک نہایت طولانی خط لکھا ہی جسمین سخت افسوس کے ساتھ اس بات کی شکایت کی ہی، کہ نا اہلون کی وجہ سے اردو زبان روز بروز بگڑتی جاتی ہی، اور اگر اس کا تدارک نہین کیا جاتا تو ہماری قومی زبان برباد ہوئی جاتی ہی، ان کے خاص الفاظ یہ ہین :-

"آج کل مین دیکھتا ہون کہ اردو کے اخبار اور رسالے جو انگریزی پڑھے ہوئے مضامین نگار لوگ نکال رہے ہین یا اخبارون وغیرہ مین مضامین لکھتے ہین، ان غریبون کے ہاتھ سے بیچاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہی کہ توبہ،

مضامین کا عمدہ ہونا دوسری بات ہی، مگر زبان یعنی الفاظ اور املا کی غلطیان ایسی ہوتی ہین کہ میرا تو اکثر ان کے پڑھنے تک سے دل نفرت کرتا ہی، یہ حالت خود انھین کے لئے قابل افسوس نہین ہے، بلکہ ایسی غلط عبارتون اور لفظون کے شیوع سے آیندہ بہت ہی برے نتائج پیدا ہون گے، لاہور کے ایک غیر انگریزی دان پرانے اخبار نویس نے جو بیچارہ سوائے عربی کے صرف معمولی سی فارسی پڑھا ہوا تھا، لفظ حباب کا مونث حبابہ بنایا، اب مین دیکھتا ہون کہ انکی بدولت یہ حبابہ بہت

ایسی بری طرح پھیلتی جاتی ہی کہ تو یہ،

لفظ نذر اور نظر مین فرق نہین کیا جاتا، بجاے نافیہ کے منفی میرے خیال مین غلط ہے، اسکا استعمال برابر ہو رہا ہی، موافقت کے مقابلہ مین لفظ نفاق لکھا جا رہا ہی، اور جو کوئی کسی امر مین راے مخالف رکھتا ہو اس کو اس طرح پر خواہ مخواہ منافق کہا جاتا ہی، "آپ فلان امر کے لئے مجاز نہین ہین" اسکی جگہ لکھتے ہین کہ آپ کو اس بات کا کیا مجاز ہی، محاذی کی جگہ محاذ اور ایک بڑی ضخیم کتاب کے نوینسندہ صاحب نے بجاے لفظ منادی یعنی واعظ کے مناد بروزن قناد و شداد اختراع کیا ہی، وغیرہ وغیرہ، آپ کی خدمت مین یہ شکایت اس لئے لکھتا ہون کہ آپ کے اہتمام سے (جو شاید براے نام ہی) رسالہ کالج میگزین شایع ہوتا ہی، اسمین ایسی ایسی فاش غلطیان ہوتی ہین کہ جنکو دیکھکر بہت رنج ہوتا ہی، اور غضب یہ ہی کہ جبکہ اسپر لکھا جاتا ہی کہ مولانا محمد شبلی صاحب کے اہتمام سے شائع ہوا تو غور فرمائیے کہ بیچارے انگریزی خوان اردو نویسون کے لئے تو گمراہ ہو جانے کے لئے ایک بڑی دلیل ہو جائیگی، جب کوئی انکو سمجھانا چاہے گا، تو وہ یہی جواب دین گے، کہ فلان مقام پر ہم نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہی، اور چونکہ وہ رسالہ جناب مولانا جیسے مستند شخص کے اہتمام سے شایع ہوتا ہی، تو یہ لفظ یا املا وغیرہ وغیرہ غلط کس طرح ہو سکتا ہی، اسی طرح ہمارے ایک عالی کرم فرما مصنف و مضمون نگار نے کہین ہمارے عرفی کا یہ شعر پڑھ لیا ہوگا ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدید است صنادید عجم را

یا جناب سید صاحب کی کتاب کا نام آثار الصنادید سن لیا ہوگا، اب بے تکلف آثار قدیمہ کی نسبت لفظ صنادید لکھنا شروع کر دیا، اور ان کی دیکھا دیکھی اور

لوگ بھی غلطی مین پڑتے جاتے ہین، ایک رسالہ آج کل بہار سے بنام اصلاح جاری ہوا ہے، اسکے ٹائٹل پیج پر جو ایک عربی کا حصہ ہی وہ قابل بلاحظہ ہی،

اگر آپ اخبار علی گڈھ کا ایک حصہ واسطے اصلاح ایسے اغلاط کے مخصوص فرما کر الفاظ و املاہاے غلط و محاورات غیر صحیح کی تصحیح فرمایا کرین تو دنیا پر خصوصًا ہماری زبان اردو پر بڑا احسان ہو، ورنہ چند ہی سال مین ایک ایسی "گڈڈامی" اردو پیدا ہوگی کہ باید و شاید، فانظر الی کلا ابل کیف خلقت، یہ ضرور نہین کہ کاتب مضمون کا نام لیکر اخبار مین نکتہ چینی کیجائے، بلکہ صرف اشارہ کے طور پر لکھا جا سکتا ہی، اور جبکہ ایک آدھ کالم اسی کام کے لئے وقف کیا جائیگا تو لوگ خواہ مخواہ ناراض بھی نہ ہون گے، کیونکہ اس عام طریق سے کسی کی تضحیک اور توہین مقصود نہ ہوگی، بلکہ محض اصلاح زبان، زیادہ کہان تک سامعہ خراشی کرون

سب سے پہلے مین اپنے محترم بزرگ کی خدمت مین یہ گذارش کرتا ہون کہ مین سال بھر سے کالج میگزین کا اڈیٹر نہین ہون، اس لئے اس کی غلطیون کا (اگر واقع مین ہین) مین ذمہ دار نہین،

اصل بحث کی نسبت اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ اردو زبان مین بہت سے ایسے الفاظ داخل ہو گئے اور ہوتے جاتے ہین، جو لغت اور ترکیب کے لحاظ سے غلط ہین لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پا سکتا ہی یا نہین، کہ جو لفظ، اصل لغت کے لحاظ سے غلط ہی، اسکا استعمال بھی عمومًا غلط ہی، فارسی زبان مین جب عربی کا اختلاط ہوا تو عربی کے سیکڑون الفاظ اور جملے شامل ہو گئے، فارسی کے شعرا اور نثار عمومًا علوم عربیہ مین نہایت مہارت رکھتے تھے لیکن عربی الفاظ جو انھون نے برتے اس قدر غلط برتے کہ آج کم مایہ اردو دان اس سے زیادہ

غلطی نہین کرسکتے، تاہم وہی فارسی آجتک مستند اور فصیح اور شیرین سمجھی جاتی ہی
چند مثالین مین اس موقع پر نقل کرتا ہون،

ع بہ سخنہاے دروغِ تو تسلی شد و رفت۔ ہیلی

؍ بنشست و قرآن خواند و بجنباند ہمی سر قاآنی

؍ حمام شریعت شد مزیب والہ

؍ شاخ بنفشہ چون برو زلفینِ دوست گشت منوچہری

؍ قوم اشرب الصبوح یا ایہا النائمین

؍ در دو لبیر و بیندیش کاین خجستہ نہاد عرفی

؍ سرِ من طرح نوانداختۂ یعنی چہ حزین

اصل حقیقت یہ ہی کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہی، اور یہ گروہ صحتِ الفاظ سے بالکل بیخبر ہوتا ہی، خواص اسی زبان کو لیکر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہین، اصلاح مین وہ بہت سے الفاظ کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہین جسکی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہی کہ وہ غلط الفاظ اس قدر عام استعمال مین رواج پا چکے ہوتے ہین کہ صحت کے ساتھ بولے جائین تو عام لوگون کی سمجھ مین نہ آئین، اور کبھی یہ کہ یہ امر زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہی کہ دوسری زبان کے الفاظ اسمین آئین تو اسی کے قالب مین ڈھلکر آئین،

فارسی اور اردو پر موقوف نہین، ہر زبان مین دوسری زبان کے الفاظ اگر اصلی حالت پر نہین رہتے، البتہ چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہین، بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے، اسلیئے اسکو عربی فارسی وغیرہ الفاظ پر تصرف کا بہت کم حق حاصل ہی، اس لئے جہان تک ہوسکے اسبات کا التزام زیادہ موزون ہی کہ غیر زبانون کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے ساتھ قائم رکھے جائین

لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا، کہ اساتذۂ قدیم و جدید نے عربی فارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان مین غلط طور سے برتا اور آج وہی غلط استعمالات، فصیح اور با محاورہ خیال کئے جاتے ہین،

بہرحال اس قسم کے الفاظ کے استعمال و عدم استعمال کیلئے جو قاعدہ کلیہ قرار پا سکتا ہی، وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلّم الثبوت اہلِ زبان کے عام استعمال مین آجائین وہ صحیح الاستعمال ہین اور جنکو اہلِ زبان نے عموماً نہ قبول کر لیا ہو انکا استعمال صحیح نہین، اسی بنا پر جب مشہور اساتذہ مثلاً انیس و دبیر و آتش وغیرہ نے غلط الفاظ استعمال کئے تو لوگون نے اسیوقت اعتراض کیا، کیونکہ وہ الفاظ فصحا کے نزدیک استعمالِ عام کی سند نہین پاچکے تھے، اسلئے صرف ایک دو بزرگون کا استعمال گو وہ کیسے ہی مسلّم الثبوت استاد ہون صحت کی دلیل نہین قرار پا سکتا تھا،

ہمارے محترم بزرگ نے جن الفاظ کا ذکر کیا ہی وہ یقیناً فصحاے اہلِ زبان کے ہان مستعمل نہین ہین، اسلئے انکے غلط ہونے مین کچھ کلام نہین ہو سکتا، بے شبہ ایسے الفاظ کو بہت سختی سے روکنا چاہیے، ورنہ زبان پر بہت برا اثر پڑیگا، کیونکہ اگر اس قسم کے الفاظ تحریر و تقریر مین کثرت سے پھیل گئے، تو ہر شخص کہان تک یہ تحقیق کرتا پھریگا کہ ان مین سے کون سے فصحا کے نزدیک مقبول ہو چکے ہین، اور کون غیر مقبول،

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ) مارچ ۱۸۹۸ء

اُردو ہندی

"سنہ ۱۹۱۲ء مین الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ اسکولون اور کالجون مین دیسی زبان کا کورس ایسی زبان مین مرتب کیا جائے جو اردو ہندی دونون زبانون مین ایک ہی عبارت و الفاظ کے ساتھ پڑھا جا سکے، نیز اردو کے کورس مین بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے،

مسٹر برن چیف سکریٹری نے اس کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی مولانا مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انھون نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، وہ حسبِ ذیل تحریر ہین،

یہ تحریر اس درجہ موثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبرون کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا، اور اس طرح اردو ہندی بنجانے سے بال بال بچ گئی"

مسٹر برن نے اپنی یادداشت مین جو تجویزین پیش کی ہین، ان مین اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ ہین، ان دفعات کا ورنیکولر پر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑ سکتا ہے، اس لئے ہمکو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہیے،

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہے:-

"اردو زبان اور ہندی زبان، در اصل ایک ہی زبانین ہین، کیونکہ انکی گرامر متحد ہے اور جن دو زبانون کی گرامر متحد ہوتی ہے، وہ زبانین در اصل ایک ہی ہوتی ہین، اس بنا پر

ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان مین بننا چاہئے کہ صرف رسم خط (کیرکٹر) کے فرق سے وہ اردو اور ہندی دونون بنجائے،

"لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہی کہ اس کی نظم و نثر کی گرامر مختلف ہی، اس لئے ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لئے، راماین تلسی داس، کورس مین داخل ہونی چاہئے، ہندوؤن کے لئے وہ لازمی کر دیجائے، اور مسلمانون کے لئے بھی، اس کا پڑھنا مناسب ہوگا،

اس تجویز پر بحث کرنے کے لئے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ ہندی کے لفظ سے مسٹر برن کی کیا مراد ہی؟ ہندی دو قسم کی ہی، ایک جو دیہات مین بولی جاتی ہی، اور گنوار بولتے ہین، دوسری جو شہر مین تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہین،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہین رکھتی، جس کے دلائل حسب ذیل ہین:۔

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہی، اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہی کہ ایک ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہی، اس لئے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس مین داخل کیجائے،

(۲) دیہات اور گنوارون کی زبان کسی ملک مین داخل نصاب نہین کیجاتی، اور نہ وہ کبھی علمی زبان قرار پاتی ہی، انگلستان مین دیہات کی انگریزی، کسی نصاب تعلیم مین داخل نہین ہے، ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہی،

(۳) یہ زبان معمولی روزمرہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہی، لیکن وہ کوئی علمی زبان نہین بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہی کہ کالج

کلاسون مین اخیر تک اسی کا سلسلہ قائم رہے،

اب جو کچھ بحث ہو سکتی ہی، وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہو سکتی ہی،

اس مین شبہہ نہین کہ شہرون مین عموماً ہندو جو زبان بولتے ہین، وہ اور اردو زبان، ایک ہی زبانین ہین، یعنی ان کے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہین، فرق یہ ہے کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہین ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت مین زیادہ توغل رکھتے ہین، وہ فارسی عربی الفاظ کے بجاے، زیادہ تر برج بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہین، لیکن، عام تعلیمیافتہ ہندو جو ہندوستانی زبان مین مضامین اور آرٹکل اور رسالے لکھتے ہین ان کی اردو اور مسلمانون کی اردو مین مطلق فرق نہین ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک و اڈیٹر ہندو ہین، مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبان دہلی، ان مین ہندو انشاپرداز جو مضامین لکھتے ہین، ان کی زبان اور اعلی درجہ کے مسلمان انشاپردازون کی زبان مین کچھ فرق نہین ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہین، کیونکہ علمی خیالات کے لئے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہین ہو سکتے اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہین، کہ اگر استعمال کئے جائین تو سمجھنے والون کی تعداد تھوڑی رہجائیگی،

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہو گی کہ ان دونون زبانون کا ایک ہی نصاب بننا چاہئے، اسکی مثال بھی موجود ہی، کیونکہ پرائمری اسکولون مین پانچوین درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے اور جس مین سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہی، دونون زبانون کے کورس مین داخل ہی،

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہین،

اس قسم کی مشترک زبان، صرف اس حد تک کے لٹریچر کے لئے کافی ہوسکتی ہی، جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے ادا کرنے کے لئے کافی ہو، جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہی، لیکن جبکہ یہ مقصود ہے کہ ورنیکولر کا سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے کی ضرورت ہوگی، جسمین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات ادا کئے جائین، اس حالت مین ان مضامین اور خیالات اور اصطلاحات کے ادا کرنے کے لئے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہ ہون گے، بلکہ کسی علمی زبان سے مستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان، عربی یا سنسکرت ہوگی، اور یہان سخت کشمکش پیدا ہوگی، مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہ ہونگے کہ بجاے ان عربی الفاظ کے جنکو ہر تعلیمیافتہ مسلمان نہایت آسانی سے فوراً سمجھ سکتا ہے، سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو ان کے لئے بالکل گوش ناآشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ ان الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین ہونگے، لیکن وہ بطور ایثار کے اس محنت کو برداشت کرین گے بہرحال جنرل ریڈر، مروجہ حال سے آگے چل کر صاف فیصلہ کردینا ہوگا کہ ہندی اور اردو کے کورس الگ الگ ہوجائین، ورنہ ان دونون زبانون کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہونگے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہیگی، نصاب بنانے مین ہندو اور مسلمان، دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرین گے، اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا،

(۲) دونون سے ملکر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اردو ہوگی نہ ہندی، اردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی دینا چاہئے کہ وہ علمی زبانین بنجائین، اور ان مین ہر قسم کے خیالات اور مضامین ادا کئے جاسکین، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہی جب دونون کو علحدہ علحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے، اور ایک دوسرے کی راہ مین حائل نہ ہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہئے، کہ زبان کو اس حد تک ترقی دینی چاہئے کہ اس کی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہیں، بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پا سکیں، یہ امر بالکل بدیہی ہی کہ ہندوستان کے تمام تعلیمیافتہ مسلمانون کی زبان اردو ہے، پنجاب بنگال، مدراس، بمبئی مین قابل اور لائق مسلمان جو تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین، وہ اردو مین ہوتی ہین، اور یہ وہی اردو ہے، جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہی، اس لئے اگر اس زبان کو سنسکرت الفاظ ملاکر ہندی اور اردو کی ایک نئی زبان بنائی جائے گی، تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی لینگوا فرنکا ہے گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہجائے گی،

اب مین مسٹر برن کی اس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو ان کی تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہی، یعنی یہ کہ ہندی اور اردو کی گرامر ایک ہین۔

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہونے سے صرف یہ ثابت ہو سکتا ہی کہ دونون ایک ہی خاندان کی زبان ہین، یا ایک دوسرے سے نکلی ہین، اسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہی، اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے، تاہم وہ زبانین مختلف رہتی ہین، اور اُن سے مشترک کورس نہین تیار ہو سکتا عبری زبان کی جو گرامر آج کل بیروت مین شائع ہوئی ہے، اور جو ایک قدیم مستند تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے، اور اس اتحاد سے کسی طرح کم نہین جسقدر کہ ہندی اور اردو مین اتحاد ہی، تاہم عبری اور عربی زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو لیکن الفاظ بالکل مختلف ہون تو

ان کو ایک زبان نہین کہہ سکتے، مشرقی ہندوستان کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے، باوجود اس کے نہ وہ ایک زبانین کہی جا سکتی ہین نہ ان کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہی،

مسٹر برن کا یہ دعویٰ اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اس کی گرامر، نثر کی گرامر سے مختلف ہے، نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہی کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کر دیئے جاتے ہین لیکن اس کے لئے علیحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہی کہ وزن کی ضرورت نے یہ تغیر کر دیا ہی، ہندی زبان کی نظم کی گرامر نثر سے مختلف ہوگی تو اسی قدر ہوگی اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہی اسمین سخت منطقی مغالطہ ہی، رامائن کی گرامر مختلف ہے لیکن اسکی یہ وجہ ہی کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہے اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اسی قدر مختلف ہوگی، جسقدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہی،

رامائن کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہی، اسلئے اسکا کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہی کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لئے اسکی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہی تو یہ رائے بالکل بجا ہے، لیکن اس غرض کے لئے دو امر کا لحاظ ضروری ہے ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لئے موزون نہین، بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہئے جس طرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہے، دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لئے ہونا چاہئے جو صرف

ان لوگون کے لئے بنایا جائے جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین، ایسا کورس عام ورنیکولر کے لئے بالکل موزون نہین ہو سکتا،

اخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے قریباً آزاد ہو اختیار کیجا سکتی ہی، لیکن ہائر کلاسون کیلئے اردو اور ہندی زبانون کو بالکل الگ الگ قایم کرنا چاہئے، اور اسی صورت مین دونون اعلی درجہ تک ترقی کر سکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اس کی بنا پر اخیر درجہ تک دونون کا ایک نصاب بنانا سخت غلطی ہی، جس سے دونون زبانین برباد ہو جائینگی،

(معارف اکتوبر ۱۹۱۶ء)

بھاشازبان

اور

مسلمان

"ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک سربرآوردہ ہندو اڈیٹر نے ایک مضمون لکھا تھا جسمین دعویٰ کیا تھا کہ مسلمانون نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندی علم ادب پر کبھی توجہ نہین کی، اور اگر اتفاقیہ کسی نے کچھ کی تو اس کو مسلمانون نے کافر کہکے پکارا اس کا جواب الندوہ کے پرچہ مین "مسلمانون کی بے تعصبی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا جسمین مسلمانون کی اُن فیاضیون کو بہ تفصیل دکھایا گیا تھا، جو سنسکرت اور بھاشا کی تصنیفات کی حفاظت، ترجمہ اور اشاعت کے متعلق ان سے ظہور مین آئین،

یہ مضمون اسی کا دوسرا حصہ ہی، اسمین یہ دکھلایا گیا ہی ترجمہ اور اشاعت کے علاوہ مسلمانون نے خود بھاشا زبان مین کیا کیا تصنیفات کین، اور بھاشا کی شاعری مین کس درجہ کا کمال پیدا کیا،

یہ امر بھی اس موقع پر لحاظ کے قابل ہی کہ سنسکرت زبان ایک مدت سے متروک ہے، یعنی ایک زمانۂ دراز سے خود ہندو بھی اس زبان مین تصنیف و تالیف نہین کرتے، اور اسلام کے زمانہ سے تو غالباً کوئی کتاب اس زبان مین نہین لکھی گئی، ہندوون کی تصنیفات

یا شاعری جو کچھ ہے بھاکھا زبان مین ہی اس لئے مسلمانون نے بھی جو کچھ لکھا اسی بھاشا زبان مین لکھا"

عام طور پر مشہور ہی کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھاکھا زبان مین شعر و شاعری کی، وہ حضرت امیر خسرو ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پتہ آگے تک چلتا ہی، مسعود سعد سلمان جو سلطنت غزنویہ کا مشہور شاعر گذرا ہے، اور جو حضرت امیر خسرو سے تقریباً دو سو برس پہلے تھا، اسکی نسبت تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ ہندی زبان مین بھی اس نے ایک دیوان لکھا تھا تذکرہ مجمع الفصحا، مین لکھا ہی :-

"الحاصل وے را سہ دیوان بود تازی، ہندی، و پارسی"

اس واقعہ سے صرف والہ داغستانی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی زبان مین اس قدر کمال نہین پیدا کر سکتا کہ اسمین شاعری کر سکے، لیکن مولوی غلام علی آزاد نے اس شبہہ کو اس طرح رفع کر دیا کہ مسعود سعد سلمان، گو خاندان کے لحاظ سے ایرانی تھا، لیکن پیدا لاہور مین ہوا تھا، اس لئے ایک ہندوستان زاد کا ہندی مین اس درجہ کا کمال پیدا کرنا کچھ بعید نہین،

حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکھا مین جو کمال پیدا کیا، وہ محتاج اظہار نہین، مثنوی نہ سپہر مین انھون نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہی، افسوس ہی کہ ان کے بھاکھا کے خالص اشعار آج ناپید ہین، عام زبانون پر صرف وہ اشعار ہین جنمین انھون نے فارسی اور بھاکھا کو پیوند دیا ہی، مثلاً :-

چون شمع سوزان، چو ذرہ حیران	ز مہر آن مہ بگشتم آخر
نہ نیند نینان نہ انگ چینان	نہ آپ آوین نہ بھیجین پتیان
آنکھ ـ بدن ـ آرام	خط

اس طرز کے اُن کے اشعار عام طور پر مشہور ہین، اس لئے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین،

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد مین ملک محمد جایسی پیدا ہوئے وہ بھاکا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندوؤن مین آج تک کوئی اُنکا ہمسر نہین پیدا ہوا، پدماوت اُن کی مثنوی آج موجود ہے، اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہے، ہندوؤن مین سب سے بڑا شاعر آخر زمانہ کا کالیداس گذرا ہے جس نے راماین کا بھاکا مین ترجمہ کیا ہے، نکتہ شناسون کا بیان ہے، کہ قدرتِ زبان کے لحاظ سے پدماوت کسی طرح رامائن سے کم نہین، اور اس قدر تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ پدماوت کے صفحہ کے صفحہ پڑھتے چلے جاؤ، عربی فارسی کے الفاظ مطلق نہین آتے، اور یون شاذونادر تو رامائن بھی ایسے الفاظ سے خالی نہین، ملاحظہ ہو،

رامائن کے بعض اشعار،

رام اینک گریب نواجے	لوگ بر بر برد برا جے
گنی، گریب، گرام، نرناگر (غنی، غریب، غریب نواز)	پنڈت موٹے ملین اوجا گر

ملک محمد جائسی نے پدماوت کے سوا بھاکا مین اور بھی دو مثنویان لکھین جو ان کے خاندان مین اب بھی موجود ہین، لیکن افسوس کہ ان کے چھپنے کی نوبت نہین آئی،

اکبر کے زمانہ مین ہندی زبان کو اور بھی قبولِ عام حاصل ہوا، نوبت یہان تک پہونچی کہ امرا اور شہزادے تک ہندی زبان مین شاعری کرتے تھے، شہزادہ دانیال (پسر اکبر شاہ) کے ضمنی تذکرہ مین جہانگیر اپنی تزک مین لکھتا ہے:۔

"وبہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بہ زبان اہل ہندو باصطلاح ایشان شعرے میگفت، بدنبودے"

عبد الرحیم خان خانان جو دربار اکبری کا گل سرسبد تھا ہندی شاعری مین کمال

کا درجہ رکھتا تھا، اسی کتاب مین خان خانان کے وفات کے ذکر مین لکھا ہی،

"خان خانان در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود و زبان عربی و ترکی و فارسی و ہندی می دانست و از اقسام دانش عقلی و نقلی حتی علوم ہندی بہرہ وافی داشت، و بہ زبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے"

جہانگیر کے زمانہ مین غواصی نام ایک شاعر تھا، اس نے طوطی نامہ کو جو نثر مین تھا اس طرح نظم کیا کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی مین تھا، اس سے اس کی قدرتِ زبان کا اندازہ ہو سکتا ہی، میر حسن[1] صاحب اپنے تذکرۂ شعرا مین لکھتے ہین :-

"غواصی تخلص در وقتِ جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامہ بختی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور ریکٹ کہانی، سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم بہ یاد نیست"

اسی زمانہ مین ملا نوری ایک بزرگ تھے جو قصبہ اعظم پور کے قاضی زادون مین تھے، اور فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے، وہ اگرچہ فارسی کہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ہندی مین بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ریختہ یعنی اردو زبان کی ترکیبین بھی ان کے کلام مین پائی جاتی ہین، چنانچہ میر حسن صاحب نے اپنے تذکرہ مین انکا ایک شعر نقل کیا ہی،

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اکبری اور جہانگیری دور مین سب سے زیادہ جس نے اس فن مین نام پیدا کیا، وہ شیخ شاہ محمد بن شیخ معروف فرملی تھے، یہ بلگرام کے رہنے والے تھے، اور حصار کی حکومت پر ممتاز تھے، ایک دفعہ سفر مین ایک ہندو لڑکی کی حاضر جوابی ان کو بہت پسند آئی، اسکو ساتھ لائے، اور تربیت کی چنانچہ ان کے اکثر دوہے اور کبت، اسی کے ساتھ سوال و جواب مین ہین،

[1] میر حسن مصنف بدر منیر کا تذکرۂ شعرا ہمارے کتب خانہ مین موجود ہے،

ایک دفعہ سفر سے آئے اُسنے انکو مدت کے بعد دیکھا تو جوشِ محبت سے اسکی آنکھون سے آنسو نکل آئے، انھون نے کہا،

کم درگ ڈھری سنار	مم آیو بھایو نہین
کیون تیری آنکھ آبدیدہ ہوئی اے نازنین	کیا میرا آنا پسند نہین ہوا!

اس نے برجستہ کہا،

لینھن نین پکھار	لمن ہتی تو کو درس بن
آنکھ صاف کرنا	گرد آلود تیرے دیدار کے بغیر

یعنی چونکہ میری آنکھین تمھاری جدائی مین گرد آلود ہو رہی تھین، اس لئے مین نے ان کو آنسوؤن سے دھو لیا،

شیخ محمدؐ کے اشعار نہایت کثرت سے سروِ آزاد کے دوسرے[1] حصہ مین نقل کئے ہین،

---

[1] یہ بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مولوی غلام علی آزاد نے سروِ آزاد جو تذکرہ لکھا اس کے دو حصے کئے، ایک فارسی شعرا کے ذکر مین اور دوسرا ہندی یعنی بھاشا کہنے والون کے حالات مین، اُس دوسرے حصہ کی تمہید مین لکھتے ہین،

"فصل ثانی در ذکرِ قافیہ سنجان ہندی جزاہم اللہ بجائزۃ الخیر من ہیچمدان باز بانِ عربی و فارسی و ہندی آشنایم و از ہر سہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحی پیمایم، مشق سخنِ ہندی ہر چند اتفاق نیفتاد، اما سامعہ را از نوائے طوطیانِ ہند حظّے وافر است و ذائقہ را از چاشنی شکر فروشانِ این گل زمین نصیبے متکاثر، افسون خوانانِ ہند ہم درین وادی پائے کمی ندارند بلکہ در فن نایکا بید قدم سحر سازی پیش می گذارند، موزونانِ زبانِ ہندی، در بلگرام فراوان جلوہ نمودہ اند لہذا فصل این جماعہ علحدہ بہ تحریر رسید و شمامہ معطرے بدست بو شناسان حوالہ گردید"

پھر اس حصہ کے خاتمہ مین لکھتے ہین:-

"بہ اقتضائے ترتیبے کہ درین تالیف اختیار افتادہ ختم کتاب بر نظم ہندی دست ہم دادہ، چہ مضائقہ بعض الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم است"

سروِ آزاد کا یہ حصہ، ہمارے دوست نواب نور الحسن خان خلف اکبر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵ پر ہی)

تیموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے جس طرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدردان تھے، اور یہ اس بات کا بڑا سبب تھا کہ ہندی شاعری بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، راجہ سورج سنگھ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار مین پیش کیا، اور اس نے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام مین دیا، چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے:-

"باین تازگی مضمونے از شعرائے ہندکم بگوش رسیدہ بہ جلدوے این مدح فیلے بہ او مرحمت کردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،

گر پسر داشتے جہان افروز ‌ ‌ ‌ شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زان کہ چون او نہفت افسر زر ‌ ‌ ‌ بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر،
شکر کز بعد او چنان پدرے، ‌ ‌ ‌ جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ ‌ ‌ ‌ کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اُس کا بیٹا اُس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگون نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) جناب نواب صدیق الحسن خان مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم مین بتمامہ شامل کر لیا، چنانچہ فروغ دوم مین جہان سے ہندی شعرا کا تذکرہ ہی عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہی، این اس مضمون مین بلگرامی شعرائے بھاکا کا جو تذکرہ لکھونگا اور انکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے، لیکن طور کلیم کا یہ حصہ در اصل سرو آزاد ہی، طور کلیم چھپ گیا ہی اور ہر جگہ ملتا ہی اسلئے ناظرین کو وہ بآسانی ہاتھ آسکتا ہی، تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ ۲۸۵

ہندی تصنیفات کے ساتھ مسلمانون کی توجہ کی یہ نوبت پہونچی کہ لوگ ہندی کی مشہور کتابون کو زبانی یاد کرتے تھے، امین رازی تذکرۂ ہفت اقلیم مین میر ہاشم محترم کے حال مین لکھتے ہین:۔

"امروز در ہندست، تمام کتاب مہابھارت راکہ مستجمع اسامی غریبہ وحکایات عجیب است ورزد کردارد"

اس مسئلہ مین حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عالمگیر کو نہایت متعصب کہا جاتا ہی اور عام خیال ہے کہ وہ ہندوون کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اُس کے زمانہ مین توجہ کی پہلے بھی نہین کی تھی ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا، وہ عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے آیا اور شاہی منصب دارون مین مقرر ہوا، اُس نے بھاشا زبان مین انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا، اگرچہ بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہین کرسکتا تھا، تاہم اس زبان مین نہایت برجستہ اشعار کہتا تھا، ہندی مین اُس کا تخلص پیتھی تھا، پارجاتک جو موسیقی مین ہندی زبان کی مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ اُسی نے فارسی زبان مین کیا، مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا مین اُس کے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین:۔

"در عہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہ ہند آمدہ و در سلک منصبداران شاہی انتظام داشت وباوجود آن کہ بہ ہند آمدہ زبان این ولایت آموخت لٰہٰذا بواسطہ حدت ذہن در نظم ہندی طبع او آن قدر دخیل شد کہ از جملہ استادان فن برآمد، زبانش بہ تلفظ این زبان خوب نمی گردید، اما نظم بسیار رنجتہ واقع می شد و در ہندی پیتھی تخلص میکرد ترجمہ پارجاتک در فن رقص و نغمات ہندی از وست"

عالمگیر ہی کے متوسلین مین ایک اور شاعر دانا تخلص تھا، اس کی نسبت مولوی غلام علی آزاد بلگرامی، ید بیضا مین لکھتے ہین،

"نظم ہندی بسیار خوب گفتہ"

بھاشا کی زبان دانی اور شاعری کا ذوق، اس زمانہ مین اس قدر عام ہوا کہ بڑے بڑے علما اور حضرات صوفیہ اسمین کمال پیدا کرتے تھے، شیخ غلام مصطفیٰ متخلص بہ افسان بہت بڑے پایہ کے شخص گذرے ہین، وہ قوم کے کنبو اور مراد آباد کے رہنے والے تھے معقولات کی تحصیل حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی (جد مولانا بحر العلوم) کی خدمت مین کی حدیث کا فن محدث دہلوی کے خاندان سے حاصل کیا، تصوف مین شیخ جان محمدؒ شاہ جہان آبادی کے مرید تھے، طب، نجوم، خوشنویسی، فن جنگ، ان تمام چیزون مین کمال رکھتے تھے، عالمگیر کے زمانہ مین منصبداری کے عہدہ پر مامور ہوکر دکن گئے، لیکن چند روز کے بعد استعفا دیکر چلے آئے، ۱۱۴۲ھ مین بمقام ایلچپور وفات پائی، ہندی زبان اور بھاشا کی شاعری مین انکا جو درجہ تھا، اسکا اندازہ مولوی غلام علی آزاد کی عبارت ذیل سے ہو سکتا ہی،

"علم ہندی بحیثیتے کہ اکثر براہمہ (برہمن) حل غوامض از خدمت شیخ میکر دند و شعر ہندی نیز خوب میگفت، صنادید شعرائے ہندی در حضور او سر فرود می آوردند و اصلاح کبت ودوھہ میگرفتند" (سرو آزاد)

عبد الجلیل بلگرامی (مولوی غلام علی آزاد کے نانا) جو عالمگیر کے درباری تھے ہندی زبان کے ممتاز شاعر تھے، فارسی قصیدون مین بھی کہین کہین بھاشا بول جاتے ہین، چنانچہ ایک قصیدے مین لکھتے ہین:-

اسیس دیکھے، کہے ہندوی مین یو سمت   رہے جگت مین اچل باس یہ ذرہ سدا

یہ ذوق اس قدر ترقی کرتا گیا کہ محمد شاہ کے زمانہ مین جب راجہ جے سنگھ والی جیپور نے بتیس لاکھ کے صرف سے رصدخانہ قائم کیا، اور فن ریاضی کے ساتھ نہایت اہتمام کیا تو علماے اسلام نے اس کے حکم سے شرح چغمینی اور ہیئت کی اور کتابون کا ترجمہ بھاشا زبان مین کیا، چنانچہ آزاد، سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین:-

وقد نقل العلماء الاھاند بامر جے سنگھ شرح الچغمینی وغیرہ من کتب الھیئۃ والھندسۃ من العربیۃ الی الھندیۃ (سبحۃ المرجان صفحہ ۱۳۵)	ہندوستان کے علما نے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمینی وغیرہ کتابون کا جو علم ہیئت اور ہندسہ مین تھی عربی زبان سے ہندی زبان مین ترجمہ کیا،

شرح چغمینی اس درجہ کی مشکل کتاب ہو کہ اردو مین اس کا ترجمہ نہین کیا جاسکتا اس سے قیاس کرنا چاہئے، کہ جو علما بھاشا زبان مین اس کا ترجمہ کرسکے، ان کی بھاشا دانی کا کیا رتبہ ہوگا

اسی زمانہ مین سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب مین نہایت شہرت حاصل کی سنسکرت کے حاصل کرنے کے لئے بنارس کا سفر کیا اور وہان رہکر، اس علم کی تکمیل کی، ہندی موسیقی مین اس درجہ کا کمال پیدا کیا کہ لوگ ان کو نایک کہتے تھے، چنانچہ اس فن کے متعلق بھاشا مین دو کتابین تصنیف کین، ناوچندر کا اور مدھنایک سنگار، بھاشا مین مدھنایک تخلص کرتے تھے، ۱۱۶۰ھ مین وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہو،

جو چترا ان چیت چڑھے، نہ بڑھے بدھ بیدن گرنتھ نہ گائے
فرشتہ   دل
ترکیب وصورت، عقلا کتب آسمانی، قدیم کتابین

بھار تھی، بھوری کری بھرین، جپ، جوگن، جوگ، اتھ پہ گنا سے
گھوبائی
سبحہ گردانی ریاضت   مرتاض

جو مکھ جوت جگی، نہ تھگی مدھنایک گھونگھٹ چنچل تیاپے
(چہرہ، روشنی، نام شاعر، شوخی)

جھینین، دو کول، تھے جھلکی، انجھ، براجت، اچھ رچھاپے
(باریک، دو پٹہ، زیب دینا، بے مثل، فریفتہ کرنا)

مطلب یہ ہے کہ تیری آنکھین نقاب کے اندر جس قدر خوش نما ہین اسکی خوبی فرشتون کے خیال مین بھی نہین آسکتی اور نہ آسمان کی کتابون مین ان کی توصیف پائی جاتی ہے، قوت نطق، خود محو حیرت ہے، اور زاہد مرتاض، سبحہ گردانی سے بھی زیادہ، اس کا مداح ہے، نقاب ان آنکھون کی خوبی کو چھپا نہین سکتی، بلکہ باریک ڈوپٹہ اس کی خوبی اور بھی دوبالا کر دیتا ہے،

ان کا اور بہت سا کلام سرو آزاد مین نقل کیا ہے، لیکن چونکہ ناظرین کے لئے وہ نامانوس صدا ہوگی، اس لئے ہم اسکو قلم انداز کرتے ہین،

سید رحمت اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی بھاشا زبان کے مشہور استاد تھے سلطنت کی طرف سے دو صدی منصب اور جاگیر مقرر تھے، اس زمانہ مین بھاشا کا مشہور شاعر چنتامن ایک ہندو تھا، اس کا ایک شاگرد رحمت اللہ کا شہرہ سنکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، اور چنتامن کا دوہا ان کے سامنے پڑھا،

ہیو ہرت ار کرت اِت چنتامن چیت چین

وا مرگ نینے کی لکھی واہی کی سی ینن،

سید رحمت اللہ نے اس دوہہ مین غلطی نکالی اور چنتامن نے سنا تو غلطی تسلیم کر کے اُس کی اصلاح کر دی، چنتامن نے سید رحمت اللہ کی مدح مین ایک دوہہ بھی لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:-

گربب، گھ سنگ، جیون سبل گل گاج من، اربل گج باج دل، ساج دھایو
(غرور، شیر، بطور، قوی، اظہار دلیری، زبردست، ہاتھی، گھوڑا، فوج، آراستہ، حملہ کیا)

بجت اک جمک گھن گھمک د بندھبن کی ترنگ، گھر دہمک بھوتل ہلایو
ایک طرح پر، گردون شگاف، نقارہ، گھونگھرو، سم، زمین

سید رحمت اللہ نے ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۱۱ھ مین وفات پائی، ان کے بہت سے دوہے سرو آزاد مین نقل کئے ہین، ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہین،

کر اچاے جمہاے تیہ وھاری بھج یہ بھاے،
ہاتھ، بلند کرنا، انگڑائی، بازو، خوشنما معلوم ہوے
منو چپلا دوی چمک ہوئے گری بھوم پر آئے،
گویا، بجلی، زمین

یعنی محبوب نے جمہائی لیتے ہوئے جب دونون ہاتھ اٹھا کر نیچے کر لئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا دو بجلیان چمک کر زمین پر گر پڑین،

سید غلام نبی پسر سید محمد باقر، سید عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے، ۲ محرم سنہ ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوئے، سید عبد الجلیل اس زمانہ مین عالمگیر کے ساتھ دکن کے مہم پر تھے، بھانجے کے پیدا ہونے کی خبر سنی تو سالِ تاریخ کی فکر ہوئی اسی حالت مین سو گئے، اور خواب مین یہ مادہ ہات آیا ع

نور چشم باقر عبد الحمید

تفاول کے طور پر پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا شاعر ہوگا، خدا کی قدرت پیشین گوئی صحیح اتری، اگرچہ عربی و فارسی مین بھی مہارت رکھتے تھے لیکن بھاشا کی شاعری مین نہایت کمال پیدا کیا، سنہ ۱۱۶۳ھ مین نواب وزیر اور افاغنہ کی لڑائی مین، نواب کی ہمرکاب تھے، اور عین معرکہ جنگ مین مارے گئے، مولوی غلام آزاد سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، چنانچہ آزاد نے تاریخ کہی:

ع رقم کردہ ہے غلام نبی،

بھاشا زبان مین ایک دیوان لکھا جسمین ۱۷۷ دوہے ہین، اس کا نام انگ درپن رکھا، بھاشا مین انکا تخلص درس لین ہے، درس کے معنی بھاشا مین دیدار کے ہین، اور لین کے

معنی محو کے ہین، ور سلین کا لفظی ترجمہ محو دیدار ہے، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے،

توحید

تیری منور تھ کو ہوت ہے سین، لوک تون ہی ہوئی اکاش کرت نکھت اوو ہے
مطلب اشارہ دنیا آسمان ستارہ روشنی

تون ہی چار و تتو، سیل، ترپس پنچھی، ہوت تون ہی میگھ، بوچی. کوت اور اکوت ہے
اربعہ عناصر پہاڑ درخت چرند پرند بادل تو دیتا ہو حساب بیحساب

تون ہی بن ناری بھرتا، کی رسلین، ہوت تون ہی ہوئی کی بتری سب ان تین لوت ہے
عورت شوہر محو دشمن

جاگ پرین جھونٹون جیون سپن، لوگ ہوت تیو نہین اتما بچاری لوک جاگت کو موہ ہے
بیداری خواب روح

یعنی تیرے ہی اشارہ سے دنیا پیدا ہوتی ہی، تو ہی آسمان بنکر ستارون کو روشن کرتا ہی،
تو ہی اربعہ عناصر اور پہاڑ، درخت، چرند، اور پرند بنجاتا ہے، تو ہی بادل بنکر بحساب بارش کرتا ہی
تو ہی عورت کے قالب مین اگر مرد کا راحت رسان ہی، تو ہی بالآخر موت کی صورت مین جان
کا دشمن ہے، تو جس طرح کہ جاگنے کے بعد خواب بالکل وہم معلوم ہوتا ہی، اسی طرح خداشناسون
کے نزدیک یہ دنیا تمامتر خواب ہی،

سید برکت اللہ بہت بڑے فقیہ تھے، بھاشا مین شعر کہتے تھے، اور پیمی تخلص کرتے
تھے بھاشا مین جو ان کے نظمون کا مجموعہ ہے اس کا نام خود پیم پرکاس رکھا تھا، ہر دو
مین ان کا بہت سا کلام نقل کیا ہی، ہم صرف ایک دوہے پر اکتفا کرتے ہین،

چکہ جوگی، کنتھا گرین، ارن، سیام اور سیت
آنکھ گلا سرخ سیاہ سفید

آنسو بوند سمرن لین درسن بھچھا ہیت
قطرہ تسبیح دیدار خیال

یعنی آنکھین ایک ریاضت کش جوگی ہین جو سرخ سیاہ اور سفید دانون کا مالا پہنے ہوئے
اور آنسوون کی تسبیح لئے ہوئے دیدار کی بھیک کی طالب ہین،

ان بزرگون کے سوا اور بہت سے اہل کمال گذرے ہین جنھون نے بھاشا زبان کی

انشاپردازی اور شاعری مین ناموری حاصل کی اور جن کے حالات مختلف تذکرون مین مل سکتے ہین، کیاان واقعات کے بعد بھی ہمارے ہندو دوست کا یہ بیان قابل تسلیم ہے کہ مسلمانون نے کبھی ہندو لٹریچر پر توجہ نہین کی، اور جو کرنا چاہتا تھا وہ کافر قرار پاتا تھا، ہمارے ہندو دوستون کو یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانون سے زیادہ بے تعصب قوم، نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آیندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکے گا۔

(الندوہ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

"تحفۃ الہند"

مسلمانون کی توجہ برج بھاشا پر، برج بھاشا کا فن معانی و بیان.

یاد ہوگا کہ ہمارے ایک معزز ہندو دوست نے اردوے معلی مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین اس پر معترضانہ افسوس ظاہر کیا تھا کہ مسلمانون نے ۸سو برس تک اس ملک مین حاکم رہکر کبھی ملکی زبان کی طرف توجہ نہ کی ہم نے اس کا جواب الندوہ مین بہ تفصیل دو نمبرون مین لکھا تھا، جسمین بتایا تھا کہ مسلمانون نے ہندؤن کی زبان کے ساتھ کس قدر اعتنا کیا، اور خود برج بھاشا مین کس درجہ کی قابلیت پیدا کی، یہ مضمون بھی اس سلسلہ کا گویا تتمہ ہی،

تحفۃ الہند جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، ایک کتاب کا نام ہی، جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی، مصنف کا نام میرزا خان بن فخر الدین محمدؐ ہی، دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین شہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تصنیف کی کتاب کا موضوع ہندؤن کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے، اسمین ۷ باب ہین:

۱- پنگل یعنی علم عروض ۲- تک، یعنی قافیہ،

۳- النکار یعنی علم بدیع ۴- سنگار رس یعنی عشق و محبت،

۵- سامدک یعنی علم قیافہ ۶- کوک، یعنی علم النساء،

۷- لغات ہندی، اس مین برج بھاشا کے ضروری کثیر الاستعمال الفاظ لکھے ہین

اور ان کے معنی بتائے ہین،

یہ کتاب **عالمگیر** کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہے، اور اس کے سب سے چہیتے اور منظور نظر فرزند کے مطالعہ کے لئے تصنیف ہوئی ہے، **عالمگیر** کی نسبت اس کے مخالفون کا دعویٰ ہے کہ وہ تعصب کا دیوتا تھا، اور اس نے ہندؤن کی نہ صرف عمارات، بلکہ ان کے لٹریچر کو بھی مٹا دینا چاہا تھا، اور اس لئے ان کی تمام درسگاہین، اور پاٹ شالے بند کرا دیئے تھے،

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تاریخ کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ عالمگیر ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے اس قدر واقفیت رکھتا تھا کہ کسی حصۂ ملک کا ادنیٰ سا واقعہ بھی اسکی نگاہ تجسس سے مخفی نہین رہ سکتا تھا، باوجود اس کے **برج بھاشا** کو جس قدر اس کے زمانہ مین ترقی ہوئی مسلمانون نے جس قدر اس کے زمانہ مین ہندی کتابون کے ترجمے کئے، اور خود جس قدر برج بھاشا مین نظم و نثر لکھی کبھی زمانہ مین اس قدر ہندی کی طرف التفات نہین ظاہر کیا گیا تھا، چنانچہ اسکی تفصیل ہم ایک مستقل مضمون مین لکھ چکے ہین، یہ کتاب (تحفۃ الہند) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے،

یہ ناممکن ہے کہ **عالمگیر** جو اپنے بیٹون کی ایک ایک حرکت سے خبر رکھتا تھا، اسکی نظر سے ایک ایسی کتاب جو اس کے محبوب ترین شہزادہ کے لئے لکھی جائے مخفی رہ جائے۔ نعمت خان عالی نے وقائع لکھی اور عالمگیر سے چھپانے کی بے انتہا کوشش کی، لیکن چھپ نہ سکی،

اس کتاب مین سے ہم صرف صنائع و بدائع کے حصہ کا اقتباس درج کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہندی زبان کے فن بدیع کو عربی سے کیا نسبت ہے؟ اس موقع پر یہ بات بھی اظہار کے قابل ہے کہ مصنف نے ہندی صنائع و بدائع کی تفصیل لکھ کر،

چند صنعتین خود اضافہ کی ہین، ان کے خود نام رکھے ہین، اور ان صنعتون مین خود ہندی اشعار کہکر، درجِ کتاب کئے ہین، جس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ مصنف کو خود اس زبان مین کہان تک قدرت تھی، یہ صنائع اکثر بلکہ قریبًا کل عربی سے لئے ہین، اور عربی نامون کا ترجمہ بھاشا مین کر دیا ہی؛

بھاشا مین علمِ بدیع کو النکار کہتے ہین، چونکہ بلاغت کا اصلی کام جذبات اور احساسات پر اثر ڈالنا ہی، اس لئے النکار کی تین قسمین قرار دی ہین،

۱- نورس، اسمین تمام احساسات کا استقصا، کیا ہی اور ان کی نو قسمین قرار دی ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

سرنگار رس، اس کی دو قسمین ہین، سنجوک، بیوگ سنجوک یعنی وصال و فراق،

ہاسیہ رس- مسرت و خوشی، کرُنا رس- رحم و ہمدردی،

ویر رس- شجاعت و بہادری رَودر رس- غیظ و غضب،

بھے رس- خوف و بیم. بی بھبس رس- نفرت و کراہت،

شانت رس- سکون و اطمینان، اَدبھت رس- استعجاب،

عربی اور فارسی زبان مین اس قسم کی سائنٹفک تقسیم نہین ہی اور اس لحاظ سے ہندی کو فارسی اور عربی پر ترجیح ہے،

۲- مے نیگ کسی مضمون کو لطیف، نازک، اور شوخ پیرایہ مین ادا کرنے کو کہتے ہین، مثلاً عورت اپنے محبوب شوہر سے جو کسی اور عورت پر عاشق ہی کہتی ہے کہ پیارے! تیری پیشانی پر جو سرخی ہے، یہ تیری سُرخ ٹوپی کا عکس ہے، یا رقیبہ کی حنا کا اثر ہے،

سوال سے بظاہر صرف اس قدر مفہوم ہوتا ہی کہ عورت کو اپنے شوہر سے رقیبہ کے پاس جانے، اور اس سے ملنے کی شکایت ہی لیکن در پردہ وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہی کہ شوہر نے رقیبہ کے پاؤن پر پیشانی رگڑی ہے، جس سے پیشانی مین سرخی آگئی ہی، یہ وہ صنعت ہی جسکو عربی مین تعریض کہتے ہین،

سنسکرت کا اقتاپہ وادا اس صنعت کو اس قدر وسعت دیتا ہی کہ الفاظ اور عبارت کی ضرورت نہین، صرف حالت کا دکھا دینا بھی اس صنعت مین داخل ہی، مثلاً محبوب، رات بھر کا جاگا ہوا کسی صحبت سے آیا ہے، جس کی وجہ سے بال پریشان ہین، آنکھین مخمور ہین، انگڑائیون پر انگڑائیان آرہی ہین، عاشق زبان سے کچھ نہین کہتا، صرف آئینہ لاکر سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ سب کچھ کہدیگا، یہ بھی اسی صنعت مین داخل ہی،

۳- اُپمان، اس کے معنی تشبیہ کے ہین، تشبیہ ایک نہایت لطیف صنعت ہے، عربی مین اسکو نہایت وسعت دی ہی، اور اس کی بہت سی قسمین کی ہین، بھاشا مین بعض باتین تو مشترک ہین مثلاً مکہ اپمان، یعنی جب تشبیہ کے الفاظ مذکور ہون، مثل چون، مثل وغیرہ

لُپت اپمان، حرف تشبیہ مذکور نہین لیکن مقدر ہے جیسے "قند لب" یعنی لب چون قند، اسکو عربی مین استعارہ کہتے ہین،

لیکن بعض باتون مین جدت ہی، مثلاً،

مالُو اپمان، تشبیہ کا یہ طریقہ عربی اور فارسی مین نہین، پایا ہی تو اس کا کوئی خاص نام نہین، یہ وہ صورت ہے کہ مشبّہ بہ کے اجزا اور عوارض سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً چاند کی تشبیہ مین کہا جائے کہ وہ ایک باغ ہی، اسمین جو سیاہی ہے، وہ درختون کی چھاؤن ہی اُسکی کرنین، درختون کی ٹہنیان ہین، اس کو تشبیہ مرکب کہہ سکتے ہین، لیکن کسی قدر اس سے

مختلف الصورۃ ہے،

شرنکھلا ایمان، اسمین سلسلہ بہ سلسلہ تشبیہ دیتے جاتے ہین، یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو کسی اور چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی،

اننیتی ایمان، یہ وہ صورت ہی جسکو فارسی مین تشبیہ الشی بنفسہٖ کہتے ہین یعنی کسی شے کو خود اسی شے سے تشبیہ دینا، مثلاً فارسی مین ع

چو تو گر کسے باشد آن ہم توئی

اردو مین آج کل کہتے ہین وہ شخص آپ اپنا نظیر ہے،

حقیقت مین یہ مبالغہ کی ایک صورت ہے یعنی جب یہ کہنا ہوتا ہی کہ اس شخص کی نظیر نہین، تو یون کہتے ہین کہ وہ اپنا آپ ہی نظیر ہے، اور کوئی اسکا نظیر نہین، اس صنعت کو فارسی مین اور بھی ترقی دی ہے، یعنی یون کہتے ہین کہ وہ "خود بھی اپنا نظیر نہین" اردو مین کسی کا مصرع ہی، ع

تم سے جب تم ہی نہین پھر کوئی تم سا کیا ہو

النکار، یہ ایک عام لفظ ہی جس کے معنی صنعت و بدیع کے ہین، سنسکرت مین اسکی بہت سی انواع ہین، ان مین سے، ازیادہ متداول ہین، جنکی تفصیل حسب ذیل ہی،

وترکتا النکار یہ وہ صورت ہی کہ جس چیز سے ممدوح کو تشبیہ دیتے آئے ہین، اس مین عیب ثابت کیا جائے تاکہ ممدوح کی ترجیح ثابت ہو، مثلاً سخاوت اور فیاضی مین ممدوح کو بادل سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن عنصری کہتا ہی ~

تو ہمی بخشی و ہمی خندی	او ہمی بخشد و ہمی گرید

یعنی بادل برستا ہی تو روتا جاتا ہی اور تو برستا ہی تو ہنستا ہی،

دروڈّہا بھاس النکار، یعنی عبارت کے معنی واقع مین صحیح ہون، لیکن بظاہر غلط معلوم ہون جب ایک لفظ کے معنی مختلف ہوتے ہین، تو اس صنعت سے کام لیتے ہین، مثلاً بھاشا مین سیام، سیاہ کو بھی کہتے ہین، اور معشوق کو بھی، اسی طرح لال سرخ کو بھی کہتے ہین اور محبوب کو بھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ "سیام زرد ہے" تو بظاہر غلط ہوگا، کیونکہ سیاہ چیز زرد نہین ہوسکتی، لیکن اگر سام کے معنی محبوب کے لئے جائین تو یہ جملہ صحیح ہوسکتا ہے،

عربی مین اس صنعت کو نہایت وسعت دی ہے، مقامات حریری مین سو فقہی سوال اور جواب ہین، جوابات تمامتر غلط معلوم ہوتے ہین لیکن واقع مین صحیح ہین، مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کے بعد نعل کو چھوئے تو کیا حکم ہے، جواب دیا ہے کہ "وضو ٹوٹ جائیگا" نعل عربی مین جوتی کو کہتے ہین اور یہ معنی زیادہ متداول ہین، لیکن نعل عورت کو بھی کہتے ہین اور شافعیون کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

سکارن ات بریچھا حسن تعلیل کو کہتے ہین، یہ صنعت عربی اور فارسی مین بہت مستعمل ہے، بھاشا مین اس کے نہایت لطیف نئے نئے پیرایے ملتے ہین، مثلاً چاند معشوق کا حسن چرا کر آسمان پر بھاگ گیا، اسی وجہ سے ہمیشہ چورون کی طرح رات کو نکلتا ہے، فارسی کا شاعر کہتا ہے، ؎

از شرمِ ابروانِ بلندِ تو ماہِ نو — خود را چنان نمود کہ کس دید و کس ندید

یعنی معشوق کے ابرو کی شرم سے، ماہِ نو اس طرح چھپ کر نکلا کہ کسی نے دیکھا، کسی نے نہین دیکھا،

اکارن ات بریچھا، مبالغہ اور اغراق کو کہتے ہین،

انکرت النکار، لف و نشر کو کہتے ہین،

سندیھا النکار، یعنی دو چیزون مین جان بوجھکر شک کرنا مثلاً یون کہین کہ یہ چہرہ ہے، یا چاند، زلف ہے، یا سانپ، عربی مین اسکو تجاہل عارفانہ کہتے ہین،

سُکچھمان النکار، یعنی الفاظ و عبارت کے بغیر کسی مطلب کو محض اشارے و کنایے سے ادا کرنا، مثلاً عاشق معشوق سے سوال کرتا ہی کہ مین کب آؤن؟ معشوق کچھ جواب نہین دیتا، بلکہ اسکی بجائے ایک گورے چٹے آدمی کو نیلگون برقع پہنا کر بھیجتا ہی، جس سے یہ اشارہ ہوتا ہی کہ جب چاند ڈوب جائے اور تاریکی چھا جائے تب آنا،

اپنا پدیسار النکار، کسی پربات ڈھال کے کہنا، مثلاً ایک وفاکیش معشوقہ کا عاشق آیا ہے، وہ دوسرے شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہی کہ آہ! آج میرا شوہر ایک کام کو گیا ہے، ساس بھی کہین گئی ہی، گائے بھینس کا باندھنا مجھ پر کس قدر شاق ہی، اور اندھیری رات مین مجھکو سخت ڈر معلوم ہوتا ہی، لیکن ان باتون کا اصلی مخاطب درحقیقت عاشق ہی، اردو فارسی مین اس کی مثالین نہایت کثرت سے ملسکتی ہین، لیکن مصنف نے جو مثال دی ہے، اس سے ہندوستان کی قدیم طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہی،

ات سیوکت النکار، اس کی چار قسمین ہین یعنی

نگرجاد ہوسان، یعنی مشبہ بہ کو ذکر کرکے مشبہ مراد لیتے ہین، مثلاً یہ کہ چاند، سانپ، ہرن، چیتا، میرا دل اوڑا لے گئے، رخسار، زلف، آنکھ، کمر کو چاند، سانپ ہرن اور چیتے سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن اس جگہ خود ان چیزون کو بول کر رخسار وغیرہ مراد لیا ہی،

برگتیا اتشا بھان، اس مین تشبیہ کا شائبہ بھی باقی نہین رہتا، اور نہ مشبہ و مشبہ بہ کا ذکر ہوتا، بلکہ مشبہ کی نفی کرکے اسکو عین مشبہ بہ فرض کر لیتے ہین، مثلاً کہتے ہین، کہ اب تم وہ نہین رہے، بلکہ دوسری چیز ہو گئے،

کارن کالج پرتجی، اس صنعت مین مسبب سبب سے پہلے واقع ہوتا ہی، شلاً جرم مواخذہ کا سبب ہی لیکن یون کہتے ہین اس شہر مین عجیب رسم ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے مواخذ کرتے ہین،

جدیارتہ، اس مین مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح دیتے ہین، شلاً چاند سے معشوق کو تشبیہ دیتے ہین؛ لیکن اگر یون کہین کہ چاند معشوق کے برابر اس وقت ہو سکتا ہی، کہ اس کے یاقوت کے مثل لب، موتی کی طرح دانت، سانپ کی طرح زلف اور ہرن جیسی آنکھین ہون،

عربی و فارسی مین ایسی مثالین کثرت سے ہین،

اچھیر حیتھکا النکار، یعنی صنعت سوال وجواب، فارسی مین یہ صنعت بہایت کثرت سے مستعمل ہے، لیکن بھاشا مین یہ جدت ہی کہ مسلسل سوالات کیے جاتے ہین، اس کے بعد صرف ایک ایسا مفرد لفظ بولتے ہین، جو کل سوالون کا جواب ہوتا ہی، شلاً ان سوالات کے جواب مین کہ "زمین و زمان کی روشنی، بینائی، انسان کی معاش کا سبب کیا ہی؟" صرف عین کا لفظ کافی ہوگا کیونکہ عین آفتاب، آنکھ، سونا کو کہتے ہین، اور وہ ان سوالات پر حاوی ہی،

بھرمان النکار، مغالطہ مین پڑنا، شلاً یہ کہ میرا دل معشوق کے تل کو دانہ سمجھکر اسکی زلف کے جال مین جا پھنسا۔ ایک ہندی شاعر نے اس مضمون کو عجیب لطیف پیرایے مین ادا کیا ہے، وہ کہتا ہی کہ ایک بھونرا طوطے کی چونچ کو ڈھاک کا پھول سمجھ کر رس چوسنے کے لیے اس پر جا بیٹھا، طوطے نے اس کو جامن کا پھل سمجھا اور نگل گیا،

ان صنائع مین سے ہم نے بہت سے چھوڑ دیئے جس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو ان مین سے بہت سے فارسی اور عربی مین بہ کثرت مستعمل ہین، دوسرے سنسکرت الفاظ کا تلفظ ہم سے صحیح ادا نہین ہوتا،

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ہمارے انشاپردازون نے سنسکرت اور برج بھاشا کے علم ادب کے نکتہ نکتہ کو سمجھا، اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا لیکن اسکے فیض سے وہی محروم رہگیا، جو سب سے زیادہ حقدار تھا، یہ ظاہر ہے کہ اردو بھاشا سے نکلی اور اس کے دامن مین پلی لیکن بھاشا سے جو سرمایہ اسکو ملا، صرف الفاظ تھے، مضامین اور خیالات سے اسکا دامن خالی رہا، بخلاف اس کے عربی زبان جسکو بھاشا سے کسی قسم کا تعارف نہ تھا، وہ سنسکرت اور بھاشا دونون سے مستفید ہوئی (تفصیل اسکی آگے آئیگی)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آج سے ۵۰ برس پہلے مسلمان، اردو کو کوئی علمی زبان نہین سمجھتے تھے، خط کتابت تک فارسی مین تھی، اردو شعرا جسقدر گذرے ان مین سے ایک بھی عربی کا فاضل نہ تھا، یا یون کہو کہ کوئی عالم اردو کو اس قابل نہین سمجھتا تھا کہ اسمین انشاپردازی یا شاعری کا کمال دکھائے، علمی زبان اس وقت صرف عربی تھی، اس لئے جہان سے جو سرمایہ ملتا تھا اسی کے خزانہ مین جمع کیا جاتا تھا، بہر حال ہندی شاعری کے مضامین، عربی زبان مین بعینہ نقل ہوئے، یعنی علمائے ادب نے سنسکرت اور بھاشا کی نظمون کا بعینہ عربی مین ترجمہ کیا، ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین، یہ مثالین سبحۃ المرجان سے لی گئی ہین، مولوی غلام علی آزاد نے ہر جگہ تصریح کر دی ہے کہ وہ ہندی سے ترجمہ کی گئی ہین،

لقد نحلت فی یوم راح حبیبها الی ان هوی عن ساعدیها سوارها
ولما اتاها مخبر عن قدومه علی ساعد الملآن ضاق سوارها

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندی مین عاشق، عورت ہے، اور مرد معشوق ہے)

یعنی جس دن معشوق نے سفر کیا، مین اس قدر دبلی ہوگئی کہ ہاتھ کے کڑے ڈھیلے ہوکر گر پڑے لیکن جس دن قاصد نے آکر معشوق کے آنے کی خبر دی، اور مین نے کڑون کو پہننا چاہا

تواب وہ تنگ ہو گئے اور چڑھتے نہ تھے،

مالاح فی شفتیک کحل راق | انی ابینہ بحسن بیان
ختمت علی شفتیک ذات تدللٍ | کیلا تکلمنی علی الاحیان

واقعہ یہ ہے کہ شوہر کسی اور محبوبہ سے مل کر آیا ہے، اور چونکہ اس نے اس کی سرمگین آنکھوں کو چوما تھا، اس لئے اس کے ہونٹون پر سیاہی لگ گئی ہے، اب عورت شوہر سے کہنے آئی ہے کہ تیرے ہونٹون پر جو سیاہی ہے مین بتاؤن کیون ہے، اور کہان سے آئی ہے؟ کسی کافر ادا نے تیرے ہونٹون پر مہر کر دی ہے، کہ تو کبھی مجھ سے بات نہ کرے،

رات المہاۃ العامریۃ صدرہ | بالظفر مکلوما فقالت مرحبا
ھذا الھلال تبتغیہ طبیعتی | روحی فداءک لا العبا

ایک بھولی کمسن عورت نے اپنے شوہر کے سینہ پر ناخن کا خراش دیکھا جو ناخن کے مشابہ تھا، بھولے پن سے شوہر سے کہتی ہے کہ یہ تو نئی رات کا چاند ہے، مجھکو بہت پیارا معلوم ہوتا ہے، مجھکو دیدو، مین اس سے کھیلون گی،

بات المحب مع الحسناء بارحۃ | حتی بدی حاجب من اعظم الشہب
وزار ہ وجنۃ فی الصبح فانقبضت | لما رات طی فیہ النجم کالسکب
قالت فتاۃ لہا فی العین منعکس | یاقوت سمط التقی عن لہب
تبسمت من سماع القول دامعۃ | فضل الجمال علی ضوء سن الشنب
فصلر یغضب للصہباء کیف غدت | تملی رضابک واذورت عن الادب
قالت لہ لا تکن غضبات مرحمۃ | فہمت طرفک حمرعن الغضب

شوخیِ ادا، عارفانہ تجاہل اور نزاکتِ خیال کی اس سے بہتر مثال نہین مل سکتی، ادھر

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ بھاشا کی شاعری کس قدر لطیف اور نازک ہی،

صورتِ حال یہ ہے کہ شوہر رات بھر کا جاگا ہوا کہین سے آیا ہی، اور اسکی آنکھین سرخ ہین، عورت کو بدگمانی ہوتی ہی کہ کسی محبوبہ کے ہان رات گذاری ہے، اس لئے آنکھین سرخ ہین، ایک سہیلی بدگمانی کو مٹانا چاہتی ہی، اور کہتی ہی کہ نہین، یہ تمھارے ہونٹون کی سرخی کا عکس ہے، عورت شرما کر آنچل کا گوشہ منہ پر رکھ لیتی ہے (اس سے اصل مین یہ غرض ہی کہ اگر ہونٹون کی سرخی تھی تو وہ آنچل مین چھپ گئی، اب کیون سرخی نظر آتی ہی) شوہر غصہ کی صورت بنا کر کہتا ہے کہ شراب کو کیا حق ہی جو تیرے آبِ دہن کا مقابلہ کرے، عورت کہتی ہی، آپ غصہ نہ ہون، مین سمجھی آپ کی آنکھین غصہ کی وجہ سے سرخ ہین،

اردو زبان مین، اگر اس لطافت کی کوئی نظیر ہے، تو یہ شعر ہے،

نہ مین سمجھا نہ آپ آئے کہین سے　　پسینہ پونچھئے اپنی جبین سے

جس زمانہ مین مولوی غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ آباد دکن مین تھے، ان کے ماموں مولانا طفیل احمد نے بلگرام سے ایک ہندی نظم عربی مین ترجمہ کرنے کے لئے بھیجی آزاد نے حسبِ ذیل اسکا ترجمہ کیا (سبحۃ المرجان صفحہ ۲۵۰)

زارت سعاد بلا وعد فقلت لها　　یا مرحبا بک من القاک فی التعب

قالت لقد جاءنی غیم وکلفنی　　انی اجوب الیک الارض بالهرب.

فقلت کیف طویت الارض ماشیة　　وقت الدجی وسکوب الدمع من سحب

قالت هدانی شعاع البرق محمرة　　فمثله سرت فی القیعات والکثب

فقلت سیرک فی جنح الدجی غلط　　بلا رفیق شریک فی خطی الطلب

قالت خیالک طول السیر کان معی　　فی حالة عن تجاه العین لم یغب

یعنی معشوقہ میرے پاس اچانک آئی، مین نے کہا خیر ہے؟ اس وقت کیونکر تکلیف کی، بولی کہ بادل آگئے، انھون نے مجھکو آمادہ کیا کہ تیرے پاس آؤن۔ مین نے کہا رات اور بادل کی تاریکی مین راستہ کیونکر نظر پڑا، بولی کہ بجلی نے رہنما ساتھ کر دیا تھا، مین نے کہا لیکن رات کو اکیلے سفر کرنا کسی طرح مناسب نہین، بولی کہ مین تنہا نہین آئی، تیرا خیال برابر میرے ساتھ رہا، اور ساتھ آیا،

واقعاتِ مذکورۂ بالا کو پڑھکر ایک دفعہ اور ہمارے ہندو دوست کے وہ الفاظ یاد کرو کہ "مسلمانون نے کبھی ہندوستان کے لٹریچر سے فائدہ نہین اٹھایا" ہم وہ لوگ ہین کہ؎

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت　　　دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

(الندوہ، فروری ۱۹۱۱ء)

مولانا شبلیؒ کے مجموعۂ مضامین کی پہلی جلد

فہرستِ مضامین

لکھائی چھپائی اعلےٰ، قیمت:- عہ — منیجر

(طابع وناشر محمد ادریس وارثی)

صحفا مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ

سلسلۂ دار المصنفین

(۴۰)

مقالاتِ شبلی

(تعلیمی)

جلد سوم

مولٰنا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام تعلیمی مضامین کا مجموعہ جنکو مختلف رسالوں سے یکجا کیا گیا ہے۔

باہتمام مسعود علی ندوی

سنہ ۱۳۵۱ھ در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد سنہ ۱۹۳۲ء

فہرستِ مضامین

مقالاتِ شبلی جلد سوم (تعلیمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

"مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" میرے مضمون کا عنوان ہی، یہ ایک ایسا وسیع مضمون ہی کہ اگر اسکے ذیل مین مسلمانون کے تمام علمی کارنامے بیان کئے جائین تو شاید ناموزون نہ ہو، لیکن مین نے اپنے مضمون کے لئے ان مین سے صرف دو بحثین انتخاب کی ہین (۱) مسلمانون نے علوم و فنون کس طرح حاصل کئے، (۲) دنیا کی تمام قومون کو ان علوم کی کیونکر تعلیم دی، غالباً تعلیم کے خاص لفظ سے جو اس مضمون کا اصلی عنوان ہی، یہی دو بحثین قوی تعلق رکھتی ہین،

مسلمانون نے جن علوم کی اشاعت کی ان مین سے کچھ انکے ذاتی علوم ہین جو خود انھون نے ایجاد کئے، یا خاص طرح پر انکو ترتیب دیا، کچھ ایسے ہین جو دوسری قومون سے حاصل کئے اور پھر ایسی ترقی دی کہ گویا انھین کے ایجادات سے ہین، میرا مضمون گو ان دونون قسم کے علوم سے تعلق رکھتا ہی لیکن علوم کی ذاتی حیثیت سے نہین، بلکہ انکی طرز تعلیم کے اعتبار سے،

مین افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ ان دو بحثون کی تفصیل کیلئے جس قسم کے ضروری حالات درکار ہین یعنی فلسفۂ یونانی وغیرہ کے ترجمے، مترجمون اور تصنیفات کے نام

اسلامی دار العلوم اور مدرسون کی تفصیل طریقۂ درس نصاب تعلیم غرض اس قسم کے حالات مجھ کو کسی مستقل تصنیف مین نہین ملے، اور شاید لکھے بھی نہین گئے، کشف الظنون[1] جیسی بڑی فہرست مین صرف ایک کتاب کا نام ملتا ہی لیکن غالبًا خود کشف الظنون کے مصنف کو بھی اسکا دیکھنا نصیب نہین ہوا چند اجمالی حالات جو گبن کی رومن امپائر و ہسٹری آف فلاسفی مصنفہ ہنری لوئیس و واقوام المسالک و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا و برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا وغیرہ مین ملتے ہین، وہ اس غرض کیلیے بے شبہہ مفید ہین، کہ جب مسلمانونکی پچھلی ترقی کے عام ذکر مین کسی پرجوش خطیب کی زبان سے ادا ہون تو تمام دلون کو ہلا دین لیکن ان سے ایک مفصل تاریخی آرٹیکل کیونکر مرتب ہو سکتا ہی، مین نے مختلف تاریخون اور دوسری قسم کی تصنیفون کے جستہ جستہ مقامات سے کچھ حالات بہم پہنچائے ہین، اور غالبًا یہ پہلی تحریر ہی جسمین اس قدر واقعات جمع کیے گئے ہین اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے مین ایک اجمالی نظر پر مسلمانون کے خاص علوم انکی ابتدائی تاریخ اور سبب ایجاد کا تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہون"

اسلام سے پہلے گو عرب کی قومین رسمی علوم و فنون سے بالکل بے بہرہ تھین، تاہم ان خانہ بدوش صحرائیون مین علمی مذاق کی جان پائی جاتی تھی نظم و نثر انکا مایۂ خمیر تھا لیکن وہ طوطی و بلبل کیطرح محض نیچرل فصیح اللسان نہ تھے بلکہ فصاحت و بلاغت کے دقیق نکتون تک انکی نگاہ پہنچتی تھی، بازار عکاظ کے پرجوش مشاعرے اور انکے باہمی مباحثے اور نکتہ چینیان بتاتی ہین کہ جو کچھ وہ کہتے تھے جانتے تھے کہ کیا کہتے ہین اور کیا کہنا چاہیے، امرء القیس اور علقمۃ الفحل کی شاعرانہ نزاع کا ایک عام عورت نے جس خوبی سے فیصلہ کیا آج فن انشا کے بڑے ماہر بھی اس سے عمدہ ریمارک نہین کر سکتے اسکے سوا نسب کے فخر اور رشتہ و قرابت کی پابندیون کی وجہ سے اہل عرب

---

[1] یہ ایک نہایت ضخیم کتاب کئی جلدون مین ہے، جسمین قریبًا پچاس ہزار اسلامی تصنیفون کے نام اور ان کے حالات ہین، چھ ضخیم جلدون مین بمقام لندن ۱۸۳۵ء مین چھاپی گئی ہی،

اگلے کارنامون کو ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے،

اسلام نے آکر مذہب و معاشرت کیساتھ انکی علمی زندگی بھی بالکل بدل دی، قرآن مجید کی پر تاثیر آیتون نے شعراء اور خطیبون کی زبانین بند کردین، اور چونکہ دوستانہ یا مخالفانہ سرگرمی نے تمام عرب کی دماغی قوتون کا رخ اسلام کیطرف پھیر دیا تھا، پچھلے قصے تھوڑے دنون کے لئے بھلا دئے گئے اور علم الانساب و ایام العرب کا زور بھی گھٹ گیا، لیکن اسلام نے جس قدر چھینا اس سے بہت زیادہ عطا کیا، قرآن کی برابری کرنے کے حوصلے بہت جلد پست ہو گئے، اب شعراء اور خطیبون کے لئے قرآن خود رہنما بنا، اور فصاحت و بلاغت کے متعلق بہت سے نئے اصول سکھا دیئے، زبان نہایت شستہ اور صاف ہو گئی اور اونٹ بکری کے قصون کے علاوہ شعرا کو اخلاق اور تربیت کے بہت سے مضامین ہاتھ آگئے، یہی وجہ ہے کہ حسان، حطیئہ، ذوالرمہ، جریر، فرزدق، احوص کے کلام مین جو ملاحت اور برجستگی ہے شعرائے جاہلیت کے رجز و قصائد مین اسکا سراغ نہین ملتا،[۱]

قرآن نے عرب کے فن انشاء پر کیا اثر پیدا کیا،

تمام مذہبی علوم گویا اسلام کیساتھ پیدا ہوئے، زمانہ مابعد مین گو وہ کسی حد تک پہنچ گئے ہون، لیکن کچھ شبہہ نہین کہ انکے ابتدائی اصول تمامتر قرآن پاک سے ماخوذ ہین، اس کے اوامر و نواہی نے فقہ کی طرف رہبری کی، آیت توریث نے فرائض کا ایک مستقل فن قائم کیا، انبیائے سابقین کے حالات سے قصص کی ترتیب ہوئی، اعتقادات اور معاد کے متعلق آیتون سے علم کلام استنباط کیا گیا، اور گو ایک مدت تک کسی قسم کی تدوین و ترتیب نہین ہوئی، لیکن پیغمبر صلعم کی وفات کے بعد ہی ان علوم کی ابتدائی بنیاد قائم ہو گئی، اور دوسری صدی کے آغاز تک ہزارون مسائل کا رواج ہو چکا تھا،

فقہ، فرائض، قصص، علم کلام

قرآن مجید مین فرائض اور اعمال کا بیان اجمالی طریقے پر تھا، طریق عمل کی خصوصیتین

---

[۱] دیکھو تاریخ ابن خلدون کا زمانہ فصل ۴۹ از فصل ۶ ۔ ۱۲،

آنحضرت صلعم کے طریقِ عمل پر منحصر تھین، اس ضرورت سے آنحضرت صلعم کے اقوال وافعال کے متعلق روایتون کے جمع کرنے کی طرف خیال مائل ہوا، اور رفتہ رفتہ **علم الحدیث واسماء الرجال وعلم الدرایہ** پیدا ہو گئے، ان تحقیقات مین گو کسی قدر نکتہ چینی کیجائے، مگر عموماً ہر منصف یہ فیصلہ کریگا کہ جس بے انتہا کوشش اور تفتیش سے مسلمانون نے پیغمبر صلعم کے اقوال وافعال محفوظ رکھے، دنیا کی کسی قوم مین اسکی نظیر نہین مل سکتی اور یہ کہ انسانی سعی اور جستجو کی یہ آخری سرحد ہے جہانتک مسلمان پہنچ گئے تھے، (اسماء الرجال، درایہ)

(علم نحو) علم نحو اگرچہ کوئی مذہبی فن نہ تھا لیکن مذہبی ہی ضرورت سے اسکی تدوین کیطرف خیال مائل ہوا، اسلام دور و دراز ملکون مین پھیلتا جاتا تھا اور سینکڑون نئی قومین اسمین شامل ہوتی جاتی تھین، دوسری زبانون کے الفاظ عربی زبان مین بہت جلد جگہ پا گئے تھے جس سے احتمال تھا کہ مشتقات اور اصولِ اعراب مین بھی فرق آجائے، اس قسم کے تصرفات سے جو صدمہ زبان پر پڑتا اسکا بہت بڑا اثر قرآن اور حدیث پر ہوتا، چند واقعات نے اس احتمال کو قوی کر دیا، اور بالآخر ابوالاسود دوئلی المتوفی سنہ ۶۹ھ جس نے خود اس قسم کے تجربے حاصل کئے تھے، مسائلِ نحو کی تدوین کیطرف مائل ہوا، اس نے چند قاعدے منضبط کئے جو رفتہ رفتہ وسعت حاصل کرتے گئے، ہارون رشید کے زمانہ مین خلیل بن احمد بصری المتوفی سنہ ۱۷۰ھ وسیبویہ وکسائی وغیرہ کی توجہ سے وہ ایک مستقل فن بنگیا جسکو متاخرین نے بھی بہت کچھ ترقی دی،

غرض مذہب کے متعلق جس قدر ضروری اور مہتم بالشان علوم تھے گویا مذہب کیساتھ پیدا ہوئے، اور مسجدون کے صحن یا عام مجلسون مین اُن کے مسائل رواج پانے لگے، خود صحابہ کے عہد مین ایسے متعدد اشخاص[1] موجود تھے جو کثرتِ معلومات کیساتھ طرزِ استدلال، طریقِ استنباط، تخریجِ احکام مین اجتہاد کا حق رکھتے تھے، اور زمانہ مابعد مین جب صحابہ کے حالات زندگی قلمبند

[1] ابن حزم نے انکی تعداد بیس تک خیال کی ہی، دیکھو فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳۸۰

عہد صحابہؓ کے علم

ہوئے تو وہ مجتہدین کے لقب سے پکارے گئے، کچھ لوگ ایسے تھے جو حدیثون کے یاد رکھنے مین مشہور تھے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۳۶۴، ابن عمرؓ سے ۱۶۳۰، انسؓ سے ۲۲۸۶، ابن عباسؓ سے ۱۶۶۰، جابرؓ سے ۱۵۴۰ حدیثین مروی ہین[۱]، چودہ صحابی مفسر تھے جو قرآن پاک کی فقہی اور تاریخی آیتون کے متعلق نہایت کافی معلومات رکھتے تھے، باوجودیکہ ایک مدت تک قدیم یونانیون کیطرح تعلیم و تعلم جو کچھ تھا زبانی تھا، تاہم سیکڑون ہزارون اشخاص ان مسائل کے سیکھنے سکھانے مین مصروف تھے، اور تمام ممالک اسلامیہ مین حدیثین اور فقہ کے مسائل اسی تیزی سے رواج پا رہے تھے جسطرح خود اسلام عالمگیر ہو رہا تھا، عرب کی بلند حوصلگی اور عظمت کے لئے حجاز و یمن کی وسعت کافی نہ تھی، اسلئے ہزارون صحابہ سرزمین عرب سے نکلکر تمام نئے فتح کئے ہوئے ملکون مین پھیل گئے اور بعضون نے وہین مستقل سکونت اختیار کرلی، اس طرح شام مین دس ہزار، کوفہ مین ایکہزار، حمص مین پانسو، مصر مین کم و بیش تین سو[۳] صحابہ موجود تھے[۲]، یہ لوگ جہان گئے حدیثون اور عام مذہبی مسائل کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، جو انکی عظمت و قبول کا بہت بڑا قوی سبب ہوتا تھا، چنانچہ صرف اُن صحابہ کی تعداد جن سے لوگون نے حدیثین سیکھین یا روایت کی کم از کم ڈیڑھ ہزار بیان کی گئی ہی،

ایک مدت تک کچھ اس تقلیدی خیال سے کہ آنحضرت صلعم نے حدیثون کے قلمبند کرنے کی طرف خود توجہ نہین فرمائی، اور کچھ اس وجہ سے کہ اہل عرب کو اپنے حافظہ کے بھروسے پر تدوین اور تصنیف کی چندان پروا بھی نہ تھی، کاغذ اور قلم سے کام نہین لیا گیا، مگر جسقدر زمانہ کو امتداد ہوتا جاتا تھا، ان روایتون کے دفتر تیار ہوتے جاتے تھے، جنکو زبانی محفوظ رکھنا، انسانی قوت کا کام نہ تھا، غرض سنہ ۱۴۳ھ مین تالیف و تدوین شروع ہو گئی، ابن جریح نے مکہ مین، امام مالک نے مدینہ مین،

---

[۱] دیکھو فتح المغیث صفحہ ۳۰۱، [۲] ایضاً صفحہ ۳۰۲ [۳] مصر کے صحابہ کے نام و نسب اور ان کی تعداد سیوطی نے ایک مستقل رسالے مین لکھی ہی، جس کا نام دُرّ السحابہ ہے، دیکھو حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و قاہرۃ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ صفحہ ۹۹،

اوزاعی نے شام مین، ابن ابی عروبہ اور حماد نے بصرہ مین معمر نے یمن مین، سفیان ثوری نے کوفہ مین حدیث اور تفسیر کی کتابین لکھین، امام ابوحنیفہ نے دلائل کیساتھ **فقہ** کو ترتیب دیا ابن اسحٰق نے **مغازی وسیر** کی تدوین کی[1]، یہان تک کہ جب فضل بن یحییٰ برمکی کے اہتمام اور توجہ سے **کاغذ** بنانے کا **کارخانہ** جاری ہوگیا[2] تو یہ علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے، جس کثرت کے ساتھ مذہبی تصنیفین ہوئین اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ صرف تفسیر کے متعلق سنو سے زیادہ ایسے مضامین پیدا ہوگئے، جنکو الگ الگ علم کا لقب دیا گیا اور ہر ایک پر متعدد اور بعض پر سیکڑون بلکہ ہزارون کتابین لکھی گئین،[3]

اس زمانہ مین اور دو علم مذہبی ضرورت سے ایجاد ہوئے، علم البیان و کلام، اسلام کا جو بڑا معجزہ اور جو ہمیشہ استعمال کیا جاسکتا ہی **قرآن** تھا، اسکے معجزہ ہونے کا دعویٰ جب اہل عرب کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، تو کسی دلیل لانے کی ضرورت نہین پڑتی تھی، کفار عرب گو انکار کرنا چاہتے تھے مگر انکا مذاقِ زباندانی اس دعوی کے تسلیم کرنے پر انکو مجبور کرتا تھا، وہ منہ سے انکار کرتے تھے مگر قرآن پڑھے جانے کے وقت انکی بے اختیاری حالت، بے قصد تحسین، بے تابانہ تاثر انکے اظہار کے خلاف شہادت دیتے تھے، لیکن اس طرح پر یہ دعویٰ صرف عرب کے سامنے چل سکتا تھا، اہل عجم اولاً تو زبان عربی سے ناواقف، اور واقف بھی ہون تو عرب کا سا قدرتی ذوق کہان سے لائین، اسلئے ضرورت پڑی کہ فصاحت اور بلاغت کے اصول مرتب کئے جائین تاکہ دوسری قومین اگر مذاق سے نہین تو علمی طور پر اس دعوی کے تسلیم کرنے پر مجبور ہون، اول اول جعفر برمکی وزیر ہارون الرشید اور جاحظ نے کچھ قاعدے لکھے[4]، پھر متاخرین نے کلام کے ہر ایک حصہ کے متعلق مسائل استنباط کئے اور علامہ سکاکی

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی، خلافت منصور واقعات ۱۴۳ھ، [2] مقدمہ ابن خلدون فصل ۱۲ از فصل ۲،

[3] اتقان فی علوم القرآن مین مختصراً ان علوم اور ان کے متعلق تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہی،

[4] مقدمہ ابن خلدون ذکر علم بیان،

کی مفتاح پر اس فن کا خاتمہ ہو گیا، علم البیان یونانیون کے ہان بھی تھا، لیکن ہمکو معلوم ہی کہ انکے خیالات سے مسلمانون کو بہت کم آگہی ہوئی بلکہ بالکل نہین ہوئی، تاہم ہم یقین کرتے ہین کہ اگر یونانی زندہ ہوتے تو ہمارے علما کی دقتِ نظر اور قوتِ استنباط کی داد دیتے، علم کلام[1] اس وقت پیدا ہوا، جب یونانی علوم کے شائع ہونے سے مذہب اسلام فلسفہ سے ٹکرا گیا، اور عام ظاہر بین آنکھین مذہبی اعتقادات کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھنے لگین، لیکن محققین اسلام کو پورا بھروسا تھا کہ "سچ کو کوئی چیز صدمہ نہین پہنچا سکتی" انھون نے غلط خیالات اور انسانی رایون کو جو مذہب مین داخل ہو گئی تھین چھانٹکر الگ کر دیا، اور پر زور منطقی دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ فلسفۂ یونانی جس قدر کہ اسلام کے اصلی مسائل سے مختلف ہی، خود غلط اور باطل ہی، امام غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ اس فن مین پہلی تصنیف ہی جسکا تتبع امام رازی وغیرہ نے کیا، اور اس ترقی کو پہنچا یا کہ تہافۃ تقویم پارینہ کے برابر ہو گئی،

علم کلام

اسلام اگرچہ فلسفہ سکھانے نہین آیا تھا، تاہم ذات باری کے متعلق اس نے جو کچھ بتایا وہ فلسفہ کے بڑے حصے یعنی الٰہیات کی جان ہی، گبن صاحب لکھتے ہین:۔

الٰہیات اور قرآن

"محمدؐ کا مذہب شبہ اور ابہام سے آزاد ہی، اور قرآن وحدانیت کا عمدہ ثبوت ہی خدائے تعالیٰ کے باب مین آپ کا عقلی جوش مذہبی یہ تسلیم کرتا ہی کہ قابلِ عبادت ایک ذات غیر محدود اور قدیم بدون کسی صورت اور مکان اور بدون اولاد ومشابہت کے ہی، جو ہمارے نہایت پوشیدہ خیالات مین حاضر ہے، اور خاص اپنی قوت کی ضرورت سے موجود ہی، مسلمانون کے ہر دلعزیز مذہب مین حکیم موحد شریک ہو سکتا ہی، اور یہ دین زمانہ حال کے ادراکات سے شاید بہت عالی ہے، کیونکہ جب ہم ماہیت غیر محسوس سے تمام خیالات زمان اور مکان وحرکت ومادہ وحس وتامل کو علحدہ کر دین، تو کون چیز تصور اور فہم کے لئے باقی رہیگی"،

[1] یہ اُس علم کلام کے علاوہ ہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا،

مسلمانون کے مذہبی علوم کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہی، انکے سوا مسلمانون نے جن علوم و فنون پر کتابین لکھین انکی تعداد تقریباً دو سو ہی، کشف الظنون اور مدینۃ العلوم مین انکا بیان مع تصنیفات کی تفصیل کے مل سکتا ہی، مگر مجھکو یہ بھولنا نہ چاہئے کہ میرے مضمون کا عنوان مسلمانون کی گذشتہ تعلیم ہی، نہ گذشتہ علوم" مذہبی علوم جس طرز سے تعلیم دیئے جاتے تھے انکا تفصیلی بیان آگے آئیگا، مسلمانون نے جو کچھ دوسری قومون سے سیکھا وہ منطق، الٰہی[۱]، ہندسہ، طبعی و ہیئت تھے حساب و طب مین بھی انھون نے زیادہ تر دوسری قومون کی شاگردی کی، اس بات کی بہت کم مثالین ہین کہ مسلمان عالمون نے خود یونانی و سریانی زبانون کی تحصیل کی ہو اور اصل کتابون سے یہ علوم سیکھے ہون، بے شبہہ خلفاء کے دربارون مین مترجمون کا ایک گروہ موجود تھا، مگر ہنری لوئیس صاحب کے چھپتے ہوئے اعتراض کا کچھ جواب نہین ہی کہ ان مین اکثر عیسائی تھے حنین، حبیش، متی، یوحنا، اسحٰق، یعقوب کندی وغیرہ جو بہت بڑے مترجم مشہور ہین سب عیسائی تھے، حکماے اسلام مین صرف فارابی ایک ایسا شخص ہی جو ان زبانون کا پورا ماہر تھا، اور اس نے خود ایک عیسائی عالم یوحنا بن خیلان سے یہ علوم اور زبانین سیکھی تھین، ارسطو کی کتابون کی شرح اور توضیح مین بوعلی سینا اور ابن رشد بہت زیادہ نامور ہین، اور یورپ نے بھی اسکا اعتراف کیا ہی، تاہم مجھکو شبہہ ہے کہ ان دونون مین سے ایک کو بھی یونانی یا سریانی زبان آتی ہو،

ترجمے مختلف عہدون کی کوششین ترجمون کی صحت و غلطی عام راے

عام مورخین کا بیان ہی کہ اول جس نے ترجمون کی بنیاد ڈالی، وہ دولت عباسیہ کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور تھا، لیکن میرا خیال یہ ہی کہ منصور کے حق مین مورخین کی یہ ایک بیجا فیاضی

[۱] خاص فلسفیون کی الٰہی مراد ہی، ورنہ مسلمانون نے الٰہی کے عمدہ مسائل خود قرآن مجید سے حاصل کئے تھے،

ہے، ہمکو دولت بنی امیہ مین بھی فلسفہ کا پتہ ملتا ہے، اور اس کو تو اور زیادہ مدت گذری کہ عرب پر فلسفہ کا پر تو پڑنا شروع ہو چکا تھا، امیر معاویہ کے دربار مین ابن آثال نامی ایک عیسائی طبیب تھا، جس نے یونانی زبان کی بعض کتابین عربی مین ترجمہ کین[1]، اور ان کا پوتا خالد بن یزید المتوفی ۸۵ھ تو درحقیقت حکیم بنی امیہ کے لقب کا مستحق تھا، اُس نے مریانس نام ایک رومی راہب سے کیمیا اور طب پڑھی تھی، اس نے یونانی زبان دانون کو جمع کیا اور ترجمے کی خدمت دی،

اُس کے عہد کا مشہور مترجم اصطفن تھا جس نے چند اور مترجمون کی اعانت سے صنعت وغیرہ کی کتابین ترجمہ کین، جس اولیت کا تمغہ مورخون نے منصور کے لئے تجویز کیا ہے، انصاف یہ ہے کہ اس کا مستحق خالد[2] تھا، مروان بن الحکم کے زمانے مین ماسرجویہ ایک یہودی عالم نے جس کی مادری زبان سُریانی تھی ہارون قس کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی زبان مین کیا، عبدالملک کے بعد غالباً فلسفہ پر کچھ توجہ نہین ہوئی، یہان تک کہ ۱۳۱ھ مین زمانے نے بنوامیہ کی حکومت کا ورق اُلٹ دیا،

منصور عباسی کا عہد

۱۳۷ھ مین جب منصور عباسی بغداد کے تخت پر بیٹھا تو ترجمہ و تصنیفات پر حوصلہ شاہانہ سے توجہ کی، قیصر روم کو خط لکھکر فلسفہ کی کتابین منگوائین، اور چونکہ اس وقت تک دارالخلافہ مین ان زبانون کے جاننے والے موجود نہ تھے یہ بھی فرمایش کی کہ جو کتابین آئین وہین سے عربی مین ترجمہ ہو کر آئین، چنانچہ اقلیدس اور کچھ طبعیات کی کتابین مع ترجمہ کے بغداد مین پہنچین، علمائے اسلام ان کو پڑھکر اور بھی مشتاق ہوئے[3]، منصور کا شوق علمی دیکھ کر دور دور سے مترجمین اور حکما اس کے دربار مین آنا شروع ہوئے، جرجیورس، فرات بن سحناتا، عیسیٰ، بطریق (یہ سب عیسائی عالم تھے)

---

[1] دیکھو نامۂ دانشوران ناصری مطبوعہ ایران حالات ابن آثال، [2] دیکھو ابن خلکان، حالات خالد، اور کشف الظنون جلد سوم صفحہ ۹۶، علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ مین خالد کے علم و فضل و واقفیت فلسفہ سے متعجبانہ انکار کیا ہے، مگر ابن خلدون کے خلاف بہت سی معتمد شہادتین موجود ہین، [3] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۱۹، مطبوعہ بیروت،

نوبخت منجم، ابو سہل مجوسی تھے، ابن المقفع اس کے دربار کے مشہور مترجم اور حکیم تھے[1]، بطریق نے یونانی اور اور ابن المقفع نے فارسی زبان سے ترجمہ کیے ۱۵۶ھ مین ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان ہندو عالم منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر دار الخلافہ مین داخل ہوا، اس نے ایک نہایت عمدہ زیچ جس کو اس نے ایک عمدہ اور جامع تصنیف سے جو ایک بادشاہ ہندوستان مسمی بہ بکیر کی طرف منسوب ہے، خلاصہ کیا تھا منصور کی خدمت مین پیش کی، محمد بن ابراہیم فزاری نے منصور کے حکم سے عربی زبان مین اس کا ترجمہ کیا اور اس سے ایک کتاب مرتب کی جو ریاضی دانون مین سند ہند کے نام سے مشہور رہی، مامون الرشید کے زمانے تک اعمال کواکب مین اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا،[2]

منصور کے نامور فرزند مہدی نے اگرچہ اس طرف کچھ توجہ نہین کی بلکہ ایک محکمۂ تحقیقاتِ زنادقہ قایم کرکے آزادی راے کو بالکل روک دیا، لیکن خاندانِ برامکہ نے جو اس کے عہد مین سلطنت کا ایک بڑا رکن تھا، اس باب مین بڑی ناموری حاصل کی، ان کے اہتمام سے یونانی اور فارسی کی بہت سی کتابین ترجمہ ہوئین، ابن نائمہ، سلام ابرش[3]، عبد اللہ اہوازی ان کے عہد کے نامور مترجم تھے، ہارون الرشید اعظم نے جس کے نام سے یورپ و ایشیا دونون واقف ہین پچھلی کوششون مین اور بہت کچھ اضافہ کر دیا، اس نے ترجمہ اور تصنیفات کا ایک بڑا محکمہ قایم کیا، جس مین ہر زبان کے بڑے بڑے ماہر تصنیف اور ترجمہ کے کام پر

ہارون الرشید کا عہد

---

[1] دیکھو مختصر الدول حالات حکماے عہد منصوریہ ایک مختصر اور مفید تاریخ ہے جو ابو الفرج ملطی ایک عیسائی عالم کی تصنیف ہے، اور عربی زبان مین ہے ڈاکٹر پوکاک پروفیسر آکسفورڈ کالج نے لیٹن مین اس کا ترجمہ کیا ہے، اصل کتاب مع ترجمہ لیٹن ۱۶۶۳ء مین بمقام لندن چھاپی گئی ہے، جہان کہین اس آرٹیکل مین مختصر الدول کا نام آئے اس سے یہی تاریخ مراد ہے، ابن البطریق و ابن المقفع کے لیے دیکھو کشف الظنون حرف حا ذکر حکمت، [2] یہ تفصیل مع حالات زائد جامع القصص الہند مین ہے، جو ہندوستان کے حالات مین چند رسالون کا ایک مجموعہ ہے، اور فرانس مین بمقام پیرس ۱۸۳۸ء مین چھپا ہے،

[3] ابن نائمہ اور سلام ابرش کا ذکر بحیثیت مترجمین برامکہ صاحب کشف الظنون نے حکمۃ کے ذکر مین کیا ہے آگے فہرست مین چند کتابون کے نام ملین گے، جو برامکہ کے لئے ترجمہ کی گئین،

مامور تھے[1]، یوحنا بن ماسویہ، ایک عیسائی عالم جس کی مادری زبان سریانی تھی، قدیم یونانی طب کی تصنیفات کے ترجمے کے لئے انتخاب کیا گیا، اس محکمہ سے جس کو بیت الحکمۃ کہتے تھے، نہ صرف یونانی بلکہ سنسکرت زبانون کے ترجمے ہمیشہ تیار ہوتے تھے اور اشاعت پاتے تھے، منکہ اور صالح دو ہندو حکیم اس کے دربار مین تھے جو ترجمون کے علاوہ صاحبِ تصانیف بھی تھے، شاناق ہندی کی کتاب السموم منکہ ہی نے فارسی مین ترجمہ کرائی تھی، چرک اور سشرت کی تصنیفات طبی جو عربی مین ترجمہ ہوئین، غالباً اسی عہد مین اور انھین ہندو حکیمون کے اہتمام مین ہوئین[2]،

مامون الرشید کا عہد

اب تک جو کچھ ہوا تھا گو بہت کچھ تھا، مگر مامون الرشید کے فیاضانہ حوصلون کے سامنے تمام پچھلی کوششین گمنامی کے پردے مین چھپ گئین، مورخین نے مامون کے اس جوشِ التفات کی ایک عجیب دلچسپ حکایت لکھی ہے، یعنی ایک رات اُس نے خواب مین دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے، مامون نے بڑھکر پوچھا آپ کون بزرگ ہین، تخت نشین نے کہا ارسطو، مامون پھڑک اُٹھا اور عرض کی اے حکیم، اچھی کیا چیز ہے، خیالی ارسطو نے جواب دیا کہ جسے عقل اچھا کہے، دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ میرے لئے کچھ نصیحتین ارشاد ہون، جواب ملا کہ "توحید، اور صحبت نیک" خواب کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہین، مگر اس واقعہ سے مامون کے شوق اور محویت کا ضرور اندازہ ہوتا ہے" غرض سبب جو کچھ ہو مامون نے قیصر روم کو نامہ لکھا کہ ارسطو کی کل تصانیف بہم پہنچائی جائین،

---

[1] ان ترجمون کا ذکر پامر صاحب کی تاریخ ہارون الرشید صفحہ ۲۴۲ و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد اول مطبوعہ لندن ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۴۷ اور کشف الظنون مین صراحۃً اور ضمناً ملے گا، [2] الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہندوستان حصہ مسلمانان مین لکھا ہے کہ منکہ و سالی دو ہندی طبیب ہارون الرشید کے دربار مین تھے، الفنسٹن صاحب نے صالح کو سالی پڑھا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے، شاناق کا اصلی نام شاید سنگھ ہو جو عربی خراد پر چڑھکر شاناق ہو گیا ہے، چرک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کئی سو برس پہلے ایک طبیب تھا، ۱۲

یہ وہ زمانہ تھا کہ خلفاء کے معمولی خطوط قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے قیصر تعمیل ارشاد کے لئے آمادہ ہوا، مگر روم کے اطراف مین فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان مین ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانہ سے مقفل ہے، اور جتنے تاجدار تخت نشین ہوتے گئے قفلون کی تعداد بڑھاتے گئے قسطنطین نے اس مکان مین اس غرض سے فلسفہ کی کتابین بند کرا دی تھین کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین مسیحی کو سخت صدمے اٹھانا پڑین گے، قیصر روم کے حکم سے یہ پر خطر خزانہ کھولا گیا، تاہم خیال ہوا کہ مسلمانون کے ساتھ اس قسم کی فیاضی مذہبًا ممنوع تو نہ ہو، لیکن ارکان دولت نے قیصر کی تسکین کر دی، کہ اچھا ہے، فلسفہ مسلمانون مین پہنچا تو ان کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا، غرض پانچ اونٹ لاد کر فلسفہ کی کتابین مامون کی خدمت مین روانہ کی گئین[۱]، مامون نے خود بھی حجاج بن المطر و ابن البطریق کو جو یونانی و سریانی زبان کے بڑے ماہر تھے، اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابین انتخاب کر کے لائین، بیت الحکمۃ کا منیجر اور افسر جس کا نام سلما تھا، وہ بھی ان دونون کے ساتھ گیا[۲]، مامون نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ جیسا کہ گبن[۳] صاحب لکھتے ہین، اس کے کارندون نے آرمینیہ، شام، مصر مین فنون یونانی کی کتابین جمع کین جس کا ترجمہ اس کے حکم سے نہایت حاذق مترجم نے زبان عربی مین کیا، اسی زمانہ مین قسطا بن لوقا بعلبکی ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا، اور فلسفہ کی بہت سی کتابین اپنے ساتھ لایا، مامون نے اس کی شہرت سے مطلع ہو کر بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ مین ترجمہ کے کام پر مقرر کیا[۴]، سہل بن ہرون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا فارسی کتابون کے ترجمہ کا اہتمام سپرد ہوا[۵]، سب سے بڑا

---

[۱] ناسخ التواریخ مولفہ لسان الملک سپہر جلد اول حالات ارسطو کے ذیل مین یہ پوری تفصیل مذکور ہے، ۱۲،
[۲] یہ پوری تفصیل کشف الظنون باب الحکمۃ مین ہے، [۳] گبن صاحب کی رومن امپائر حصہ لمسلمانان، باب عہ آغاز دولت عباسیہ
[۴] مختصر الدول، حالات یعقوب کندی
[۵] فوات الوفیات ترجمہ سہل بن ہرون،

نامور حکیم اور مختلف زبان کا ماہر اور مترجم یعقوب کندی تھا جو خاص تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر مامور تھا[1]، وہ ایک عیسائی امیر تھا اور اس کا باپ کوفہ کا گورنر رہ چکا تھا، فارسی، ہندی، یونانی زبان جانتا تھا، اور مامون کا نہایت معتمد اور مقرب تھا، غالباً مامون نے خود بھی یونانی زبان سیکھ لی تھی چیمبرس انسائکلوپیڈیا مین ہے[2] "مامون نے یونان کے بادشاہ کو پانچ ٹن سونا دینا اور صلح دائمی کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ حکیم لیو کو اجازت دیجائے کہ وہ کچھ دنون کے لئے اگر مامون کو فلسفہ سکھا جائے"

فلسفہ کے لئے اتنی قیمت صرف کرنے کی مثال بہت کم مل سکتی ہے"، شاکر منجم کے تینون بیٹے محمد و احمد و حسن نے بھی جو ہندسہ و نجوم و موسیقی مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، اور مامون کے خاص مقرب اور ندیم تھے، اس کام پر بہت توجہ کی، اپنے ذاتی شوق سے روم کے اطراف مین قاصد بھیجے، اور فلسفہ وغیرہ کی بہت سی کتابین منگوائین، دور دراز ملکون مین قاصد بھیجکر مترجم بلوائے اور ان کتابون کے ترجمون پر مامور کیا[3]، مامون کی نیت کا پھل تھا کہ ان نامور بھائیون کی کوشش بھی مامون کے کارنامہ مین لکھی گئی، اس عہد مین جن زبانون کے ترجمے ہوئے، وہ یونانی، فارسی، کالڈی، قبطی، شامی زبانین تھین،

ہارون الرشید کا پوتا متوکل باللہ بھی اسی قسم کی فیاضیون مین نامور ہوا، مترجمون مین جس نے کثرت اور عمدگی تراجم کے لحاظ سے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے وہ متوکل ہی کے عہد کا نامور حکیم **حنین بن اسحاق** تھا، حنین نے بلاد رومیہ مین دو برس مستقل رہکر یونانی زبان اور فلسفہ کامل طور سے سیکھا، روم سے واپس آکر وہ بصرہ چلا گیا، اور خلیل بن احمد بصری سے عربیت کی تحصیل کی، اور چونکہ دونون زبانون کا پورا ماہر ہو چکا تھا اپنے شوق سے فلسفہ کی کتابین عربی مین ترجمہ کرنی

---

[1] ہسٹری آف فلاسفی مصنفہ ہنری لوئیس صاحب فلسفہ عرب حالات یعقوب کندی، [2] کتاب مذکور ذکر عرب
[3] ابن خلکان ترجمہ محمد بن موسی،

شروع کیں، اس کی شہرت روز افزوں نے اس کو متوکل باللہ کے دربار میں پہنچایا، متوکل نے بیش قرار تنخواہ اور جاگیریں مقرر کردیں، حنین کا ایک بیٹا اسحٰق اور اس کا بھانجا حبیش یہ دونوں بھی یونانی و سریانی زبان کے بڑے ماہر تھے، اس لئے محکمۂ ترجمہ میں مقرر ہوئے، عربی میں جو ترجمے ہوئے، اکثر اسی اسحاق و حنین کی طرف منسوب ہیں[۱]،

حنین بن اسحاق و ثابت بن قرہ و حبیش بن الحسن اور دوسرے نامور مترجموں میں سے ہر ایک کی ماہانہ تنخواہیں پانسو اشرفیاں تھیں[۲] معتضد باللہ کے عہد کا مشہور مترجم ثابت بن قرہ حرانی ہے، ثابت نے محمد بن موسیٰ کے گھر میں پرورش پائی اور اس کی سفارش سے معتضد کے دربار میں داخل ہوا معتضد اس کی نہایت عزت کرتا تھا حتیٰ کہ وزراء اور خواص بھی اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے[۳] ترجموں کا اہتمام اور بیت الحکمۃ کا انتظام غالباً دو سو برس سے زیادہ قائم نہ رہا، کیونکہ اتنی مدت کی پیہم تلاش اور جستجو میں روم و یونان کا کوئی علمی خزانہ ایسا باقی نہیں رہا جو اہلِ عرب کی آنکھوں سے چھپا رہ گیا ہو، اس کے علاوہ اس مدت میں مسلمان فلاسفروں کا ایک بڑا گروہ مہیا ہو چکا تھا، اسحاق، ابو معشر، محمد بن موسیٰ، احمد سرخسی، ابو نصر فارابی، وغیرہ حکماء کی تازہ اختراعات اور خاص تصنیفات نے فلسفہ کو افلاطون و ارسطو کی اطاعت سے آزاد کر دیا تھا[۴]، تاہم خلفاء کا دربار ایک مدت تک ہر ملت اور مذہب کے فلاسفروں سے بھرا رہا جو اپنے ذاتی شوق یا بعض اوقات خلفاء کی فرمایش سے تصنیفات کے علاوہ دوسری زبانوں سے ترجمہ بھی کرتے تھے، راضی باللہ کے عہد خلافت قریباً ۳۲۲ھ میں متی بن یونس منطق کا بڑا عالم مشہور ہوا، اور ارسطو کی بعض کتابیں ترجمہ کیں[۵] ہجری کو نیس متی

---

[۱] تمام تفصیل مختصر الدول عہد متوکل میں موجود ہے، [۲] تاریخ التواریخ جلد اول، حالات ارسطو، [۳] مختصر الدول، [۴] گبن صاحب لکھتے ہیں کہ حکمائے مسوع، جابر، رازی، ابن سینا کے نام حکمائے یونانی کے ہم پلہ کئے گئے ہیں، غالباً یہ یوروپین شہادت زیادہ قابلِ اعتبار ہوگی۔ [۵] مختصر الدول،

ہسٹری آف فلاسفی مین لکھتے ہین، "دسوین صدی عیسوی مین یحییٰ بن عدی اور عیسی بن زرع نے نئے ترجمے کئے، اور پہلے ترجمون کی اصلاح کی، اسی طرح محمد بن یحییٰ جوزجانی جو ۳۴۸ھ مین تھا اور ابوالفرج المتوفی ۳۳۵ھ وغیرہ نے سریانی وغیرہ سے نئے ترجمے کئے، اور شرحین لکھین"[1] ابوریحان بیرونی جو بوعلی سینا کا معاصر اور فلسفہ وہیئت مین اس کا حریفِ مقابل تھا ہندوؤن کے علوم کے شوق مین ہندوستان گیا، اور برسون رہکر فلسفہ وغیرہ کی تحصیل کی، سنسکرت سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ ہندوون کو فلسفہ یونان کے مسائل ان کی زبان مین سکھائے اور اس طرح ہندوون کی شاگردی کے حق سے بھی ادا ہو گیا[2] محمد بن اسمٰعیل تنوخی نے بھی ہیئت ونجوم سیکھنے کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور وہان رہکر علوم وفنون کی تحصیل کی،

بعض اتفاقی طریقون سے بھی مسلمانون کو دوسری قومون کے خیالات ومسائل معلوم ہوئے جس زمانہ مین فتوحاتِ اسلامی کا سیلاب ہندوستان کی سرحد کے اونچے اونچے مقامات سے گذر رہا تھا، بنارس کا ایک صوفی عالم جسکا نام بھوجر برہمن تھا مسلمانون سے مذہبی مباحثہ کے لئے روانہ ہوا، اور سلطان علی مرد کے زمانہ مین شہر اکفوت پہنچکر قاضی رکن الدین سمرقندی سے ملاقات کی، مباحثہ کا ارادہ تو جاتا رہا بجائے اس کے علوم عربیہ سیکھنے شروع کئے، اس نے قاضی صاحب کی خدمت مین ایک کتاب جسکا نام ابنرت کنڈ تھا پیش کی اور اس کے مطالب بیان کئے، قاضی صاحب اس کے مسائل سے پوری آگہی حاصل کرنے کے ایسے شایق ہوئے کہ اس سے سنسکرت پڑھنی شروع کی، اور اصل زبان سے واقف ہوکر پہلے فارسی مین اور پھر عربی مین کتاب مذکور کا ترجمہ کیا، تاہم

---

[1] مختصر الدول، [2] دیکھو جامع القصص الہندیہ ومختصر الدول، بیرونی کی ایک کتاب جسمین سفر ہندوستان اور یہان کی معاشرت اور تمدن کا حال اس نے لکھا ہے، لندن مین نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے، جسپر پروفیسر سی شو نے جو جرمن کا مشہور عالم ہے ایک دیباچہ لکھا ہے، بیرونی کے شوق علمی اور تحقیقات کا اندازہ اس دیباچہ سے ہو سکتا ہے،

اس کے مشکل مقامات ہنوز شرح کے محتاج تھے، اتفاق سے بھوجر کا ایک شاگرد انہوناتھ بلادِ اسلامیہ مین پہنچا، تو ایک سنسکرت دان عالم نے اُس سے یہ کتاب پڑھی اور عربی زبان مین اس کا نہایت عمدہ ترجمہ کیا، جس کا نام مراۃ المعانی لادراک العالم الانسانی ہے[1]،

سلطان فیروز شاہ والی ہندوستان قریبًا ۷۷۲ھ مین جب جوالا مکھی پہاڑ پر گیا تو لوگون نے اطلاع کی کہ اس بتخانہ مین ۱۳۰۰[2] سو کتابین قدیم زمانہ کی موجود ہین، فیروز شاہ نے ان کے ترجمہ کئے جانے کا حکم دیا اور موسیقی و نجوم وغیرہ کی تصنیفات ترجمہ کی گئین، نجوم کی ایک کتاب عز الدین نے نظم مین ترجمہ کی،

علوم و فنون کے تراجم کی یہ ایک مختصر سی تاریخ ہے، اب ہم کو دیکھنا ہے کہ کس قسم کی کتابین ترجمہ ہوئین اور اس انتخاب کے کیا اسباب تھے، ان ترجمون کو اسلامی تصنیفات سے کیا تعلق ہے، ان ترجمون کی صحت پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے، مسلمانون نے اس کام مین دوسری قومون کا احسان کیون اُٹھایا اور خود ترجمہ کرنے پر کیون نہین مائل ہوئے، جہان تک ہم کو معلوم ہے طب اور فلسفہ کے سوا جس مین منطق، طبعی، الٰہی، موسیقی، فلکیات، ہیئت، ہندسہ، حساب، جبر مقابلہ وغیرہ شامل ہین، اور علوم کی تصنیفات کم ترجمہ ہوئین،

اصل یہ ہے کہ عرب مسلمانون کو اپنی زبان اور مذہب پر اس قدر ناز تھا کہ وہ دوسری قومون کی ان تصنیفات کو ہمیشہ بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، اور واقعی جو شخص فصاحت و بلاغت کے متعلق جزئیات کے انضباط، قواعد کی ترتیب، مسائل کے استنباط مین ان کی موشگافیان دیکھیگا،

۱؎ یہ پوری تفصیل جامع القصص الهندیہ مین مذکور ہے، یہ پہلی مثال ہو کہ کسی عربی دان مصنف نے سنسکرت یا بھاشا الفاظ کو صحیح اور پورا ادا کیا ہے، جس طرح مین نے یہ سب پورے نام لکھے ہین، اصل کتاب مین بھی اسی طرح ہین،

۲؎ دیکھو تاریخ بدایونی، حالات فیروز شاہ، ان کتابون مین سے بعض کے ترجمے مثلاً رزم نامہ وغیرہ لاہور مین بدایونی نے خود بھی دیکھے،

مان جائیگا کہ ایسے نکتہ دانون کو علم انشا مین کسی قوم کا زلہ ربا ہونا نہین چاہیئے، علامہ ابن اثیر جس نے علم البیان کو بہت کچھ ترقی دی ہے، فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ "مین یونانی زبان مطلق نہین جانتا اور اس فن کے متعلق ان کے خیالات سے مین بالکل ناآشنا ہون" یونانی و رومی تصنیفات، فلسفہ و طب کے سوا زبان دانی یا مذہب سے متعلق تھین مسلمانون نے بے شبہ، والستہ ان دونون سے بے اعتنائی کی، اور افسوس ہے کہ اس غیر معتدل فخر نے ان کو دوسری قومون کے علم تاریخ سے بھی محروم رکھا،

مسلمان فلسفہ و طب کے پہلے مرحلے مین بے شبہ یونان و روم کے احسانمند ہین، ان کی تصنیفات کے ہر صفحے سے اس احسانمندی کا اظہار ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ افلاطون و ارسطو (وغیرہ) کے نامون کو عموماً اسلامی ممالک نے جو عزت دی یونان مین ان کو نصیب نہ ہوئی ہوگی لیکن مسلمانون نے ایک ذرہ پایا تھا اور اس کو آفتاب بنا دیا، ہیئت کو بہت کچھ ترقی دی، طبعیات کے متعلق ارسطو کی بہت سی غلطیان دریافت کین، منطق کو بالکل نئے طرز سے ترتیب دیا، اور چند اصول اضافہ کئے، نئے نئے آلات رصدیہ ایجاد کئے، نور کی رفتار دریافت کی، علم مناظر مین انعکاس کا قاعدہ معلوم کیا، جبر و مقابلہ جو چند جزئی مسئلون کا نام تھا انھین کی طباعی سے ایک علم کے رتبہ پر پہنچگیا، دوا سازی نسخون کی ترتیب، عرق کھینچنے کے آلے، موالید ثلاثہ کی تحلیل، اجزائ کے فرق باہمی اور مشابہت کا امتحان، انھین کی ایجادات سے ہین کیمسٹری کی انھین نے بنیاد ڈالی، علم نباتات مین اپنے تجربون سے دو ہزار پودے اور اضافہ کردیئے، غرض آج یونانی و عربی تصنیفات کا کوئی شخص اگر موازنہ کرے تو قطرہ و دریا کا فرق پائیگا،

عیسائی مترجمون کو بے شبہ ترجمے کا فخر حاصل ہے، لیکن مسلمان دعوی کے ساتھ کہہ سکتے

(۱) اگر زمانے نے مساعدت کی تو ان تمام باتون کی تفصیل اس طرح پر جس سے صاف ظاہر ہو جائے کہ مسلمانون کو جب یہ علوم ملے تو کیا تھے، اور ان کی کوششون نے ہر ایک علم کو کس قدر آگے بڑھا دیا، ایک مستقل رسالے مین لکھونگا اور شاید اسی انجمن کے کسی دوسرے جلسے مین اس کے پیش کرنے کا اتفاق ہو،

ہین کہ اُن کے مستقل مرتب جامع تصنیفات کے سامنے یہ ترجمے تقویم پارینہ سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ چند روزون کے بعد ترجمون کا کسی کو خیال نہیں رہا، اور دنیا مین جس چیز نے علوم وفنون کو ناپید ہونے سے بچالیا وہ خاص اسلامی تصنیفات تھین، آج مسلمانون کی بڑی بڑی لائبریریون مین ترجمے کا پتہ بھی نہیں ہے، اور جن لوگون کی قسمت مین یورپ کا استاد بننا لکھا تھا، مثلاً بوعلی سینا، ابن طفیل، محقق طوسی، امام غزالی وہ ان ترجمون کے کبھی احسانمند نہیں ہوئے،

ترجمون کی صحت وغلطی کی نسبت ہم کوئی خاص فیصلہ نہیں کر سکتے، آج یورپ عربی ویونانی دونون زبانون پر قابض ہے، قریباً دو سو برس تک اس نے عربی ہی کے ذریعہ سے فلسفہ کی تحصیل کی ہے، اس وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ بعض قدیم تصنیفات (مثلاً پانچوین اور چھٹی اور ساتوین جلدین تراشہاے مخروطی مصنفۂ اپالونیس پرجیس (APOLO NIUS PERGEOUS وغیر ذلک) عربی ہی زبان کے ذریعے سے محفوظ ہین، ورنہ ان کی اصل جاتی رہی ہے، یورپ اسلامی کوششون کا ممنون ہے، اور امید ہے کہ ان ترجمون کی نسبت اُس کا فیصلہ تعصب کی آلایش سے خالی ہوگا، گبن صاحب لکھتے ہین، "ان عربی ترجمون کی خوبی پر رناوٹ (RENAUDOT) نے خوب بحث کی ہے اور گسیرا (GASIRA) نے دیانت داری سے اسکی حمایت کی ہے"، ہسٹری آف فلاسفی مصنفۂ ہنری لوئیس (G. HENERY LEWES) مین ہے، منک کہتا ہے کہ "بعض ترجمے نہایت خوبی سے کئے گئے" لیکن ایک فرانسیسی مصنف کا بیان ہے کہ "اکثر ترجمے اصل یونانی سے نہین بلکہ شامی ترجمون سے ہوئے اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کی وجہ سے بہت غلطیان رہ گئین" گو ہم اس امر کو کسی قدر تسلیم کرتے ہین، اور نہ صرف اسی بنا پر، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ترجمہ گو کتنا ہی عمدہ ہو، تاہم یہ دعوی نہیں ہو سکتا ہے کہ اصل مطالب بالکل پورا پورا ادا ہو گیا، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیون نے اسلامی تصنیفات پر

کوئی محسوس اثر پیدا نہین کیا، مسلمان فلاسفر، یونانی فلاسفرون کی اصلی غلطیون کے درست کرنے والے تھے، ان جزئی غلطیون سے ان پر کچھ اثر نہین ہو سکتا تھا[۱]،

مسلمانون نے ترجمہ کا کام دوسری قومون سے کیون لیا،

مسلمانون کا خود ترجمہ کرنے کی طرف مائل نہ ہونا گبن صاحب کے نزدیک اُسی فخر اور غرور کا اثر ہے، جو عرب کا اصلی خاصہ ہے، وہ لکھتے ہین کہ "اہل عرب اپنی ملکی زبان کی کثرت الفاظ پر بھروسہ کرکے غیر زبان کے محاورہ کو حقیر سمجھتے تھے، انھون نے اپنی عیسائی رعایا مین سے یونانی مترجم بہم پہنچائے"، عرب کی پرفخر طبیعت کا خاصہ ہم کو بھی معلوم ہے، لیکن افسوس ہے کہ گبن صاحب کی بدگمانی نے اس کا اندازہ اعتدال سے زیادہ کیا ہے، اصل یہ ہے کہ عرب مین فلسفہ کا چرچا منصور عباسی کے عہد سے اور اس کے ذاتی شوق سے شروع ہوا، یہ وہ وقت تھا کہ مذہبی بے شمار روایتون اور مسائل کے انبار کا لوگون کی قوتِ حافظہ پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا، اور سب کو یہ پڑی تھی کہ کاغذ کے حوالے کرکے ذرا سبکدوش ہون، مذہبی علوم کے بہت سے مبادی اور مقدمات بھی مرتب کرنے تھے، اسلام کا جوش ابھی شباب پر تھا، اور کم و بیش ہر مسلمان مین اس کا اثر پایا جاتا تھا، یہ ظاہر ہے کہ ایک سرگرم مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی علوم اور مسائل کے سامنے دوسری باتون پر کس قدر توجہ ہوگی، اس وقت تعلیم یافتہ گروہ حدیث، فقہ، تفسیر، اسماء الرجال وغیرہ کی تدوین و ترتیب مین مصروف تھا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ فلسفہ کا جو کچھ تھوڑا بہت رواج ہوا اس نے طبیعتون مین آزادی پیدا کردی، اور بڑے بڑے نامور امام و مجتہد اس خیال سے اس کے مخالف ہوگئے کہ فلسفہ و مذہب ایک ساتھ بسر نہین کر سکتے،

خلفا (وہ بھی سب نہین) بے شبہ فلسفہ کے حامی تھے لیکن گبن صاحب خود فیصلہ کر سکتے

---

[۱] طبعیات مین ارسطو اور موسیقیات مین فیثاغورث پر بوعلی سینا و فارابی نے جو قابل قدر نکتہ چینیان کی ہین وہ عام طرح سے مشہور ہین، ہنری لوئیس صاحب نے بھی مانا ہے کہ فارابی نے فیثاغورث کی غلطیاں درست کردین، ۱۲،

ہین کہ یونانی زبان سیکھنے سے ان کو مہمات ملکی مانع تھے، یا دوسری قومون کی زبانون کی حقارت کئی صدیون تک فلسفہ ایوانِ خلافت کا خاص مہمان رہا، تیسری صدی کے بعد البتہ اس نے قبولِ عام کی سند حاصل کی، لیکن اس وقت جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین بے شمار ترجمے اور اسلامی تصنیفین موجود تھین، اور فلسفہ حاصل کرنے کے لئے یونانی ورومی زبانون کا دریوزہ گر ہونا چندان ضروری نہ تھا، یہ خیال بھی کلیتہً صحیح نہین ہے، کہ ترجمہ کے کام مین مسلمان سرے سے شریک ہی نہین ہوئے، عبد الکریم شہرستانی نے ملل ونحل مین جہان مترجمون کے نام لئے ہین ان مین ہم کو مسلمانون کے بھی نام ملتے ہین، مثلاً ابوسلیمان بن بکر مقدسی، یوسف بن محمد نیشاپوری، ابوزید احمد بلخی، ابوالحارث حسن بن سہیل قمی، احمد بن محمد اسفرائی، طلحۃ النسفی اور محمد بن ابراہیم فزاری، سہل بن ہرون، ابوریحان بیرونی، محمد بن اسمٰعیل تنوخی، قاضی رکن الدین وغیرہ بھی تو آخر مسلمان ہی تھے، بہت سے اولو العزم خلفا اور امرا کی پیہم کوششون نے ترجمون کی تعداد جسقدر کثیر کر دی ہے، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، تاہم نمونے کے طور پر مین چند ترجمون کی ایک فہرست ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہون، مین نے ان ترجمون کو مطلقاً چھوڑ دیا ہے، جنکے مترجمون کے نام یا ان کے زائد حالات مین نہین معلوم کر سکا ہون، جن حکما رکی کتابون کے ترجمے ہوئے ان مین سے بعض کے نام یہ ہین :-

Ammouius, Themistius; Pyrianus, Sunpheiun, Philoponus, Pythagoras, Diogenes. Dimocritus. Hippocrates, Socrates. Aris totle Archumedes, Galen. Ptolemy.
Appollouius. Pengacaus. Pluto

ثاوذوسیوس، ماناؤس، برقلس، ارسطیقوس، ولیقوریدس، اوطوقولس، بارلوقا قسطوس، ابقلاوس، ابلینوس، نیقولاؤس، بولوس الاجانطی، ویوفنطوس،

نام کتاب	نام مصنّف	نام مترجم	
الٓہیات	ارسطو	یحییٰ بن عدی وغیرہ	اسحاق بن حنین؟ ابن عدی، اسطاث الکندی، ابوالبشر متی ہر ایک نے اس کا پورا ترجمہ کیا، اور بعض مقالون کا حنین بن اسحٰق نے بھی،
السماع الطبعی	"		آٹھ مقالون مین ہے، شیخ بوعلی سینا، اور دوسرے علماے اسلام نے اس کی تفسیر کی ہے،
کتاب السماء والعالم	"	متی	یہ کتاب چار مقالون مین ہے، قاضی ابوالولید ابن الرشد نے اسکا خلاصہ کیا، (معجب)
کتاب النیازک	"		حنین بن اسحٰق نے اس کی شرح لکھی، اور خلاصہ کیا،
کتاب جرمی الشمس والقمر و لبعدھما	"		علامۂ نصیر الدین طوسی نے اس کی اصلاح کی،
کتاب النبات	"	اسحٰق	دو مقالے ہین، ثابت بن قرہ نے اصلاح کی،
کتاب المرٰاۃ	"	حجاج بن مطر	
کتاب الحس والمحسوس	"	متی بن یونس	قاضی ابوالولید نے اس کا خلاصہ کیا، اور شرح لکھی (معجب) ۳ مقالون مین ہے،
سر الاسرار	"		مامون رشید کے حکم سے ترجمہ ہوئی، اس مین سکندر کیلئے ارسطو نے وصیتین کی ہین،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
کتاب السیاسته	ارسطو		سات مقالون مین ہے، اس کو ارسطو نے سکندر کے لئے لکھا تھا.
کتاب الاخلاق	؍؍	حنین بن اسحٰق و یحییٰ بن عدی	اس مین بارہ [۱۲] مقالے ہین، فرفوریوس نے اسکی تفسیر کی ہے،
کتاب النفس	؍؍	؍؍ وغیرہ	حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی مین کیا، اور بعض مقالون کا اسحٰق نے، ثامسطیوس نے اس کتاب کی جو مبسوط شرح لکھی تھی اسکا ترجمہ اسحٰق نے ایک خراب نسخہ سے کیا، اور پھر ایک عمدہ نسخہ سے مقابلہ کر کے صحیح کیا،
قاطیغوریاس	؍؍	حنین بن اسحٰق	یعنی مقولات عشرہ ابو نصر فارابی، ابو بشر متی، ابن مقفع، و ابن بہرین، و کندی، و اسحٰق بن حنین، و احمد بن طیب و رازی نے شرحین لکھین،
باریمنیاس	؍؍	؍؍ و اسحٰق	یعنی مباحث الفاظ حنین نے سریانی مین اور اسحٰق نے عربی مین ترجمہ کیا، اور یحییٰ نحوی و ابو بشر متی، و فارابی نے شرحین لکھین، اسحٰق، بن مقفع کندی. ابن بہرین، رازی، ثابت بن قرہ،

نام کتاب	نام مصنّف	نام مترجم	
			احمد بن طیب نے ملخص اور مختصر کیا،
انالوطیقا	ارسطو	ثیاوذوس	یعنی تحلیل قیاس، حنین نے سریانی مین اور اسحق نے عربی مین اس کے بعض اجزا، ترجمہ کئے، یحییٰ نحوی و کندی نے اس کی شرح لکھی، ابو بشر متی نے دو مقالون کی شرح کی،
انولوطیقاے ثانی	،،	اسحٰق وغیرہ	یعنی برہان حنین نے بعض اجزا سریانی مین ترجمہ کئے، اور متی نے اس ترجمہ کی عربی کی، یحییٰ نحوی، و ابو یحییٰ مروزی نے اصل کتاب پر نکتہ چینیان کی ہین، متی کندی، فارابی نے شرحین لکھین،
طوبیقا		یحییٰ بن عدی	یعنی جدل، اسحٰق نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور یحییٰ بن عدی نے اس ترجمہ کی عربی کی، دمشقی نے بھی سات مقالون کا ترجمہ کیا، اور ابراہیم بن عبد اللہ نے آٹھ مقالون کا، یحییٰ بن عدی نے اس کی جو تفسیر لکھی وہ ہزار ورق مین ہے، فارابی متی نے شرحین لکھین، اسکندر او البینوس نے جو شرحین

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			اس پر لکھی ہین، ان کا ترجمہ اسحق نے عربی مین کیا،
سوفسطیقا	ارسطو	ابن ناعمہ وغیرہ	یعنی مغالطہ، ابن ناعمہ وابوبشر متی نے سُریانی مین ترجمہ کیا، اور یحییٰ بن عدی وقویری وابراہیم نے عربی مین نقل کیا، اور شرح لکھی، کندی کی بھی اس پر شرح ہے،
ریطوریقا	"	اسحق وابراہیم	یعنی خطابیات، فارابی نے شرح لکھی جو سو ورق مین ہے،
انوطیقا	"	ابوبشر متی - یحییٰ بن عدی	یعنی شعر، کندی نے اس کو مختصر کیا،
سماع طبعی مشہور بہ سمع الکیان	"		یہ کتاب آٹھ مقالون مین ہے، مقالہ اولیٰ کی تفسیر اسکندر افرودسی نے کی جس کا ترجمہ ابوالروح صابی نے عربی مین کیا، اور یحییٰ بن عدی نے اس کی اصلاح کی، دوسرا مقالہ حنین نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور یحییٰ نے اسکو عربی مین نقل کیا، تیسرا مقالہ موجود نہین ہے، جوتھے مقالہ کی تفسیر اسکندر افرودسی نے تین مقالون مین کی ہے جنمین سے دو مقالے کامل اور تیسرے کا

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			کچھ حصہ قسطا بن لوقا نے ترجمہ کیا، قسطا نے پانچوین اور ساتوین مقالے کا ترجمہ کیا، اور آٹھوین کی شرح لکھی، فرفوریوس یونانی نے اس کے چار مقالون کی جو شرح لکھی ہے، اس کا ترجمہ بسیل نے کیا، اور ابوالبشر متی نے دوبارہ نقل کیا، تامسطیوس نے بھی اس پر شرح لکھی ہے، جس کا ترجمہ متی نے سریانی مین کیا، ابواحمد نے مقالۂ اولی وچہارم کی شرح لکھی، ثابت بن قرہ نے مقالہ اولی وثانیہ پر حاشیہ لکھا، ابراہیم بن الصلت نے مقالہ اولی کی شرح کی، ابوالفرج بن قدامہ نے رومی زبان مین جو شرح لکھی ہے، عربی زبان مین اس کا بھی ترجمہ ہوا، اس کتاب پر علمائے اسلام نے بہت سی شرحین اور حاشیے لکھے،
سماع عالم	ارسطو	یحیی بن عدی وغیرہ	چار مقالون مین ہے، ابن بطریق، متی نے اس کے بعض حصے ترجمے کیے، حنین بن اسحق نے اس کے سولہ مسئلون پر گفتگو کی ہے، ابوزید بلخی

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			نے ابو جعفر خازن کے لئے اس کی شرح لکھی، ابو ہاشم نے اصل کتاب پر رد و قدح کیا، اور اعتراضات لکھے، جو تصفح کے نام سے مشہور ہین،
کتاب الکون والفساد	ارسطو	حنین وغیرہ	حنین نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور اسحٰق و دمشقی نے عربی مین، اسکندر نے اس کی شرح لکھی ہے، جس کا ترجمہ متی نے کیا، اور ابو زکریا یحیی بن عدی نے اس کی اصلاح کی، یحیی نحوی نے بھی اس کی شرح لکھی، مقالہ اولی کا ترجمہ قسطا نے بھی کیا، لاینذروس یونانی نے جو شرح لکھی ہے، اس کا ترجمہ بھی عربی زبان مین کیا گیا،
کتاب فی الآثار العلویۃ	"	یحیی بن البطریق وغیرہ	لاینذروس یونانی نے اسکی شرح لکھی ہے جسکو ابو بشر متی نے عربی مین نقل کیا، اسکندر افرودوسی کی بھی شرح ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین کیا گیا، ثامسطیوس کی شرح کا ترجمہ اسحٰق نے عربی مین کیا، یحیی بن عدی و حنین وغیرہ نے بھی اصل کتاب کے ترجمے سریانی و عبرانی مین کئے،
کتاب الحیوان	"	ابن البطریق	۱۹ مقالون مین ہے، نیقولاؤس نے اسکو مختصر کیا ہے، جس کا ترجمہ ابو علی بن زرعہ نے عربی مین کیا،

تقی الدین سپہر نے ناسخ التواریخ مین لکھا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت ارسطو کی کتابون مین سے کتاب اثالوجیا و کتاب زبرجد و کتاب الیاقوت میری نظر سے گذرین،

اقلیدس

حجاج ابن یوسف کوفی نے دو ترجمے کئے، پہلا ہارونی کے لقب سے مشہور ہے، اور دوسرا مامونی کے نام سے، مگر یہ دوسرا ترجمہ عمدہ اور صحیح ہونے کی وجہ سے زیادہ شایع ہوا، حجاج کے نسخے مین کل شکلین ۴۶۸ ہین، مگر ثابت کے نسخے مین ۱۰ شکلین اور زیادہ ہین، کچھ مقالے ابو عثمان دمشقی نے بھی ترجمے کئے، عبد اللطیف طبیب نے جو رومی نسخہ دیکھا، اسمین چالیس شکلین اور زائد تھین، جنکا اس نے ترجمہ کرنا چاہا تھا، علماے اسلام نے نہایت کثرت سے اقلیدس پر شرحین اور حواشی لکھے مثلاً یزیدی، جوہری، ہامانی، ابو حفص الحرث الخراسانی، ابو الوفاء البوزجانی، ابو القاسم الانطاکی، احمد بن محمد الکرابیسی، ابو یوسف الرازی، قاضی ابو محمد عبد الباقی البغدادی المشہور بہ قاضی بیمارستان، (ہسپتال) ابو علی الحسن بن الحسین بن الہیثم البصری، ابو جعفر خازن اہوازی، ابو داؤد سلیمان بن عقبہ، محقق طوسی، ہامانی نے صرف پانچوین مقالے کا ترجمہ کیا، اور ابو یوسف رازی نے صرف دسوین مقالہ کا، قاضی عبد الباقی کی شرح نہایت بسیط ہے، اس نے اشکال کی مثالین عدد سے بھی دی ہین، ابن ہیثم نے اس کے مصادرات کی شرح لکھی، اور ایک کتاب اس پر اعتراض و جواب کی لکھی، ابو جعفر خازن و اہوازی کی شرح صرف دسوین مقالے پر ہے، ثابت بن قرہ نے ان علل کی تشریح کی جن پر اقلیدس نے شکلون کی ترتیب رکھی ہے، اس کتاب کی بہت سی اصلاحین بھی ہوئین، جنکو تحریر کا لقب ملا، مثلاً تحریر تقی الدین، اس تحریر کا نام تہذیب الاصول ہے، اور تحریر محقق طوسی جو نہایت عمدہ تر اور شایع ہے، اور اسی وجہ سے بہت سے علماء نے اس پر حواشی لکھے جنمین سے علامہ سید شریف، قاضی زادہ رومی نامور ہین،

نامِ کتاب	نامِ مصنف	نام مترجم	
السعطیات	اقلیدس	اسحٰق	اسحٰق نے عربی مین ترجمہ کیا، ثابت نے اصلاح کی، علامہ طوسی نے تحریر کی، ۹۵ شکلون مین ہے،
المناظر	″	″	۶۴ شکلون مین ہے، علامۂ طوسی نے اس کی تحریر کی،
ظاہرات الفلک	″	″	۲۳ شکلین ہین، نصیر الدین طوسی نے تحریر کی، تبریزی نے اُس کی شرح لکھی،
کناشس	اہرون القیس	ماسرجویہ	یہ حکیم ماسرجویہ بصرہ کا رہنے والا، اور یہودی المذہب تھا، مروان کے زمانے مین (غالبًا اس کی فرمایش سے) یہ ترجمہ اس نے عربی مین کیا،
کتاب الجبر والمقابلہ	ایوقسطیوس	″	محمد بن محمد یحییٰ ابن ابی البقا البوزجانی نے جو ۳۴۸ھ مین موجود تھا، اس کتاب کی تفسیر کی، (مختصر)
المطالع	السبقلاوس	قسطا بن لوقا بعلبکی	کندی نے اصلاح کی اور علامہ طوسی نے تحریر کی، ۳ مقدمے اور دو شکلون پر مشتمل ہے،
المنی	افلاطون	″	موفق الدین بغدادی نے اس کو مختصر کیا، اور ترتیب دی،
الفلاحۃ الرومیہ	قسطوس بن	سرجس بن	اس نے پہلا ترجمہ رومی سے عربی زبان مین کیا،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
	اسکورالسکینیہ	ہلیا	پھر قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوزکریا بن یحییٰ بن عدی اسطاس نے عربی مین الگ الگ ترجمے کئے، فارسی مین بھی اس کا ترجمہ ہوا، جس کا نام ورزنامہ ہے،
الکرۃ المتحرکہ	اوطولوقس	ثابت	ثابت نے اصلاح کی، اور محقق طوسی نے تحریر کی، ایک مقالہ اور بارہ شکلین ہین،
کتاب اللیل والنہار	ثاودسیوس		دو مقالے ہین، اور ۳۳ شکلین، علامہ طوسی نے تحریر کی،
کتاب [۱] المساکن	"	قسطا بن لوقا	۱۲ شکلین ہین، علامہ طوسی نے تحریر کی،
کتاب الحشائش	دیسقوریدس	اصطفن بن بسیل	اس کتاب مین نباتات کی تصویرین یونانی قدیم حرفون مین بنی ہوئی تھین،
کتاب السموم	یاربوقا نبطی من اہل برِوسایہ	ابوبکر احمد	یہ کتاب نبطی زبان مین تھی، ابوبکر احمد بن علی المعروف با بن وحشیہ نے عربی مین ترجمہ کیا،
کتاب الادویہ	دیسقوریدس		۵ مقالے ہین، ابن بیطار شیخ عبداللہ بن احمد مالقی نے اس کی تفسیر کی،
کتاب تسطیح الکرہ	بطلیموس		ابوجعفر احمد بن محمد الطبیب المتوفی ۳۶۰ھ نے
الفرق	جالینوس		اس کی شرح لکھی، جو کہ رجب ۳۴۲ھ مین تمام ہوئی،

[۱] اس کتاب کا ترجمہ مین نے خود دیکھا ہے،

نامِ کتاب	نامِ مصنّف	نامِ مترجم	
کتاب القوی الطبیعیه	جالینوس	حنین بن اسحٰق	۳ مقالون مین ہے،
کتاب الحمیات	"		ابو جعفر احمد بن محمد الطبیب نے اس پر شرح لکھی،
کتاب الکرة والاسطوانة	ارشمیدس مصری		ثابت بن قرة نے اصلاح کی مگر چونکہ اصل ترجمہ خراب تھا اصلاح مین بھی بعض مصادرات چھوٹ گئے، اوطوقیوس عسقلانی نے اس کے مشکلات کی شرح لکھی جس کا ترجمہ عربی مین اسحٰق بن حنین نے کیا، علامہ طوسی نے اس کی تحریر کی، ثابت کے نسخے مین اس کی ۴۸ شکلین ہین اور اسحٰق کے نسخے مین صرف ۴۳،
الماخوذات فی الاصول	"	ثابت ابن قره	ابو الحسن علی ابن احمد النسوی نے اس کی تفسیر کی، ۱۵ شکلین ہین، علامہ طوسی نے اصلاح کی، ابو سہل نے بھی کچھ اس کی اصلاح کی، جس کا نام تزئین کتاب ارشمیدس ہی،
المخروطات فی احوال الخطوط المنحنیه	ابلینوس النجار	احمد بن موسی الحمصی ثابت ابن قره	مامون رشید نے روم سے جو کتابین منگواکر ترجمہ کرائین ان مین اسکا بھی ترجمہ ہوا، یہ سات مقالون مین تھی، مگر مقدمے کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اصل کتاب آٹھ مقالون مین ہے، اور اس آٹھوین مقالہ مین سب پہلے مقالون

نامِ کتاب	نامِ مصنف	نامِ مترجم	
			کے مطالب مع فوائد دیگر موجود ہین، لیکن آٹھوین مقالے کا باوجود تلاش کے پتہ نہ لگا' ابو موسی شاکر کا بیان ہے کہ اب جس قدر یہ کتاب موجود ہے، اس مین سات مقالے اور کچھ حصہ آٹھوین کا موجود ہے، جسمین کہ صرف چار شکلین ہین، چار پہلے مقالون کا ترجمہ احمد بن موسیٰ نے کیا، اور تین پچھلے مقالون کا ثابت ابن قرہ نے جسکو کہ حسن و احمد (دونون ابن موسیٰ بن شاکر) نے اصلاح کر کے درست کیا، اہلِ یورپ نے اس کتاب کو صرف مشرقی ترجمون کے ذریعہ سے پایا، کیونکہ اس کی اصل بالکل جاتی رہی، (گبن رومن امپائر)
نسبة الجذور	ابلینوس النجار		دو مقالون مین ہے، پہلے مقالے کے ترجمہ کی تو ثابت نے اصلاح کی، مگر دوسرے مقالے کا ترجمہ بے معنی ہے،
مابعد الطبیعة	ثاوفرديطوس	یحیٰی بن عدی	یہ مصنف ارسطو کا برادر زادہ تھا، اصل کتاب سریانی مین تھی (مختصر الدول)
کتاب الحس و المحسوس	"	ابراہیم بن تکوین	(از مختصر الدّول)

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
اسباب النبات	ثاوفرسطوس	ابراہیم بن تکوین	(مختصر الدول)
کتاب من حل فلسفۃ ارسطو	نیقلاوس	حنین	حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی مین کیا، (مختصر الدول)
ثالوجیا	برقلس	ابو عثمان دمشقی	
الحدود	ارسطیقوس یونانی	ابو الوفا	ابو الوفا محمد بن محمد محاسب نے ترجمہ کیا، اور اصلاح کی، پھر اس پر شرح لکھی جسمین دلائل ہندسی قائم کئے،

مجسطی

اس کتاب کے ۳ ترجمے نہایت مقبول اور مشہور ہوئے پہلا حجاج ابن مطر کا، دوسرا اسحٰق کا، جس کو ثابت نے صحیح کیا، تیسرا خود ثابت کا، اول اس کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے کیا گیا، جس کی بہت سے لوگون نے تعلیقات اور تفسیرین لکھین، مگر وہ سب ترجمے اور تفسیرین مبہم اور مجمل تھین ابو حسان وسلمان نے جنکو بیت الحکمۃ کا اہتمام سپرد تھا، ان ترجمون کی خوب توضیح و تصحیح کی، چونکہ مامون رشید کو اس کتاب کے ساتھ نہایت شیفتگی تھی، تو اس کی فرمایش سے حنین بن اسحٰق نے بھی ترجمہ کیا اور حجاج ابن یوسف و ثابت بن قرہ نے زوائد سے پاک کر کے خلاصہ لکھا، ابو الریحان بیرونی نے اسکا اختصار کیا اور عمرو بن فرخان و ابراہیم بن الصلت و فضل ابن حاتم و شمس الدین سمرقندی، نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری و دیگر علما نے شرحین لکھین، شیخ یحییٰ بن محمد بن ابی الشکر المغربی الاندلسی نے مجسطی کا ملخص ملطیہ کے پوپ ابو الفرج غریغورس بن ہارون کے استادلیے سے لکھا،

نامِ کتاب	نامِ مصنّف	نامِ مترجم	
فصول بقراط	بقراط	ابو عثمان سعید ابن یعقوب	یہ مترجم نہایت نامور حکیم اور مقتدر باللہ کے وزیر کا خاص طبیب تھا،
نموذار فی الاعمار	کنکہ ہندی	"	یہ حکیم ہندوستان کا رہنے والا ہارون الرشید کے دربار مین داخل تھا، اور علاوہ طبابت کے ترجمے کا کام بھی اس کے متعلق تھا، الفنسٹن نے تاریخ ہند مین اس کا نام منکا لکھا ہی،
اسرار الموالید	"	"	
والقرآنات الکبیر	"	"	
والقرآنات الصغیر	"	"	
کتاب حساب العدد			یہ کتاب سنسکرت زبان مین تھی جس کی توضیح وتفسیر ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کی، (جامع القصص العربیہ)
رسالۃ السر فی الکیمیا	ہرمس بود شیر قسطانس بن اراسیس		یہ رسالہ اخیم مصر مین ایک قبہ مین پایا گیا، اس قبہ مین ایک عورت کی ممی تھی، اور اس کے بال پاؤن تک لٹک رہے تھے، سات نہایت عمدہ حلے اس کے بدن پر تھے اور اس کے ارد گرد چند تخت تھے جن پر چھوٹی چھوٹی لڑکیون کے میان تھین، یہ رسالہ سونے کی تختی پر لکھا ہوا تھا، اور اس عورت کے سر کے نیچے تھا، مامون الرشید جب مصر گیا تو اس نے اس رسالہ کا ترجمہ کرایا جس کو ایک حمیر کے شخص نے کیا تھا،

	نام مترجم	نام مصنف	نام کتاب
یہ کتاب ہندی زبان سے نوشیروان کے لئے ترجمہ کی گئی پھر اس فارسی کا ترجمہ عبداللہ بن المقفع نے عربی مین کیا جو کہ ابو جعفر منصور کا منشی تھا، دوسرا ترجمہ عربی مین عبداللہ ابن ہلال اہوازی نے یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے کیا جو کہ ۱۶۵ھ مین تمام ہوا، پھر سہل بن نوبخت حکیم نے یحییٰ بن خالد کے لئے نظم کیا، جسکا صلہ اس کو ایکہزار دینار ملا، کلیلہ و دمنہ کے ڈھنگ پر سہل بن ہارون نے ایک کتاب مامون الرشید کے لئے لکھی، جس مین ہر ایک باب و فصل کلیلہ دمنہ کے معارضے کے طور پر لکھی،	عبداللہ بن المقفع		کلیلہ دمنہ
عبداللہ مالقی نے اس کی شرح لکھی،		دیقوریدس	کتاب الادویہ
پہلے اس کتاب کا ترجمہ فارسی مین ہوا، پھر عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی مین ترجمہ کیا،	عبداللہ بن علی	سبرک	کتاب سبرک
		ہندی	ہندی
ثابت بن قرہ نے اصلاح کی، اور محقق طوسی نے تحریر، دو مقالے ہین، اور ۳۶ شکلین،		اوطولوقس	کتاب الطلوع والغروب
یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے منکہ ہندی نے باعانت ابوحاتم بلخی فارسی مین ترجمہ کیا پھر مامون الرشید کے حکم سے علی بن العباس بن احمد نے عربی مین نقل کیا،	ابوحاتم بلخی	شاناق ہندی	کتاب السموم

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
الاکر المتحرکہ	اوطوقولس		مامون الرشید کے عہد مین ترجمہ ہوا اور یعقوب کندی نے اصلاح کی،
اُکر	ثاوذوسیوس	قسطا بن لوقا	یہ کتاب تین مقالون مین ہے، ثابت بن قرہ نے اصلاح کی اور محقق طوسی و تقی الدین الراصد نے تحریر کی،
اکر	مانالاوس		اس کتاب کے بہت سے ترجمے ہوئے، ماہانی و ابو الفضل احمد بن سعید ہروی نے اصلاح کی، اس مین تین مقالے ہین،

یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے مرتب کی گئی ہے، خاص ارسطو کی تصانیف کے متعلق کسی قدر زائد تفصیل ناسخ التواریخ جلد اول حالات ارسطو سے لی گئی ہے،

ریمارک،

یہ فہرست نہایت مختصر ہے، ہم نے خود اختصار کی غرض سے بہت سے ترجمون کے نام نہین لکھے، گو عام طور پر ان مفصل واقعات سے لوگ بہت کم واقف ہین، تاہم ترجمون کی اجمالی تاریخ آج قوم کے ایک ایک ممبر کو معلوم ہے، انھین واقعات پر خیال کرنے سے بانیان سین ٹیفک سوسائٹی علی گڈھ کو دھوکا ہوا، اور وہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے مورثون نے بذریعہ ترجمون کے علوم کو ترقی دی ہم بھی یورپ کے علوم و فنون کو اپنی زبان مین ترجمہ کر کے اپنے علوم اور اپنی قوم کو ترقی کے رتبے پر پہنچائین گے، مگر انکا یہ قیاس غلط اور قیاس مع الفارق تھا، اول تو ترجمون کا

اہتمام اور لاکھون روپیہ کا خرچ جو خلفاے عباسیہ کے زمانے مین ہوا، اب غیر ممکن ہے، **دوسرے** اس زمانے مین علوم محدود تھے، اور ترقی رک چکی تھی جس قدر کتابین ترجمہ کر لی گئین یونانیون کے علوم پر گویا احاطہ کر لیا گیا اس زمانہ مین نہ علوم کی ترقی کی انتہا ہے، نہ ان کتابون کے شمار کی کوئی حد ہے جن کی تصنیف کا سلسلہ برابر جاری ہے، **تیسرے** بڑی غلطی اس قیاس مین یہ تھی کہ اُس زمانے مین عربی زبان جس مین ترجمے ہوئے تمام ممالک اسلامی مین حکومت کرنے والی زبان تھی، دنیا مین ایسی کوئی مثال موجود نہین ہے کہ قوم نے اُس زبان مین علوم وفنون کو ترقی دی ہو، جو ان پر حکومت کرنے والی نہین ہے، اگر ہم کو اس بات کے معلوم کرنے سے خوشی ہے کہ خود **سید احمد خان صاحب** نے جو سینٹیفک سوسائٹی کے بانی ہین متعدد تحریرون مین اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔

مدرسے اور دار العلوم

اگرچہ ۴۴۰ھ کے متصل ہی تمام ممالک اسلامی مین درس و تدریس کا ایک عظیم الشان سلسلہ
قایم ہو گیا، اور انھین دو تین صدیون مین جس درجے کے سیکڑون ہزارون مجتہد، فقیہ، ادیب، شاعر،
فلاسفر، مورخ پیدا ہو گئے، زمانے کو نو سو برس کی وسیع مدت مین بھی اس پایہ کے لوگ نصیب
نہین ہوئے، لیکن تعجب ہے، کہ تاریخ کے صفحون مین چوتھی صدی کے اخیر تک بھی کسی کالج یا اسکول
کا نشان نہین ملتا، مسجدون کے صحن، خانقاہون کے حجرے، علمائے کے معمولی مکانات یہی اس
وقت کے مدرسے یا دار العلوم تھے، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا مین لکھا ہے کہ مامون الرشید کے زمانہ
مین عمدہ عمدہ مدرسے بغداد، بصرہ، کوفہ، بخارا مین قائم ہوئے[1]، اس سے بھی زیادہ واضح انسائیکلوپیڈیا
برٹانیکا کی شہادت ہے کہ مامون نے اپنی ولیعہدی کے زمانے مین خراسان مین ایک کالج
بنوایا جس مین مختلف ملکون سے نہایت لایق لایق استاد بلا کر مقرر کیے، اور میسوع ایک بڑے
فاضل کو جو دمشق کا رہنے والا اور مذہباً عیسائی تھا، کالج کا پرنسپل مقرر کیا[2]، اگر یہ روایتین صحیح ہون تو
مدرسون کی ابتدائی تاریخ تصنیفات کے عہد سے بہت قریب ہو جاتی ہے، لیکن ہم کو معلوم ہے کہ ایشیا
کا وسیع النظر مورخ ان شہادتون کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھے گا، اور یہ کہکر ٹال دیگا کہ "اپنے گھر
کا حال ہم تم سے زیادہ جانتے ہین"۔

مدرسون کی ابتدا

عام خیال تو یہ ہے اور تعجب ہے کہ علامہ ابن خلکان بھی اس سے متفق ہین کہ "اسلامی دنیا

[1] کتاب مذکور ذکر عرب،

[2] کتاب مذکور حالات مامون الرشید،

مین اول جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی وہ دولت سلجوقیہ کا وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا، اولیت کی تعیین تو ہم بھی نہین کر سکتے، مگر یہ بتا سکتے ہین کہ نظام الملک سے پہلے علمی عمارتون کے آثار موجود تھے، سنہ ۴۰۰ھ مین حاکم مصر نے مصر مین ایک بڑا مدرسہ بنوایا، بہت سی کتابین اس پر وقف کین اور فقہا و محدثین درس و تدریس کے لئے مقرر کئے[۵۱]،

سلطان محمود غزنوی نے بھی ہندوستان کی بے انتہا دولت کا ایک حصہ اس عمدہ کام مین صرف کیا، متھرا کی فتح سے واپس جا کر قریباً سنہ ۴۱۰ھ مین خاص دار السلطنت غزنین مین ایک نہایت عالیشان مدرسہ بنوایا، ایک کتبخانہ بھی اس مین شامل تھا، جسمین مختلف زبانون کی کتابین نہایت کثرت سے جمع کی گئی تھین، مدرسہ کے مصارف کے لئے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کئے تھے، محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ اس عمدہ نظیر کی تقلید تمام ارکان دولت اور امرا نے بھی کی اور تھوڑے ہی دنون مین غزنین علمی یادگارون سے معمور ہو گیا[۵۲]، دار السلام بغداد اس فخر کے لئے ہنوز نظام الملک کا انتظار کر رہا تھا، لیکن نیشاپور مین بڑے بڑے کالج و اسکول قائم ہو چکے تھے، سلطان محمود کے بھائی امیر نصر نے ایک مدرسہ بنوایا جو سعیدیہ کے نام سے مشہور ہوا، مدرسہ بیہقیہ کے مدرس اعظم ابو القاسم اسکاف اسفرائنی تھے،

امام الحرمین نے جو امام غزالی کے استاد ہین اسی مدرسہ مین تعلیم پائی تھی، استاد ابوبکر فورک کو لوگون نے خطوط بھیجکر بلایا، اور جب وہ تشریف لائے تو خاص اُن کے درس کے لئے ایک مدرسہ تعمیر ہوا، جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ اسلام مین اگر کوئی مدرسہ عام قومی چندہ سے بنا تو شاید یہی تھا، استاد ابوبکر نے سنہ ۴۰۶ھ مین وفات پائی، ان کی تصنیفات کا اندازہ

---

۵۱ حسن المحاضرۃ علامہ سیوطی ذکر حوادث غریبہ مصر سنہ ۴۰۰ھ و تاریخ کامل واقعات سنہ ۴۰۰ھ،

۵۲ تاریخ فرشتہ فتح متھرا،

سو کے قریب کیا گیا ہے، اسی طرح ایک اور مشہور مدرسہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی المتوفی ۴۱۸ھ کیلئے قایم ہوا[۵۱] حکیم ناصر خسرو سفر کرتا ہوا ۴۳۷ھ ہجری مین جب نیشاپور پہنچا تو اس نے ایک مدرسہ دیکھا جو طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہورہا تھا[۵۲]، ایک اور مدرسہ تھا جو ابو سعد اسمٰعیل استرآبادی کی طرف منسوب ہے،

اور شاید سب سے اخیر وہ مدرسہ تھا جو نظام الملک کی علمی فیاضی کا پہلا دیباچہ تھا یہ مدرسہ بھی نظامیہ کے نام سے مشہور تھا، لیکن جب بغداد کا مشہور دار العلوم قائم ہوا، تو اسکی علمی شہرت دب گئی اور اب اگر اسکو نظامیہ کہتے ہین تو ساتھ ہی نیشاپور کی قید لگانی پڑتی ہے، تاہم اس کا یہ فخر کوئی نہین گھٹا سکتا کہ امام غزالی کے استاد علامہ ابو المعانی امام الحرمین اسکے مدرس اعظم تھے، اور امام غزالی سے فخر روزگار اسی مدرسہ کے ایک مستعد طالب العلم تھے[۵۳] حقیقت یہ ہے کہ نظامیہ کی عزت کچھ اس وجہ سے نہین ہے کہ وہ دنیا مین سب سے پہلا مدرسہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی عالمگیر شہرت نے تمام پچھلی یادگارون کو اس طرح دلون سے بھلا دیا کہ گویا اس سے پہلے کوئی دار العلم بنا ہی نہ تھا، خود بغداد مین بھی تو اس سے کچھ پہلے الپ ارسلان سلجوقی کا ایک مدرسہ موجود تھا، جو زر خطیر کے صرف سے تیار ہوا تھا مگر آج کتنے آدمی ہین، جو اسکا نام بھی بتا سکین،

عرب کے سوا اسلامی ممالک مین جتنے خاندان فرمانروا ہوئے، ان سب مین بر عظمت اور قوی تر آل سلجوق تھے، الپ ارسلان و ملک شاہ جنکی شہرت نے یورپ و ایشیا دونون پر

---

[۵۱] اس مدرسہ اور مدرسہ بیہقیہ، و مدرسہ سعیدیہ کے لئے دیکھو حسن المحاضرہ علامہ سیوطی "ذکر امہات مدارس" باقی مدرسون کے حالات ابن خلکان مین ان علماء کے تراجم مین ملین گے جن کے لئے وہ قائم کئے گئے، ابن خلکان مین امام الحرمین کے حالات بھی دیکھو [۵۲] سفرنامہ ناصر خسرو مطبوعۂ دہلی صفحہ ۴۳، [۵۳] دیکھو ابن خلکان ترجمۂ امام الحرمین و امام غزالی،

برابر قبضہ کیا ہے، اسی خاندان کے یادگار تھے، اور نظام الملک طوسی جس کے مبارک ہاتھون
نے نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی انھین دو کے دربار مین وزیر اعظم تھا[۱]، وہ صرف وزیر نہ تھا، بلکہ سفید
و سیاہ کا مالک تھا، اس نے چھ لاکھ دینار کی رقم خاص اس فیاضانہ کام کے لئے خزانہ شاہی سے
مقرر کی تھی، اور تمام عملداری مین مکتب اور مدرسے قائم کئے تھے، خاص اپنی کل جاگیرات
مین سے بھی دسوان حصہ مدرسون کے لئے وقف کر دیا تھا[۲]، لیکن سب سے بڑا کام جو اس کے ہاتھوں
پورا ہوا نظامیہ کی تعمیر تھی، گبن صاحب اس کی نسبت لکھتے ہین کہ ایک سلطان کے وزیر نے
بغداد مین مدرسہ قائم کرنے کے لئے دو لاکھ دینار[۳] وقف کئے، اور پندرہ ہزار دینار سالانہ اس کے
صرف کے لئے مقرر کئے، نتائج علمی سے چھ ہزار درجہ کے طلبا مختلف فنون مین بہرہ اندوز ہوئے،
ان مین امرا کے لڑکے بھی تھے اور اہل حرفہ کے بھی، غریب طالب علمون کیلئے کافی آمدنی مقرر تھی،
اور مدرسون اور محققون کی تنخواہین بیش قرار تھین،"

نظامیہ بغداد

شہ‍۴۵۷ھ مین اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۰ ذیقعدہ روز شنبہ ۴۵۹ھ کو بڑی شان و شوکت
سے کھولا گیا، اگر مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ "رسم افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا، اور
دار الخلافہ کی کل عظمت اور قوت نظامیہ کے ہال مین مجتمع تھی" تو قوم کے علمی جوش اور سلسلہ
عمارت کی وسعت کا بھی ہم صحیح اندازہ کر سکتے ہین علامہ ابو اسحق شیرازی جو ان ممالک مین استاد
کل تسلیم کئے جاتے تھے، مدرس اعظم منتخب ہوئے، لیکن انھون نے ایک شبہہ کی بنا پر اس عہدہ

---

[۱] ملک شاہ کی سلطنت کا شغر سے بیت المقدس تک طول مین اور قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک عرض مین پھیلی ہوئی تھی، اس عہد مین گویا وہ تمام ممالک اسلامی کا مالک تھا، ۴۴۷ھ مین پیدا ہوا، اور ۴۸۵ھ مین وفات پائی نظام الملک نے بیس برس تک اس کے دربار مین وزارت کی (ابن خلکان ترجمہ ملک شاہ و نظام الملک) [۲] آثار البلاد علامہ قزوینی ذکر طوس و روضتین فی اخبار الدولتین، [۳] دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے، اگر اسی شرح سے حساب لگائین تو بھی دس لاکھ روپیہ ہوتے ہین،

کو ناپسند کیا، اس لئے سر دست ابو نصر مصنف شامل کو یہ خدمت سپرد ہوئی، اور بیس[۲۰] دن کے بعد علامہ ابو اسحق بڑے اصرار سے اس منصب کے قبول کرنے پر راضی کیے گئے، نظامیہ کی عمر مین خدا نے بڑی برکت دی اور جب تک بغداد کی حکومت قایم رہی، اس کی فیاضیان بھی دور و دراز ملکون تک اپنا اثر پہنچاتی رہین، ہمارے مخدوم سعدی شیرازی اُس کے اخیر زمانہ کے طالب العلم ہین[۵۱]، امام غزالی، امام طبری، ابن الخطیب، تبریزی شارح حماسہ، ابو الحسن فصیحی شاگرد امام عبد القاہر جیلانی وغیرہ، مدرس اعظم اور امام احمد غزالی، ابو المعالی قطب الدین شافعی، کیا ہراسی، وغیرہ وقتاً فوقتاً اس مین نائب مدرس رہ چکے ہین، ہر زمانے مین علماء کے لئے نظامیہ کی پروفیسری سے بڑھکر کوئی بات اعزاز کی نہین ہو سکتی تھی، اور دو سو برس کی مدت مین کوئی ایسا شخص اس منصب پر نہین مقرر ہوا جو اپنے زمانے مین یکتائے فن و یگانہ دہر نہ سمجھا جاتا ہو، نظامیہ کے احاطہ مین ایک بڑا کتبخانہ بھی تھا، جو خود نظام الملک کے عہد مین تیار ہوا تھا، علامہ ابو زکریا تبریزی جو ایک مشہور مصنف عالم تھے، کتبخانہ کے منتظم تھے، (آثار البلاد قزوینی ذکر شہر تبریز)

۵۸۹ھ مین ناصر لدین اللہ خلیفہ عباسی کے حکم سے ایک اور کتبخانہ اُس کے احاطے مین تعمیر ہوا اور ہزارون نایاب کتابین شاہی کتبخانہ سے اس کے لئے عنایت ہوئین[۵۲]، نظامیہ کی مخصوص فیاضیون مین یہ بات بھی شمار کی گئی ہے، کہ اس نے طلبا کے لئے وظیفے اور تنخواہین مقرر کین جس کا اس سے پہلے شاید کبھی رواج نہین تھا[۵۳]، نظام الملک نے عام مدرسون کے علاوہ نیشاپور، ہرات، موصل،

سہ ۵۱ نظامیہ کے یہ حالات کامل ابن الاثیر واقعات ۴۵۹ھ و ۴۸۴ھ و اعلام تاریخ مکہ مطبوعہ جرمن ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۶۵ و تاریخ الخلفا سیوطی حالات ۴۵۹ھ و تاریخ ابن خلکان ترجمہ ابو اسحق شیرازی و ابو نصر صباغ و گبن صاحب کی رومن ہسٹری حصہ مسلمانان آغاز دولت عباسیہ، و حسن المحاضرہ علامہ سیوطی ذکر مدارس مصر مین اجمالاً و تفصیلاً مل سکتے ہین،

سہ ۵۲ کامل ابن الاثیر واقعات ۵۸۹ھ،

سہ ۵۳ حسن المحاضرۃ بحوالہ طبقات سبکی فصل امہات مدارس،

اصفہان مین جو بڑے بڑے کالج قائم کئے تھے وہ بھی نظامیہ کہلاتے تھے، اور مدت تک نہایت مشہور فایق علما اُن کے پروفیسر مقرر ہوتے رہے، مثلاً نظامیہ ہرات کے مدرس ابوسعد محمد بن یحییٰ شاگرد امام غزالی تھے، نظامیہ موصل مین ابو حامد محی الدین المتوفی ۵۴۴ھ نے درس دیا، ارجانی المتوفی ۵۴۴ھ نے نظامیۂ اصفہان مین تحصیل کی، لیکن نظامیہ بغداد گویا یونیورسٹی تھی اور یہ تمام کالج اس کی شاخین تھین،

نظام الملک نے جو صرف کثیر مدارس وغیرہ کے لئے شاہی خزانہ سے مقرر کیا تھا، اس پر ملک شاہ کو بھی خیال ہوا، اور اس نے نظام الملک کو بلا کر اپنے معمولی طریقے کے موافق کہا کہ "پیارے باپ اس قدر زر کثیر سے تو ایک فوج مرتب ہو سکتی ہے، جن لوگون پر آپ یہ فیاضیان کر رہے ہین ان سے ایسا بڑا کام کیا نکل سکتا ہے، نظام الملک نے کہا، جان پدر! مین تو بوڑھا ہون لیکن تم جو ایک نوجوان ترک ہو، اگر بازار مین بیچنے کے لئے کھڑے کئے جاؤ تو امید نہین کہ تیس دینار سے زیادہ تمھاری قیمت اٹھے، اس پر خدا نے تم کو اتنا ملک عنایت کیا، کیا اس کا اتنا شکریہ بھی تم ادا نہین کر سکتے، تمھاری فوج کے تیر چند قدم پر کام دیسکتے ہین، لیکن مین جو فوج تیار کر رہا ہون اسکی دعاؤن کے تیر آسمان کی سپر سے بھی نہین رک سکتے" ملک شاہ بیساختہ بول اٹھا کہ "مرحبا پیارے باپ ایسی فوجین جس قدر ممکن ہون اور تیار کرنی چاہئین[1]"

مسلمانون کی علمی تاریخ مین یہ بات بھی نہایت عجیب اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قائم ہونے کے تمام حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ اب علم علم کیلئے نہین، بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائیگا"، اس روایت سے آیندہ ہمکو ایک رائے قائم کرنے مین مدد ملیگی، نظامیہ نے اپنے اثر سے

[1] اعلام تاریخ مکہ ذکر مدرسہ نظامیہ،

ایک عجیب گرمجوشی تمام ملک مین پیدا کر دی، وہ پانچوین صدی مین قائم ہوا، اور چھٹی صدی تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بجز اسپین کے) علمی عمارتون سے خالی نہ رہا، خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً مرو، نیشاپور، ہرات، بلخ، اور ایران کے علاقے، گو پہلے سے علم و فضل کے مرکز تھے، مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا، یاقوت حموی قریباً چھٹی صدی مین جب مرو پہنچا تو وہان بہت سے مدرسے اور کتبخانے موجود پائے جن مدرسون کے متعلق بڑے بڑے کتبخانے تھے، ان کے یہ نام ہین: مستوفیہ، شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور المتوفی ۴۹۴ھ کا قائم کیا ہوا، عمیدیہ، خاتونیہ اس مین چند کتبخانے تھے، نظامیہ، نظام الملک حسن بن اسحٰق کا قائم کیا ہوا،

یاقوت حموی، معجم البلدان[1] جیسی عجیب اور جامع کتاب انھین کتبخانون کی مدد سے لکھ سکا،[2] خاص شہر نیشاپور کی کثرتِ مدارس کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ ۵۵۶ھ مین جب اندرونی فسادات نے اس کو غارت کیا تو عام عمارتون کے ساتھ ۲۵ حنیفہ اور شافعیہ مدرسے بھی برباد ہوئے، ان کے علاوہ بارہ[۱۲] کتب خانے بھی جل گئے، یا لوٹ لئے گئے، یزد مین صرف علامہ حسین بن احمد ابوالفضل المتوفی ۵۹۱ھ کے اہتمام مین بارہ[۱۲] مدرسے تھے جنمین بارہ[۱۲] سو طلبہ تعلیم پاتے تھے[3] خوارزم کا بڑا کالج امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ کی پروفیسری سے ممتاز تھا، مسٹر شارڈن سیاح فرانس جنھون نے دولت صفویہ کے زمانہ مین ایران کے اکثر مقامات کی سیر کی، اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین کہ "سلیمان صفویہ کے عہد مین خاص شہر اصفہان مین اڑتالیس[۴۸] مدرسے موجود تھے"! (مرات البلدان ناصری، جلد اول صفحہ ۴۵، مطبوعہ ایران)

---

[1] یہ عربی زبان مین ایک جغرافیہ کی کتاب ہے، جو کم و بیش چار ہزار صفحون مین ہے اور اس جامعیت سے لکھی گئی ہے، کہ عقل حیران ہوتی ہے، یورپ مین چھاپی گئی ہے،

[2] دیکھو معجم البلدان حالات مرو"

[3] حسن المحاضرہ جلد اول، صفحہ ۲۶۴ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ،

خود بغداد مین نظامیہ کے ہوتے تین[3] بڑے بڑے کالج موجود تھے، جن کے بلند ایوانات اور وسعتِ عمارت کی نسبت علامہ ابن جبیر کا بیان ہے کہ ہر ایک بجاے خود ایک مستقل شہر معلوم ہوتا ہے[5]، علامۂ موصوف نے ۵۸۰ھ مین بغداد کو دیکھا تھا، بغداد کے بعض مدرسون کا ہم ایک مختصر سا نقشہ فہرست کے طور پر درج کرتے ہین :-

مدرسہ	بانی	کیفیت
مدرسہ تاجیہ	تاج الملک مستوفی السلطان	غالباً ۴۸۲ھ مین تعمیر ہوا، امام ابوبکر شاشی مدرس اعظم مقرر ہوئے، (کامل بن الاثیر واقعات ۴۸۲ھ)
مدرسہ مستوفیہ	شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور	یہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا مستوفی تھا، ۴۹۴ھ مین وفات پائی، یہ مدرسہ باب الطاق کے پاس تھا، (کامل واقعات ۴۹۴ھ)
مدرسہ کمالیہ	کمال الدین ابوالفتوح	صاحب المخزن تھا، یہ مدرسہ ۵۳۵ھ مین تیار ہوا رسم افتتاح مین بغداد کے تمام اعیان شریک تھے، (کامل واقعات ۵۳۵ھ)
مدرسہ ابوالمظفر	ابوالمظفر عون الدین	۵۴۴ھ مین خلیفہ المقتفی بامر اللہ کے دربار مین منصبِ وزارت پر ممتاز ہوا، (ابن خلکان حالات وزیر مذکور)
مدرسہ ثقۃ الدولہ	علی بن محمد معروف بہ ثقۃ الدولہ	خلیفہ المقتفی کا مقرب تھا، یہ مدرسہ شافعیون

[5] سفرنامہ علامہ ابن جبیر حالات بغداد بمقام لیڈن ۱۸۵۲ء مین چھاپا گیا ہے۔

کیفیت	بانی	مدرسہ
کے لئے خاص تھا، دجلہ کے کنارے پر اس کی عمارتھی ثقۃالدولہ نے ۵۹۲ھ مین وفات کی (ابن خلکان ترجمہ شہدۃ فخرالنساء)		
نظامیہ کے متصل ہے ابومنصور محمد ہروی جن کی عظمت وشان ان کے حالات کے پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے، قریباً ۵۶۰ھ مین پروفیسر مقرر ہوئے، مدرسۂ نظامیہ مین بھی وعظ کہا کرتے تھے نظامیہ کی پروفیسری کیلئے بھی امیدوار کئے گئے تھے، (ابن خلکان، حالات ابومنصور مذکور)		مدرسہ بہائیہ
ان کا باپ وزیر تھا، فخرالدولہ نے ۵۸۰ھ مین وفات پائی، (کامل بن الاثیر واقعات ۵۸۰ھ)	فخرالدولہ	مدرسہ فخریہ
	خلیفہ ناصرلدین اللہ کی والدہ،	مدرسۂ والدہ ناصرلدین اللہ
اس مدرسہ کا کسی قدر تفصیلی حال ہم لکھتے ہین ان مدرسون کے علاوہ بغداد مین مشہد ابی حنیفہ، وقفیہ زیرکیہ معینیہ، عنائیۃ مدرسۃ قدلمیۃ عباسیہ شہرت عام رکھتے تھے طبقات الحنفیہ وغیرہ مین انکے مدرسین وغیرہ کے حالات مل سکتے ہین، بغداد کے اکثر مدرسے بغداد کے	خلیفہ المستنصر باللہ	مستنصریہ

		تباہ ہونے کے بعد بھی قائم رہے،

دولت عباسیہ کی تاریخ مین یہ بات بڑے الزام کے قابل تھی کہ ان تمام علمی عمارتون مین سے ایک بھی کسی عباسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی، اور دارالخلافہ بغداد اس خاص حیثیت سے بالکل دوسری نسلون کا ممنون تھا، خلیفہ المستنصر باللہ نے جو رجب ۶۲۳ھ مین تخت نشین ہوا، اس الزام کو اٹھانا چاہا، اتنی مدت کی غلطی کا کفارہ بھی اسی مقدار سے ہونا چاہئے تھا، اور انصاف یہ ہے کہ ایسا ہی ہوا، باتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ جس عظمت و شان کا یہ مدرسہ بنا اسکی نظیر سے گذشتہ اور موجودہ دونون زمانے خالی ہین، ۶۲۵ھ مین دجلہ کے کنارے اُس کی بنیاد کا مبارک پتھر رکھا گیا، اور چھ برس کی مدت مین سلسلہ عمارت پورا تیار ہوا، عمارت کا ایک حصہ عین دجلہ مین تھا، (مستنصریہ کے آثار اب بھی موجود ہین، ناصر الدین بادشاہ حال ایران نے سفرنامۂ ایشیا مین اس کی گذشتہ شوکت یاد دلانے والی ٹوٹی ہوئی عمارت کا ذکر کیا ہے) اسی سنہ مین ماہ رجب جمعرات کے دن اس کی رسم افتتاح بڑی شوکت و شان سے ادا ہوئی، جسمین بغداد کے تمام اعیان و افسران فوج و علما، مدرسین و قضاۃ و اہل منصب شریک تھے مستنصر نے تمام اعیان و امرا کو خلعتین عنایت کین، اور موید الدین علقمی جس کے اہتمام مین عمارت تیار ہوئی تھی اس کی جاگیر مضاعف کر دی، مذاہب اربعہ کے فقہا، اور شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لئے مقرر ہوئے، ایک سو ساٹھ اونٹ پر لاد کر عمدہ عمدہ کتابین کتبخانہ شاہی سے اس کے استعمال کے لئے آئین، مدرسہ ہی کے احاطہ مین ایک ہسپتال اور مزملہ بھی تھا، (جس سے گرمیون مین پانی ٹھنڈا کرتے ہین) دو سو اڑتالیس مستعد طلبا مدرسہ کھلنے کے ساتھ بورڈنگ مین داخل ہوئے، جنکو مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ مدرسہ کی طرف سے ملتا تھا، ان کے دسترخوان پر معمولی کھانے کے علاوہ شیرینی لو

میوے بھی چنے جاتے تھے، ان سب کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار الگ وظیفہ کے طور پر مقرر تھی سیکڑون دیہات اور موضع مدرسہ کے سالانہ مصارف کے لئے وقف تھے جنکی مجموعی آمدنی ستر ہزار مثقال سونا یعنی آج کل کے حساب سے تقریباً ساڑھے چار لاکھ سالانہ تھی [۱] (علامہ ذہبی نے تاریخ دول الاسلام مین ان مواضع کی پوری فہرست دی ہے) حنفیون کے مدرس اعظم شیخ عمر ملقب بہ رشید الدین فرغانی تھے، جو فقہ اصول، حکمۃ کلام مین بڑے ماہر گنے جاتے تھے پہلے سنجار کے مدرسہ مین مدرس تھے پھر مستنصر باللہ نے فرمان بھیجکر بلالیا [۲] تھا، مدرسے کے دروازے پر ایک ایوان تھا جسمین ایک نہایت عجیب اور بیش قیمت گھڑی رکھی تھی [۳] جس کو علی بن تغلب بن ابی الضیا البعلبکی ایک مشہور ہیئت دان و منجم نے تیار کیا تھا [۴] جو بعد کو الساعاتی یعنی گھڑی ساز کے نام سے مشہور ہوا،

۱؎ دیکھو تاریخ الخلفاء سیوطی، حالات مستنصر باللہ و اعلام تاریخ مکہ صفحہ ۱۸۴، و مرات البلدان ناصری مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۴۶۴ و دول الاسلام علامہ ذہبی، و جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیۃ ترجمہ عمر بن محمد بن الحسین بن ابی عمر بن محمد ابوحفص، فرغانی مدرس اول مستنصریہ جواہر مضیہ مین مدرسین شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نام بھی لکھے ہین،

۲؎ آثار البلاد قزوینی ذکر شہر فرغانہ،

۳؎ شاید یہ دوسری گھڑی ہے، جو دولت عباسیہ کے عہد مین تیار ہوئی اس سے بہت پہلے ہرون الرشید نے جو گھڑی شاہ فرانس کو بھیجی تھی، یورپ مین وہ تعجب کی نگاہ سے دیکھی گئی، فرانس کے مورخون کا بیان ہے کہ ہمارے ملک مین پہلے گھڑی وہ ظاہر ہوئی، جو ہرون الرشید نے ۸۰۷ء مین شارل مین بادشاہ فرانس کو تحفہ کے طور پر بھیجی تھی، یہ گھڑی ایسی عجیب و غریب تھی کہ تمام دربار فرانس حیرت مین رہگیا، اس گھڑی مین بارہ دروازے تھے، جب گھنٹہ پورا ہوتا تھا تو ایک دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور ایک مونگری جو تانبے کی بنی ہوئی تھی وہ جرس پر پڑتی تھی یہ دروازے کھلے رہتے تھے اور جب ایک دورہ پورا ہو جاتا تھا، تو دروازون سے بارہ سوار نکلتے تھے اور گھڑی کی پیشانی پر چکر لگاتے تھے، (دیکھو کشف المخبا عن فنون اوربا، مطبوعہ جوائب ۱۲۹۹ھ صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹) ایک انگریزی تصنیف مین بھی قریب قریب یہی تفصیل مذکور ہے،

۴؎ دیکھو جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ ترجمہ احمد بن علی بن تغلب بن ابی الضیاء المذکور، کسی قدر اس گھڑی کے حالات آثار البلاد علامہ قزوینی مین بذیل عجائبات بغداد ملین گے،

عبد الرزاق ابن الفوطی جو محقق طوسی کا شاگرد رشید تھا، اور دس برس تک مراغہ کی رصدگاہ مین
محقق صاحب کے ساتھ خزانۃ الرصد کا مہتم رہ چکا تھا، واقعہ تتار کے بعد کتبخانے کا افسر مقرر ہوا،
جہان رہکر اس نے تاریخ کی ایک کتاب ۵۰ جلدون مین لکھی[1]،

چھٹی صدی مین جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، ممالک اسلامیہ کا کوئی حصہ علمی یادگارون سے
خالی نہ رہا، عرب اور مصر بھی جہان اب تک اس قسم کی ایک عمارت بھی موجود نہ تھی، اس صدی
مین کالج اور اسکولون سے معمور ہو گئے، مصر مین خلیفہ عبیدی حاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ مین جو دار العلم
قایم کیا تھا، ۴۰۳ھ مین خود اس کو برباد کر دیا، اور اس وقت سے پھر کسی نے اس طرف توجہ نہین
کی چھٹی صدی مین دو خاندان نوریہ و صلاحیہ اسلامی عظمت و شوکت کے اصلی مرکز تھے، نور الدین
محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ جو شوال ۵۴۱ھ مین تخت نشین ہوا، دولت نوریہ کا بانی اور مصر و شام
کا مستقل فرمان روا تھا، اس نے قریبًا پچاس شہر و قلعے یورپ کے پنجۂ غصب سے واپس لئے تھے،
صلاح الدین المتوفی ۵۸۹ھ نے نور الدین ہی کے دامن فیض مین تربیت پائی تھی، لیکن کروسیڈ
کی لڑائیون اور خصوصًا بیت المقدس کی فتح نے اُس کو اپنے آقا سے بھی زیادہ شہرت اور عزت دی،
یہ دونون خاندان صرف اسی بات مین نام آور نہ تھے، کہ انھون نے مسلمانون کی بھولی ہوئی عظمت
ایک بار اور یورپ کو یاد دلادی، بلکہ اس بات مین بھی کہ اُن کی وجہ سے ممالک مصر و شام مین
علم کا آوازہ نہایت بلند ہو گیا،

صلاح الدین و نور الدین کا عہد

نور الدین نے حلب، حماۃ، حمص، بعلبک، منبج، رحبہ مین بڑے بڑے مدرسے قائم کئے،
خاص دمشق مین جو اس کا پایہ تخت تھا، ایک ایسا عظیم الشان مدرسہ بنایا کہ مدت تک بے نظیر
خیال کیا جاتا تھا، یہ فخر بھی خاص نور الدین کی قسمت مین تھا کہ تمام دنیا مین جو پہلا دار الحدیث

---

[1] دیکھو تتمہ ابن خلکان ترجمہ ابن الفوطی،

قائم ہوا، اس کے نام سے ہوا، ورنہ اس سے پہلے خاص علم حدیث کے درس کے لئے کوئی مدرسہ نہین تعمیر ہوا تھا[1]، علامہ ابن جبیر نے ۵۸۰ھ مین جب دمشق کو دیکھا تو خاص[2] شہر مین ۲۰ کالج تھے، عام حکم تھا کہ جو شخص کوئی مدرسہ قایم کرے اُس کو تمام مصارف خزانہ شاہی سے ملین گے، مغربی طلبا کے لئے خاصۃً سات باغ اور کچھ زمین وقف تھی، جس کی سالانہ آمدنی پانسو[5] اشرفیان تھین، جو لڑکے قرآن ختم نہین کر سکتے تھے اُن کو صرف سورہ کوثر سے اخیر تک پڑھایا جاتا تھا، ان مین سے پانسو لڑکون کا وظیفہ خزانۂ شاہی سے مقرر تھا[2]، نورالدین نے خاص اپنے ذاتی مال سے مدارس اور مکاتب وغیرہ پر جو جاگیرین وقف کی تھین، اور جو اس کی وفات کے بعد بھی سیکڑون برس تک قائم رہین ان کی آمدنی نو[9] ہزار صوریہ اشرفیان تھین[3]،

اسی طرح سلطان صلاح الدین نے، اسکندریہ، قاہرہ، بیت المقدس، دمشق وغیرہ مین مدرسے قائم کئے، اور بے انتہا آمدنی ان پر وقف کی[4]، علامہ ابن جبیر لکھتے ہین کہ اسکندریہ کے بورڈنگ مین اذن عام تھا کہ جو شخص کہین سے بطلب علم آئے، اس کو مکان، خوراک، حمام، ہسپتال سب کچھ سلطنت کی طرف سے مہیا ملے گا[5]، صلاح الدین کے عہد مین علما کی جو تنخواہین مقرر تھین اُن کی تعداد تین لاکھ دینار سالانہ تھی جس کے آج کل کے حساب سے کم از کم پندرہ[15] لاکھ روپیے ہوتے ہین ماد روضتین فی اخبار الدولتین جلد ثانی صفحہ ۱۳۸، مطبوعۂ مصر)

صلاح الدین کے عہد مین علماء کی تنخواہین،

صلاح الدین کا تمام خاندان اس قسم کی فیاضیون مین نامور تھا، عموماً امرا اور اعیانِ دولت بلکہ خواتین مین بھی یہ جوش پھیل گیا تھا، اور یہ بات نہایت ذلت کی سمجھی جاتی تھی کہ کوئی

---

[1] ابن خلکان ترجمہ نورالدین و حسن المحاضرۃ ذکر مدرسہ کاملیۃ، [2] یہ تمام حالات سفرنامہ علامہ ابن جبیر بو دمشق کے ذکر مین ملین گے، [3] روضتین فی اخبار الدولتین مطبوعہ مصر ۱۲۸۷ھ جلد اول صفحہ ۱۰، روضتین کے مصنف نے ایک عہدہ دار سے جو ان جاگیرون سے تعلق رکھتا تھا، ۶۰۰ھ مین یہ تعداد تحقیق کی تھی، [4] ابن خلکان ترجمہ صلاح الدین [5] سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۴۰،

دولتمند شخص مرے اور دنیا مین کوئی علمی یادگار نہ چھوڑ جائے،

سلطان صلاح الدین کا نامور فرزند الملک الظاہر ابو الفتح غازی، جس زمانہ مین حلب کا فرمان روا تھا، قاضی ابو المحاسن بہاء الدین شافعی جو مدرسہ نظامیہ مین نائب رہ چکے تھے اور نہایت مشہور فاضل تھے، سنہ ۵۹۱ھ مین اس کی خدمت مین باریاب ہوئے، حلب مین اگرچہ اس وقت بھی چند مدرسے موجود تھے[1] لیکن قاضی صاحب نے ان کو کافی نہین سمجھا، اور الملک الظاہر سے کہہ کر بہت سی جاگیرین خاص ان مصارف کے لئے مقرر کرائین، خود بھی دو مدرسے، شافعیہ و دار الحدیث قائم کئے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہین کہ اس وقت سے حلب کی علمی شہرت نہایت عام ہو گئی، اور دور دور دراز ملکون سے اہل علم نے وہان آنا شروع کیا، تھوڑے ہی دنون مین حلب بھی دمشق و مصر کی طرح علوم و فنون کا مرکز بن گیا[2]،

اس زمانہ مین مصر قاہرہ، دمشق، حلب، اربل کے تمام علاقون مین جو بے انتہا مدارس قائم ہو گئے، انکو کون شمار کر سکتا ہے، اگر کوئی شخص چاہے تو جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ و حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر و قاہرہ، وفیات الوفیات و ابن خلکان وغیرہ سے ایک بڑی فہرست تیار کر سکتا ہے، لیکن ہم اس موقع پر صرف ان بڑے بڑے مدرسون کا ایک نقشہ دیتے ہین جو خاصۃً صلاحیہ و نوریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہین بعض مدرسین کے بھی ہم نام لکھین گے جس سے معلوم ہو گا کہ جو علماء اس زمانہ مین علم و فضل کے مامن تھے اکثر انھین مدرسون کے منصب درس پر ممتاز تھے،

---

[1] سنہ ۵۸۰ھ مین جب علامہ ابن جبیر نے حلب کو دیکھا تو وہان چند مدرسے موجود تھے، جنمین سے ایک مدرسہ نہایت عالیشان اور عمارت کی خوبی مین وہان کے مشہور جامع مسجد کا ہمسر تھا، اس کے بورڈنگ اور عام مکانات پر انگور کی بیلین چڑھادی تھین اور طالب العلم اپنی جگہ سے بیٹھے انگور کھا سکتے تھے، (سفرنامہ ابن جبیر، ذکر حلب)

[2] ابن خلکان ترجمہ قاضی صاحب موصوف،

دولت صلاحیہ

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
شافعیہ یا صلاحیہ	صلاح الدین المتوفی ۵۸۹ھ	مصر	علامہ نجم الدین خبوشانی بمشاہرہ ص دینار مدرس اعظم اور مہتمم مقرر ہوئے اور دس مدرس ان کے ماتحت تھے، تقی الدین بن دقیق العید، سراج بلقینی، حافظ ابن حجر، بہاء الدین قاضی القضاۃ وغیرہ وقتاً فوقتاً اس مین مدرس مقرر ہوئے، نہایت کثیر آمدنی اس پر وقف تھی، علامہ ابن جبیر لکھتے ہین کہ اس کی سلسلہ عمارات پر ایک مستقل آبادی کا گمان ہوتا ہے،
شافعیہ	”	”	شاید مصر مین صلاح الدین نے پہلا مدرسہ ۵۶۶ھ مین یہی قائم کیا، (روضتین، جلد اول صفحہ ۱۹۱)
مالکیہ یا قمحیہ،	”	”	محرم ۵۶۶ھ مین قایم ہوا، قریبا ۷۸۴ھ مین علامہ ابن خلدون نے بھی اس مین درس دیا (تاریخ ابن خلدون، حالات مصنف) و

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
	؍		روضتین فی اخبار الدولتین،)
زین التجار (یا) شریفیہ	صلاح الدین المتوفی ۵۸۹ھ	مصر	عماد الدین عباسی، سراج الدین بلقینی، (استاد جلال الدین سیوطی) تقی الدین قاضی القضاۃ وغیرہم اس مین درس دیتے تھے،
مشہد	"	قاہرہ	یہ مدرسہ صلاح الدین کے نام سے مشہور نہین ہے (ابن خلکان، حالات صلاح الدین)
سوفیہ	"	"	حنفیون کے لئے خاص تھا،
صلاحیہ	"	بیت المقدس	اس کے مدرسین کی تنخواہین بیش قرار تھین، (انس الجلیل تاریخ بیت المقدس)
	"	.	
صلاحیہ	"	دمشق	
افضلیہ	الملک الافضل بن صلاح الدین	بیت المقدس	مالکیہ کے لئے خاص تھا،
ظاہریۃ	الملک الظاہر بن صلاح الدین	حلب	ابوالحسن سیاح مدرس اعظم تھے،
عزیزیہ	الملک العزیز بن صلاح الدین	دمشق	نہایت مشہور اور عظیم الشان مدرسہ تھا، علامہ سیف الدین آمدی المتوفی ۶۳۱ھ مدرس اعظم تھے
اسدیہ	اسد الدین شیرکوہ عم صلاح الدین	حلب	علامہ ابن الصلاح کے والد مدرس اعظم تھے،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
ستیہ (یا) زمردیہ	زمرد ہمشیرہ صلاح الدین	دمشق	زمرد اور اس کے شوہر اور بھائی کی قبرین اسی مدرسہ مین ہین،
منازل العز (یا) تقویہ	الملک المظفر تقی الدین المتوفی ۵۸۷ھ برادرزادہ صلاح الدین	مصر	جزیرۂ روضہ کا کل خراج، و حمام الذہب کی آمدنی اس پر وقف تھی، (روضتین جلد اول صفحہ ۱۹۱) شافعیون کے لئے خاص تھا، ۵۶۶ھ مین قایم ہوا تھا،
مالکیہ تقویہ	″	″	مالکیون کے لئے خاص تھا،
عذراویہ	عذرا صلاح الدین کی بھتیجی تھی،	دمشق	
دارالحدیث	الملک الاشرف برادرزادہ صلاح الدین،	″	علامہ ابن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ مدرس اعظم تھے، علامہ ابن خلکان نے ایک برس تک ان کی خدمت مین تحصیل علم کی،
معظمیہ	الملک المعظم برادرزادہ صلاح الدین	″	الملک المعظم اور ان کے اکثر عزیز اسی مدرسہ مین مدفون ہین، ملک المعظم تصنیف اور فن ادب و فقہ مین نامور تھا، اس نے عام حکم دیا تھا کہ جس کو زمخشری کی مفصل زبانی یاد ہو سو اشرفیان اس کو انعام دیجاوین،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			اس تقریب سے اکثرون نے یہ مفید کتاب حفظ کر لی تھی،
معظمیہ	الملک المعظم برادر زادہ صلاح الدین	بیت المقدس	اس مدرسہ پر بہت سے دیہات و مواضع وقف تھے، ۶۲۶ھ مین قائم ہوا،
دار الحدیث الکاملیہ	الملک الکامل برادر زادہ صلاح الدین المتوفی ۶۳۵ھ	قاہرہ	یہ دوسرا دار الحدیث ہے، جو ممالک اسلامی مین دار الحدیث نوریہ کے بعد قایم ہوا، حافظ ابن وحیہ، زکی الدین منذری قطب قسطلانی، ابن دقیق العید ابن سید الناس حافظ زین الدین عراقی استاد حافظ ابن حجر، وقتاً فوقتاً اس کے مدرس مقرر ہوئے، یہ سب علما اپنے زمانہ مین بےمثیل خیال کئے گئے ہین،
صالحیہ	الملک الصالح نجم الدین ایوب بن الملک الکامل	”	یہ مدرسہ چار مدرسون پر مشتمل تھا مقریزی کا بیان ہے کہ وہ قاہرہ کے نامور اور عظیم الشان مدرسون مین گنا جاتا ہے، جب وہ کھولا گیا تو شعرائے قصائد و قطعے لکھے، حسن المحاضرہ مین چند اشعار نقل کئے ہین،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			سنہ ۶۳۹ھ مین قائم ہوا،
معینیہ	معین الدین خسر سلطان صلاح الدین	دمشق	
شبلیۃ	شبل الدولہ	״	نہایت مشہور مدرسہ ہے، شبل الدولہ زمرد خاتون (ہمشیرہ صلاح الدین) کا غلام تھا،
عزیۃ	عز الدین ایبک	״	عز الدین الملک المعظم کا غلام اور صرخد کا حاکم تھا، یہ مدرسہ میدان اخضر مین واقع ہے
شہابیہ	شہاب الدین طغربل	حلب	الملک العزیز اسی مدرسہ مین مدفون ہے،
مجیریہ	مجیر الدین	قاہرہ	مجیر الدین مشہور عالم اور سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا، یہ مدرسہ درب ملوخیہ کے پاس ہے، محرم سنہ [illegible] مین قائم ہوا،
بہائیتہ	ابو المحاسن یوسف بہاء الدین	حلب	علامہ ابن خلکان اسی مدرسہ کی بورڈنگ مین مدت تک رہے ہین، اور علوم کی تحصیل کی ہے،
دار الحدیث	״	״	
فاضلیہ	قاضی فاضل المتوفی سنہ ۵۹۶ھ	قاہرہ	قاہرہ کا مشہور مدرسہ ہے، قاضی فاضل سلطان صلاح الدین کے دربار کا منشی اور نہایت نامور شخص تھا،
فلکیۃ	فلک الدین برادر الملک العادل	دمشق	

خاندان نوریہ

کیفیت	مقام مدرسہ	بانی	مدرسہ
نور الدّین کی تربت اسی مدرسہ مین ہے، عرقلة ایک شاعر نے اسی مدرسہ کی شان مین لکھا ہے، ودمشق فی المداین بیت ملکہا وہذی فی المدارس بیت ملک، (روضتین)	دمشق	نور الدّین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ	نوریہ حنفیہ،
ممالک اسلامی مین حدیث کے درس کے لئے پہلا مدرسہ یہی تعمیر ہوا،	"	"	دار الحدیث نوریہ
یہ مدرسہ خاص شافعیون کے لئے بڑی عظمت وشان سے تعمیر ہونا شروع ہوا مگر تیار ہونے سے پہلے نور الدّین نے وفات کی، پھر الملک العادل برادر صلاح الدّین کے اہتمام سے اتمام کو پہنچا، حافظ ابوشامہ لکھتے ہین کہ تمام مدارس مین اس کا کوئی ہمسر نہین ہے، حافظ مذکور نے کتاب الروضتین اسی مدرسہ مین رہ کر لکھی ہے،	"	"	نوریہ شافعیہ
قطب الدّین شافعی جو مدرسہ نظامیہ بغداد	حلب	"	نوریہ

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			مین نائب مدرس رہ چکے تھے، اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے (ابن خلکان ترجمہ قطب الدین)
عمادیہ	نور الدین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ	حلب	نور الدین نے ۵۶۷ھ مین عماد کاتب کو اسکا مہتمم اور افسر مقرر کیا، اس وجہ سے یہ مدرسہ انھین کے نام سے مشہور ہو گیا، ۵۶۹ھ مین نور الدین نے عماد کاتب کے پاس مدرسہ کے دروازہ پر مینا کاری اور سنہری کام بنوانے کے لئے یاقوت وغیرہ اور سونا بھجوایا، (روضتین)
عزیہ	عز الدین نبیرۂ نور الدین المتوفی ۵۸۹ھ	موصل	یہ مدرسہ ایوان شاہی کے مقابل واقع ہے، شافعیہ و حنفیہ دونون فرقون کے لئے تھا، عمدہ اور مشہور مدرسہ ہے، عز الدین کی قبر بھی اسی کے احاطہ مین ہے، (ابن خلکان و روضتین)
سیفیہ عتیقیہ	سیف الدین غازی برادر نور الدین المتوفی ۵۴۴ھ	”	عالیشان اور مشہور مدرسہ ہے، سیف الدین اسی کے احاطہ مین مدفون تھے، حنفیہ و شافعیہ کے لئے تھا،

کیفیت	مقام مدرسہ	بانی	مدرسہ
عز الدین کے مدرسہ کے سامنے ہے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہین کہ حسن وخوبی مین یہ مدرسہ لاجواب کہا جا سکتا ہے،	موصل	ارسلان نور الدین شاہ ابن عز الدین مذکور،	ارسلانیہ
الملک القاہر اسی مدرسہ مین مدفون ہے،	"	الملک القاہر ابن نور الدین ارسلان شاہ المتوفی ۶۱۵ھ	مدرسۃ الملک القاہر
نور الدین نے مساجد کے اوقاف کا انتظام ان کے متعلق کیا تھا، اور اُن کے ایما سے بہت سے مدرسے بنوائے،	دمشق	ابو سعد شرف الدین المتوفی ۵۸۵ھ	مدرسہ ابو سعد
ابو منصور، سیف الدین غازی کی طرف سے موصل کا حاکم تھا، علامہ ابن اثیر مصنف مثل السائر اسی کے دربار مین منشی تھے، ۵۵۹ھ مین قائم ہوا،	موصل	ابو منصور قایماز	قایمازیہ
اس مدرسہ پر بہت سے مواضع وقف تھے،	اربل	"	قائمازیہ
ابو منصور قایماز انھین کا آزاد کردہ غلام تھا، زین الدین نے موصل اور بغداد مین بھی مدرسے بنوائے تھے، (روضتین)	"	زین الدین علی المتوفی ۵۶۳ھ	زینیہ
مجاہد الدین امرائے نور الدین مین ایک	دمشق	امیر مجاہد الدین	مجاہدیہ

کیفیت	مقام مدرسہ	بانی	مدرسہ
نامور شخص تھا، یہ مدرسہ باب الفرادیس کے پاس ہے، (روضتین)		المتوفی ۵۵۵ھ	
یہ مدرسہ نور الدین کے مدرسہ کے پہلو مین ہے، (روضتین)		امیر مجاہد الدین المتوفی ۵۵۵ھ	مجاہدیہ

ان مدرسون کے علاوہ اس زمانہ مین اور بہت سے نامور مدرسے شام و مصر مین موجود تھے، جنکا تذکرہ اکثر طبقات اور تاریخون مین پایا جاتا ہے، دمشق مین رواحیہ، صادریہ، ریحانیۃ، امینیۃ، حلب مین حلاویۃ، قلیجیۃ، طرخانیۃ، اربل مین مظفریہ، مدرسۃ القلعۃ، ایسے مشہور مدرسے تھے، جن کی شہرت عام کی وجہ سے مورخین اُن کے تذکرہ مین صرف نام پر اکتفا کر جاتے ہین،

یہ مختصر فہرست جو ہم نے نمونہ کے طور پر پیش کی ہے، ابن خلکان، حسن المحاضرۃ علامہ سیوطی، روضتین فی اخبار الدولتین، جواہر مضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، وانس الجلیل فی تاریخ القدس والخلیل، و ذیل ابن خلکان سے ماخوذ ہے، لیکن یہ حالات ایسے متفرق موقعون پر مذکور ہین، کہ خاص خاص حوالے نہین دیئے جا سکتے تھے،

خاندان صلاحیہ کا سلسلہ ۶۵۴ھ مین منقطع ہوگیا، اور ۹۲۳ھ تک مصر و عرب کی قسمت اتراک و چراکسہ کے ہاتھ مین رہی، اتراک نے ۷۸۳ھ تک حکومت کی، پھر چراکسہ قابض ہوئے یہ دونون خاندان زرخرید غلام تھے، جو ترقی کر کے منصب حکومت تک پہنچے تھے، ان خاندانون مین بھی حکومت خاندان کے سلسلہ سے نہین چلتی تھی، ترک اور چرکس غلام جو فوج مین بھرتی ہونے کے لئے ہمیشہ خریدے جاتے تھے، ان مین سے اقبال نے جس کا ساتھ دیا تخت نشین

ہو گیا، ان مین سے بعض بڑے جاہ واقتدار کے حکمران ہوئے، اور علم وفن کی نہایت قدردانی کی، اس عہد مین مدرسون کو اور بھی ترقی ہوئی، جس کے چند اسباب تھے، مدارس کے تمام اخراجات اوقاف مین داخل ہو چکے تھے، اور اگر کوئی جانشین حکومت ان کو واپس لینا چاہتا تو گروہِ علما جن کا ملک پر بہت اثر تھا عموماً مخالف ہو جاتا جیسا کہ ایک بار ۸۰۰ھ مین واقع ہوا، یہ ترکی غلام جنکو کل تک لوگ بازارون مین بکتے ہوئے دیکھ چکے تھے، اگر خود بھی اس قسم کی فیاضیان نہ دکھاتے اور اہلِ علم ان کا ساتھ نہ دیتے تو ان کو تختِ حکومت پر بیٹھنا نصیب نہین ہو سکتا تھا، خاص کر حرمین مین اس خاندان نے جو علمی فیاضیان کین ان کی نظیر پچھلے زمانون مین نہین مل سکتی،

چراکسہ کے عہد مین مدرسون کی ترقی

اس عہد سے پہلے مکہ معظمہ مین بہت کم مدرسے تھے، ۵۷۹ھ مین امیر فخر الدین زنجیلی نے مکہ معظمہ مین ایک مدرسہ بنوایا، ۵۸۰ھ مین خلیفہ المستضیٔ باللہ کی کنیز خاص طاب الزمان نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس مین دس فقہائے شافعی مدرس تھے، ۶۴۱ھ مین ایک اور مدرسہ تعمیر ہوا جس کا بانی الملک المنصور عمر بن علی والی یمن تھا، مصر کے ترک بادشاہون سے پہلے حرمین مین جو قابلِ اعتداد مدرسے موجود تھے، غالباً یہی دو تین تھے، لیکن ان ترکون کے عہد سے مکہ معظمہ بھی دوسرے شہرون کی طرح ایک بڑا دار العلم بن گیا،

عبد الباسط نے جو سلطان ظاہر ططر کی فوج مین ناظر تھا، مکہ معظمہ مین تین عمدہ مدرسے بنوائے، قاہرہ، غزہ، شام مین بھی اس نے بہت سے مدرسے قائم کئے تھے،

ملک اشرف قایتبائی نے جو خاندان چراکسہ مین سے تھا، اور ۸۷۲ھ مین تخت نشین ہوا، مکہ معظمہ مین چارون مذہب کے لئے نہایت عظیم الشان مدرسہ بنوایا، جس مین ۷۲ بہتر کمرے تھے اور بیچ مین جو نہایت وسیع کمرہ تھا اس کی چھت سنگ مرمر کی تھی، اور سونے کا کام کیا ہوا تھا، قایتبائی جب مکہ معظمہ گیا تو فوج وحشم کے ساتھ اسی مدرسے مین ٹھہرا، اور طلبا، فراش، بواب،

اہلِ مطبخ، منیجر، خزانچی، وغیرہ کی تنخواہین مقرر کین، قائتبائی نے مدینہ منورہ مین بھی ایک عالیشان مدرسہ بنوایا، ابن الناصر محمد بن قلاؤن نے مصر مین جو مدرسہ قائم کیا، وہ رفعت وشان کے اعتبار سے تمام دنیا مین بےنظیر سمجھا گیا ہے، ۷۵۷ھ مین اس کی تعمیر شروع ہوئی اور تین برس متصل ہر روز اس کی تعمیر مین بیس ہزار درہم صرف ہوئے جس کی کل تعداد آج کل کے حساب سے کم وبیش چوّن لاکھ روپیے ہوتی ہے، اس کا بڑا کمرہ جس کو پرنسپل ہال کہنا چاہئے، ۶۵ گز در ۶۵ گز تھا، خود سلطان ابن الناصر بھی زمانۂ تعمیر مین کثرتِ مصارف سے عاجز آگیا تھا، مگر یہ خیال ہمیشہ غیرت دلاتا رہا کہ "مصر کا وسیع ملک کیا ایک مدرسہ کے صرف سے بھی عہدہ برآ نہین ہو سکتا"، چارون مذہب کے فقیہ درس کے لئے مقرر تھے، ابن الناصر نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ چار بڑے بڑے منارے تعمیر کئے جائین، تین بن بھی چکے تھے، مگر جب ۷۶۲ھ مین اتفاقاً ایک منارہ کے گرنے سے تین سو یتیم بچے جو مکتب السبیل مین پڑھ رہے تھے دب کر مر گئے، تو یہ ارادہ ترک کر دیا گیا، [1]

اس عہد مین یہ واقعہ بھی ایک عجیب یادگار ہے، کہ ہندوستان کے حکمرانون مین سے بھی ایک بلند حوصلہ بادشاہ یعنی سلطان غیاث الدین نے مکہ معظمہ مین مدرسہ قائم کرنے کے لئے شریف مکہ کے پاس زرِ خطیر روانہ کیا، ہندوستان کا یہ پہلا بادشاہ ہے جس کے نام سے ایک مدرسہ منسوب کیا گیا ہے، ورنہ جیسا کہ ہم آگے چل کر لکھین گے، اس سرزمین مین اس قسم کا خیال کبھی نہین پیدا ہوا، رمضان ۸۱۳ھ مین اس کی تعمیر شروع ہوئی، اور صفر ۸۱۴ھ مین اتمام کو پہنچی، زمین بارہ ہزار مثقال کو خریدی گئی، اور مدرسے کے متعلق بہت سے ایوانات و مکانات تیار ہوئے، محرم ۸۱۴ھ مین بڑی شوکت و شان سے کھولا گیا، ساٹھ طالب العلم اسی وقت مدرسہ مین داخل ہوئے، اور سب کے لئے وظیفہ مقرر ہوا، چارون مذہب کے مدرس مقرر

[1] یہ پوری تفصیل حسن المحاضرۃ مدرسۂ سلطان حسین کے ذکر مین ہے،

ہوئے تھے، اور ہر ایک کے درس کا الگ الگ وقت مقرر تھا، غیاث الدین نے اس کے سوا چار مدرسے اور وہان قائم کئے، [۵]

نمونے کے طور پر ہم اتراک وچراکسہ کے عہد کے چند مدرسون کا ذکر کرتے ہین، جو خاص اسکندریہ وقاہرہ مین موجود تھے، اور یون تو بلادِ مصر وشام مین سیکڑون ہزارون مدرسے قایم ہوچکے تھے، قاضی مجیر الدین حنبلی نے سنہ ۹۰۰ھ مین خاص شہر بیت المقدس کی جو تاریخ لکھی اُس مین وہان کے ۱۳۸ ایسے مدرسون کی فہرست مع تاریخ تعمیر واسماے بانیان درج کی ہے، جو اس کے عہد مین موجود تھے، یہ تاریخ جس کا نام انس الجلیل ہے، سنہ ۱۲۸۳ھ مین بمقام مصر مطبع وہبیہ مین چھاپی گئی ہے،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کا نام	کیفیت
ظاہریہ قدیمہ [۲]	سنہ ۶۶۲ھ	الملک الظاہر بیبرس بندقداری المتوفی سنہ ۶۷۶ھ	علامہ تقی الدین بن رزین للشافعیۃ محب الدین بن عبد الرحمن مدرس حنفی، حافظ شرف الدین دمیاطی، مدرس حدیث، کمال الدین قرشی مدرس قرأت،	ایک کتبخانہ بھی اس پر وقف تھا، الملک الظاہر نے یورپ وتتار پر چند بار فتحین حاصل کین، اس کی فتوحات اور بہت سی عالی شان تعمیرات ومصارف سلطنت کو تتمۂ ابن خلکان مین تفصیل کے ساتھ لکھا ہے،

[۱] حرمین شریفین کے مدرسون کا ذکر اعلام وشفار الغرام تاریخ مکہ مین اجمالاً وتفصیلاً لکھا ہے، [۲] مدرسہ عبد الباسط کے سوا اور باقی مدرسون کا ذکر علامہ سیوطی نے اجمالاً وتفصیلاً کیا ہے، لیکن بہت سے زائد حالات مین نے تتمۂ ابن خلکان وخود حسن المحاضرہ کے مختلف مقامات سے لکھے ہین،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کا نام	کیفیت
منصوریہ		ملک منصور قلاؤن المتوفی سنہ ۶۸۹ھ	ابو حیان برہان الدین امین الدین شاگرد ابن الہمام،	یہ مدرسہ نہایت عظیم الشان تھا، علامہ کتبی مصنف تتمہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ مدرسہ اور اس مین جو ہسپتال تھا، بے نظیر خیال کئے گئے ہین، ملک منصور بڑی سطوت و جبروت کا بادشاہ تھا، اور اس کے خاندان نے اکثر یورپ پر فتحین حاصل کین،
ناصریہ	سنہ ۷۰۳ھ	ناصر محمد ولد قلاؤن المتوفی سنہ ۷۴۱ھ		اسمین چارون مذہب کا درس ہوتا تھا، یہ مدرسہ نہایت پر شوکت تھا، اور دروازے پر ہر وقت چوکی پہرہ رہتا تھا،
خانقاہ بیبرسیہ	سنہ ۷۰۶ھ	امیر رکن الدین بیبرس		قاہرہ مین اس سے بڑی کوئی خانقاہ نہین ہے، اسمین جو کٹگھرہ تھا، وہ بغداد کے ایوانِ خلافت سے نکال کر آیا تھا اور بطور یادگار فتح اسمین لگایا گیا تھا،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کے نام	کیفیت
خانقاہ شیخو	۷۵۶ھ	امیر کبیر سیف الدین افسر امراے احمداریہ،	اکمل بن محمود بابرتی جنکا حاشیہ ہدایہ پر عنایہ کے نام سے مشہور ہے، مدرس حنفی تھے شیخ بہاء الدین بن علاء تقی الدین سبکی مدرس شافعی، شیخ خلیل مصنف مختصر مدرس مالکی قاضی القضاۃ موفق الدین مدرس حنبلی جمال الدین عبداللہ بن رولی مدرس حدیث،	علامہ سیوطی نے بہت سے مدرسین کے نام لکھے ہین جو اس مین وقتاً فوقتاً فقہ و حدیث کے درس کے لئے مقرر ہوئے،
صرغتمشیہ	۷۵۷ھ	صرغتمش افسر امراے احمداریہ،	قوام اتقانی مدرس حنفی،	اس کی عمارت نہایت بلند اور پر تکلف تھی،
ظاہریہ جدیدہ	۷۸۸ھ		علاء الدین مدرس حنفی، اوحد الدین رومی مدرس شافعی، شمس الدین بن تکین مدرس مالکی، صلاح بن الاعمی مدرس حنبلی، احمد زادہ عجمی	۱۲ رجب کو کھولا گیا، شعرا نے اس کی شان مین قصیدے لکھے بادشاہ نے نہایت تکلف سے ایک عام دعوت کی جس مین تمام علماء وغیرہ مدعو تھے علاء الدین سیرامی مدرس حنفی جب آئے

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کے نام	کیفیت
			مدرس حدیث فخر الدین ضریر مدرس قرأت.	تو بادشاہ نے ان کا فرش اپنے ہاتھ سے بچھایا، علامہ ابن حجر لکھتے ہین کہ جتنے مدرس اس مین مقرر ہوئے کوئی شخص اس زمانے مین انکا ہمسر تھا
مدرسہ عبد الباسط	•	عبد الباسط بن خلیل بن ابراہیم الدمشقی،		یہ سلطان ظاہر ططر المتوفی ۸۲۴ھ کا ناظر العساکر تھا،
مویدیہ	۸۱۹ھ	الملک المؤید		اس کی عمارت پر چالیس ہزار اشرفیان صرف ہوئین،
اشرفیہ	۸۲۹ھ	ملک اشرف سیف الدین ابو النصر الدقماقی جس نے قبرس فتح کیا،		یہ مدرسہ نہایت زر خطیر کے صرف سے تیار کرایا، اور بہت سی آمدنی اوس پر وقف کی، (اعلام صفحہ ۲۰۰)

اسکندریہ و قاہرہ کے یہ وہ مدرسے ہین کہ ہر ایک کو کالج بلکہ یونیورسٹی کہنا چاہئے، علامہ سیوطی نے ان کو (بجز اخیر مدرسہ کے) امہات مدارس مین لکھا ہے، اور مصر کے اور بہت سے

مدرسون مثلاً فخریہ، فاضلیہ، سیفیہ، مغربیہ، مشہد نفیسی، مدرسہ قایتبائی، جمالیہ، دار المامون، عاشوریہ، خشابیہ، کہاریہ وغیرہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے، حالانکہ اکثر اُن کے مدرسین کے نام فقہاے مصر کے ذیل مین لکھے ہین،

تعلیم کے سلسلۂ تاریخ مین سلاطینِ ترک کا زمانہ تمام پچھلے زمانون سے زیادہ نمایان اور تابندہ ہے، ترکی مدارس بہت سے خصوصیات مین اولیت کا دعویٰ کر سکتے ہین، اور اس بات کا جائز حق رکھتے ہین کہ تاریخ کے صفحون مین تمام پچھلے مدرسون کے سلسلے سے الگ لیکن ممتاز موقع پر جگہ لین، گذشتہ عہدون مین مدرسے آپس مین کوئی انتظامی تعلق نہین رکھتے تھے، بلکہ بعض حالتون مین یہ کہنا چاہئے کہ وہ باہمی اختلاف کی ایک تحریک دلانے والی مثال تھی، لیکن ترکی مدارس ایک انتظامی رشتہ مین منسلک تھے، اور یہ کہنا چاہئے کہ ایک ہی خاندان کی اولاد تھے، پچھلے عہد مین تمام مدرسے محض مذہبی مدرسے تھے، اگرچہ اُن مین اور علوم بھی پڑھائے جاتے تھے، لیکن ترکون کا سررشتۂ تعلیم پولیٹکل حیثیت رکھتا تھا، وہ سلطنت کے لئے لایق لایق عہدہ دار پیدا کرتا تھا، تمام مدرسے ایک یونیورسٹی کے تابع تھے، اور طلبا و مدرسین درجہ بدرجہ ترقی حاصل کرتے تھے، مدرسین کے لئے پنشن کا حق جو ترکی حکومت مین نہایت فیاضانہ طور پر قائم کیا گیا تھا، اسلامی تاریخ مین غالباً پہلی ایجاد تھی، یہ تعجب ہے کہ اکثر حالتون مین پنشن اصل تنخواہ کے برابر ہوتی تھی، ترکون کے عہد مین تنخواہین بھی اکثر بیش قرار تھین[1]، بڑے بڑے مدرسون مین مدرس کو اکثر ساٹھ یا اسّی درہم روزانہ ملتے تھے، اور بعض حالتون مین یہ تعداد سَو بلکہ دو سَو درہم یومیہ تک پہنچ جاتی تھی، ہم اس موقع پر تاریخ اٹومین کا کچھ انتخاب نقل کرتے ہین،

---

[1] ٹرکی کے سفر مین مجھ کو اس رائے سے رجوع کرنا پڑا، درہم جس چیز کا نام ہے، اس سے مراد وہ سکہ ہے جسکو آج کل قرش کہتے ہین، اور یہ کل ۲؍ کا ہوتا ہے، اس حساب سے یہ تنخواہین بیش قرار نہین رہتین،

History of the ottomana Turks - By Sir Edward Creasy. M.A. latechief Justice of Ceylonedondo-n - Richard Bently & son

جس سے ترکی مدرسون کی نسبت ایک معقول رائے قایم کیجا سکتی ہے، یہ مورخ ترکی خاندان کے آئین ملکی اور عام انتظامات کے ذیل مین لکھتا ہی، محمد ثانی سے جو بادشاہ پہلے ہوئے وہ اور اُن مین خاص کر ارخان کو مدرسے اور کالجون کے قیام کا از حد شوق تھا لیکن محمد ثانی ان سب سے بڑھکر نکلا اور اس کے زمانے مین تعلیم کا بڑا چرچا ہوا، اور عالم لوگ بڑے بڑے عہدے پانے لگے قسطنطنیہ کا فاتح بخوبی جانتا تھا کہ سلطنت کے قیام اور وسعت کے لئے علاوہ جوانمردی اور قواعد دانی کے کچھ اور بھی ضروری ہے، چونکہ وہ خود پڑھا لکھا تھا، اس لئے اس نے اپنی رعایا کی تعلیم مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا، محمد نے علاوہ ابتدائی مدرسون کے جو مکتب کے نام سے مشہور ہین اور ہر گاؤن مین کثرت سے پائے جاتے ہین، بڑے بڑے مدرسون کی بنیاد ڈالی، طالب العلمون کو دس مختلف مضامین مین تعلیم ہوتی تھی، صرف، نحو، منطق، تاریخ، زبان، طرز تحریر، علم فصاحت و بلاغت، اقلیدس، ہئیت، جو طالب العلم ان دسون مضامین مین دستگاہ کامل حاصل کرتے تھے، دانشمند کا خطاب پاتے تھے، یہ بھی سب مضامین مثل اور مولوی فاضلون کے چھوٹے لڑکون کو پڑھاتے تھے، دانشمندون کو ابتدائی مدرسون کی اعلی مدرسی ملتی تھی، لیکن جماعت علما مین داخل ہونے کے لئے ان کو بہت کچھ قانون (فقہ سے مراد ہے) پڑھنا اور متواتر امتحان دینے ہوتے تھے، اور درجہ بدرجہ سند پاتے تھے، یہ تعلیم بے شبہ اسی تعلیم کے مطابق ہے، جو پندرہوین صدی مین پیرس اور کیمبرج مین دیجاتی تھی، اور اس بات کا بہت خیال کیا جاتا تھا کہ علما مین صرف وہ لوگ داخل ہون جو ذی علم اور ذی لیاقت ہون، ان

لوگون کو بڑی عزت اور فیاضانہ مدد اور خاص حقوق ملتے تھے۔ اسی جماعتِ علما مین سے بڑے کالجون کے اعلیٰ مدرس، قاضی، مفتی اور جج مقرر ہوتے تھے، مسجدون کے امام اور واعظ علما کے بعد ہین دنیا مین بجز ترکی کے کوئی ایسا ملک نہین جہان علماے مذہب ایسے ذی اختیار اور حکم شرع ایسا قوی ہو، عثمانی اس بات مین بڑے قابلِ عزت ہین کہ وہ لوگ مدرسون اور علما کی بڑی عزت کرتے ہین، جس کا نشان بھی عیسائی قومون مین نہین پایا جاتا"

ترکون مین ارخان (توپع ۷۲۶ھ) پہلا فرمانروا تھا جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی، اسکا ازنیق کا مدرسہ نہایت نامور ہوا، داؤد قیصری جنکی شرح فصوص الحکم مشہور ہے اور علاء الدین شارحِ وقایہ وغیرہ مدرس تھے، سلطان مراد کے زمانے مین اس کے مدرس اعظم کی تنخواہ ماسٹھ ۱۳۰ درہم یومیہ تھی، ارخان کے جانشینون نے اس سلسلہ کو بہت ترقی دی، اور محمد خان فاتح کے عہد مین حدِ کمال کو پہنچ گیا، محمد خان نے بچپن مین عمدہ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اُس کا علمی شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حکومت کے زمانے مین بھی وہ طالب العلمی کرتا رہا، اور علامہ خواجہ زادہ علامہ ابن الخطیب وغیرہ علما خاص اس کے پڑھانے پر مقرر تھے،

محمد فاتح نے ۸۶۵ھ مین بمقام قسطنطنیہ ایک بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت آٹھ کالج تھے، اور سب کے ساتھ جداگانہ بورڈنگ تھے، یہ عظیم الشان عمارت رجب ۸۷۵ھ مین تمام ہوئی علاء الدین طوسی خواجہ زادہ، ملا عبد الکریم، محمد بن مصطفیٰ، اور بہت سے علماء مدرس مقرر ہوئے جنمین سے اکثر کی تنخواہ سو درہم یومیہ تھی، محمد خان خود بھی ان مدرسون مین درس کے وقت کبھی کبھی شریک ہوتا تھا، ایک بار علامہ علاء الدین طوسی کے درس مین حاضر ہوا، شرح عضدیہ، سید شریف کا درس ہو رہا تھا، علامہ کی حسنِ تقریر سے ایسا محظوظ ہوا کہ رہ رہکر کھڑا ہو جاتا تھا سبق ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پان پانسو درہم طلبا کو صلہ دیا، علامہ علاء الدین

قوشجی کو مدرسہ ایا صوفیہ کا مدرس اعظم کیا، اور دو سو[2] درہم یومیہ تنخواہ مقرر کی، علامہ قوشجی کی شرح تجرید و خواجہ زادہ کے محاکمہ تہافۃ الفلاسفہ امام غزالی نے شہرت عام حاصل کی ہے، یہ محاکمہ بھی محمد خان کی فرمایش سے لکھا گیا تھا جس کے صلے مین اس نے دس ہزار درہم عنایت کیے تھے

بایزید خان نے جو ۸۸۶ھ مین تخت نشین ہوا، بہت سے مدرسے قائم کئے اس زمانہ مین مدرسین کے علاوہ جتنے نامور علما تھے سب کی تنخواہین بشرح دس ہزار عثمانی سالانہ مقرر کر دین، اور جو لوگ شرح مفتاح سکاکی کا درس دیتے تھے ان کی تنخواہ چار ہزار سالانہ مقرر کی، حرمین شریفین کے فقہا کے لئے چودہ[2] ہزار اشرفی سالانہ کا حکم دیا، سلطان سلیمان نے جو ۹۲۶ھ مین سریر حکومت پر بیٹھا علاوہ اور مدارس کے ۹۷۲ھ مین مکہ معظمہ مین چار بڑے بڑے مدرسے تعمیر کرائے، قاضی مکہ نے بنیاد کا پتھر رکھا اور تمام علما نے ان کی متابعت کی، ہر مدرس کی تنخواہ اس وقت ۵۰ عثمانی یومیہ پھر سو عثمانی مقرر ہوئی، ان مدرسون مین طب و حدیث کا بھی درس ہوتا تھا، قسطنطنیہ مین بہت سے عمدہ مدرسے بنوائے اور چھ سو[6] طلبہ کا وظیفہ مقرر کیا (عقد المنظوم فی افاضل الروم) سلطان سلیم نے پچھلی کوششون مین اور بہت کچھ اضافہ کیا، مراد نے جو ۹۸۲ھ مین تخت نشین ہوا، مکہ معظمہ مین بہ مقام صفا ایک مدرسہ بنوایا جسمین ایک مدرس ایک معید اور بیس[2] دانش مند تھے[1]،

ترکون کی علمی تاریخ کا ہم نے نہایت چھوٹا حصہ اور وہ بھی نہایت اختصار کیساتھ ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے، ترکون کی حکومت کو کم و بیش آج چھ سو برس ہوئے، اس وسیع مدت مین بیسیون سلاطین، سیکڑون وزرا، ہزارون اہل منصب نے نہایت حوصلہ مندی

[1] ترکی مدارس کے متعلق جو کچھ مین نے لکھا ہے آثار الدول قرمانی و اعلام و شفاء الغرام ہر دو تاریخ مکہ و شقائق نعمانیۃ فی علماء الدولۃ العثمانیہ و عقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم سے لکھا ہے،

سے فیاضیان دکھائین، ایک مختصر سے آرٹیکل مین ان کی اجمالی صورت بھی نہین دکھائی جا سکتی

شقائق نعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ وعقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم ان دو تاریخون مین ارخان کے عہد سے ۹۸۴ھ تک کے علماء مذکور ہین، ان کے حالات مین ترکی مدارس کا ذکر بھی ضمناً آجاتا ہے، اگر کوئی چاہے تو انھین دو کتابون سے قریباً دو سو کالجون اور مدرسون کی فہرست بنا سکتا ہے، جن مین تمام علوم درسیہ پڑھائے جاتے تھے، اور جن کے بانیون، مدرسون اور شرح تنخواہ کا حال ان تاریخون مین کسی قدر تفصیل سے مل سکتا ہے، اس موقع پر ہم جریاً للعادۃ ایک مختصر سا نقشہ درج کرتے ہین جس مین چند بڑے بڑے نامور کالجون کا ذکر اور ان کے اجمالی حالات ہین،

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
مرادیہ	بروسہ	سلطان مراد بویع ۷۶۱ھ،	۶۰ یومیہ یعنی ۱۸۰۰ ماہوار	اسی طرح تمام مدرسین کی تنخواہین جو لکھی ہین یومیہ تھین، ترکون مین تنخواہون کا حساب یوم سے ہوتا ہے،
سلطانیۃ	"	سلطان بایزید خان	۵۰ "	
قاسمیہ	"	قاسم پاشا	۵۰ "	
مناستر	"		۵۰ "	
محمدیہ	"	سلطان محمد خان اول	۵۰ "	
مرادیہ	قبلوجہ	سلطان مراد بن محمد خان	۶۰ "	
مرادیہ	بروسہ	"	۵۰ الی ۶۰	ملا نعمت اللہ معروف بروشنی زادہ،

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
حلبیہ	ادرنہ	.	خ۵۰ ر	.
محمودیہ	قسطنطنیہ	محمود پاشا وزیر اعظم	خ۵۰	عرب زادہ
مرادیہ	"	مراد پاشا	.	
قلندریہ	"	.	خ۵۰	
مدرسہ ابی ایوب	"	.	ل۵۰ ر	
بایزیدیہ	"	بایزید خان	ا ر	
بایزیدیہ	اماسیہ	"	ل۵۰	
ابراہیمیہ	قسطنطنیہ	ابراہیم پاشا	.	
مدرسہ علی پاشا	"	علی پاشا	خ۵۰	
مدرسہ مصطفے پاشا	"	مصطفے پاشا	خ۵۰	
رستمیہ	"	رستم پاشا وزیر کبیر	خ۵۰	شمس الدین خلف مفتی ابو السعود مفسر مشہور تھے یہ سترہ برس کے سن مین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے ۹۰۷ھ مین وفات کی،
قاسمیہ	"	قاسم پاشا	خ۵۰ ر	ملا محمد خلف مفتی ابو السعود متوفی ۹۷۱ھ
سلیمانیہ	"	سلطان سلیمان بن السلیم	ش۶۰ ر	

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
سلیمانیۃ	قسطنطنیہ	سلطان سلیمان	شہ٦٠ ،	
"	"	بن السلیم	"	
داؤدیہ	"	داؤد پاشا	ضہ٥٠ ،	
پیریہ	"	پیری پاشا	للغہ٤٥	
سنانیۃ	"	سنان کیننکچی	ضہ٥٠ ،	
سلیمیہ عتیقیہ	"	سلطان سلیم بن السلیمان	شہ٦٠ ،	
سلیمیہ جدیدیہ	"	"	ضہ٥٠ وشہ٦٠	
مدرسہ ست خاتون	"	ست خاتون	للغہ٤٥ ،	
خاصکیہ	"	زوجۃ السلیمان خان		
مدرسہ خانقاہ	"	"	ضہ٥٠ ،	
مدرسہ طرابزون	طرابزون	والدۂ سلطان سلیم خان۔	ضہ٥٠ ،	ملا نعمت اللہ معروف بروشنی زادہ۔
دار الحدیث	قسطنطنیہ	سلطان سلیمان خان	"	ملا کوسج امین۔
مدرسہ خسرویۃ	"	امیر الامراء خسرو	ضہ٥٠ ،	
سلیمانیہ	دمشق	سلطان سلیمان خان	لشہ٥٠ ،	
مدرسہ اطنہ	اطنہ	پیری پاشا	ضہ٥٠ ،	
گکیوزہ		مصطفےٰ پاشا	"	

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
دار الحدیث	ادرنہ	.	ما ر	ملا شمس الدین قاضی زادہ مدرس تھے،
احمدیہ	چورلے	احمد پاشا وزیر اعظم	صہ	ملا کوسج امین،
سلیمانیہ	ازنیق	سلیمان پاشا	صہ ر	
مدرسہ گگیوزہ	گگیوزہ	مصطفےٰ پاشا	.	
افضلیہ	قسطنطنیہ	.	صہ ر	

اخیر مین مجھکو یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ترکی مدارس کو جو ترجیح ہے، اور جس کا مین اعتراف کر چکا ہون، وہ زیادہ تر سلسلۂ انتظام، اصولِ ترقی، انضباطِ قواعد، کثرتِ مصارف کی رو سے ہے، اور سب سے زیادہ یہ کہ وہان کے تعلیم یافتہ طلبار کو باقاعدہ ملکی عہدے ملتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس قدر پولٹیکل پلہ بھاری ہوا، کمال علمی کا وزن کم ہوتا گیا، یہی بات ہے کہ چھ سو برس کی مدت مین ان مدارس سے ایسے کم لوگ اٹھے جو حکیم یا محقق کا لقب حاصل کر سکے، علامہ ابن خلدون نے تو کلیۃً نفی کی ہے، لیکن اگر صاحب کشف الظنون کی فہرستِ حکما تسلیم بھی کر لیجائے تاہم اس کا اختصار ترکون کے وسیع سلسلۂ حکومت سے موزون نسبت نہین پیدا کر سکے گا، حقیقت یہ ہے کہ ایشیا کی تاریخ مین کمال کو دنیوی جاہ و منصب کی خواہش سے کم تعلق رہا ہے،

ہمارے آرٹیکل کا یہ حصہ جس مین خاص قسم کے مدارس اور دار العلوم سے بحث ہے ختم کے قریب ہے اور صرف دو نامون کی جگہ اس مین اور خالی ہے، یعنی اندلس (اسپین) و ہندوستان، اس بات کا ہم کو بھی افسوس ہے کہ اسپین جو تیغ و قلم دونون مین خلافتِ بغداد کا حریف مقابل تھا، اس خاص سلسلہ مین سب سے اخیر نمبر پر ہے، ہم قرطبہ (کارڈوا) غرناطہ (گرینڈا)، کی شہرت

اور عظمت کے منکر نہین ہین، قرطبہ کے نقشہ مین ہم ۳۸۳۷ مسجدین ۹۰۰، ۷ حمام ۱۳۰۰۰۰ امام رعایا کے مکانات دیکھتے ہین، قصر الزہراء کامل، مجدد، قصر الحائر، روضہ مبارک، قصر السرور، رشیق تاج، بدیع[1] کے بلند اور زیب و زینت سے معمور عمارتین بھی ہماری آنکھون کے سامنے ہین لیکن اس تمام وسعت مین کسی کالج یا اسکول کا ہم کو نشان نہین ملتا، بے شبہہ قرطبہ کی علمی شہرت بغداد سے کم درجہ پر نہین ہے، بے شبہہ یورپ کی استادی کا فخر اسپین ہی کا خاص حصہ ہے، لیکن اس وقت اصطلاحی مدارس سے بحث ہے، جس کے معنی اتنے ہی تک محدود ہین کہ خاص درس و تدریس کی غرض سے کوئی عمارت تیار کی گئی ہو، اسپین کی بجانب طرفداری علامہ مقری سے زیادہ کوئی شخص نہین کرسکتا جو اسپین کی ایک ایک خوبی کو تمام اور ممالک اسلامیہ کے سامنے اس دعوی سے پیش کرتا ہے، کہ "تم ایک کا بھی جواب لا سکتے ہو" تاہم اس محقق اور وسیع النظر مورخ نے صاف صاف اقرار کیا ہے، کہ "تمام اسپین مین ایک بھی مدرسہ نہ تھا، صرف مسجدون کے صحن تھے، جن مین تمام علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے[2]"

فوسٹر صاحب کی تاریخ اسپین و نظم الممالک و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا وغیرہ مین اسپین کے مدرسون کا جہان اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، غالباً اس سے اسی قسم کی عام درس گاہین مراد ہین،

ہندوستان

ہندوستان[3] کے تذکرے مین ہم کو بے خطر کہنا چاہیے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہین قایم ہوئی، لیکن اس ملک کی عام علمی فیاضیون کا انکار نہین ہو سکتا، اکبر، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر کے خزانۂ شاہی سے عموماً اُن لوگون کے لئے جاگیرون اور وظیفے مقرر رہتے تھے جو

[1] یہ سب قرطبہ کے عالیشان ایوانات و باغات کے نام ہین [2] دیکھو نفح الطیب تاریخ اندلس مطبوعہ فرانس جلد اول صفحہ ۱۳۶ — [3] مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی ہندوستان مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے، گو اب انکا نام و نشان باقی نہین رہا،

بطور خود درس و تدریس کرتے رہتے تھے، دولت ترکیہ اس قدر بے انتہا صرف اور سعی و اہتمام کیساتھ بھی اصل نتیجہ مین دولت تیموریہ سے کچھ فائق نہین ہے، شمس الدین، فناری، قاضی زادہ، خواجہ زادہ علامہ قوشجی، ابن المؤید وغیرہ کے مقابلہ مین جنکو صاحب کشف الظنون، حکما کا لقب دیتے ہین ہم ملا محمود جونپوری، ملا نظام الدین، محب اللہ بہاری، حمد اللہ، بحر العلوم، شاہ ولی اللہ صاحب کو کسی قدر ترجیح کے ساتھ پیش کر سکتے ہین،

جن مدرسون کے حالات ہم لکھ آئے ہین، اکثر مذہبی یا عقلی علوم کے درس کے لئے تھے، صنعتی مدارس کے متعلق ہماری واقفیت نہایت محدود ہے، اسلامی ملکون مین عمدہ صنعتون کے بہت سے آثار موجود ہین، مگر اُن کی تعلیم کے کسی مرتب سلسلہ کو ہم نہین معلوم کر سکے ہین، فنون جنگ مین مسلمانون کی ترقی اب بھی دنیا کی موجودہ حالت و صورت سے عیان ہے، اور مسٹر ایڈورڈ کری صاحب نے یورپ مین ترکون کی فتوحات کو اسی امر سے منسوب کیا ہے لیکن ہم عبد المومن سلطان مراکو کے مدرسہ حربیہ کے سوا اور کسی حربی تعلیم گاہ کے حالات سے نہین واقف ہین، چراکسہ کے عہد مین جو عمدہ فوجین تیار ہوئین، اُن کا یہ طریقہ تھا کہ ترک اور چرکس غلام جو خرید کر کے آتے تھے اُن کو پہلے قرآن اور معمولی خط و کتابت اور کسی قدر حساب سکھایا جاتا تھا، پھر فقہ کی تعلیم ہوتی تھی اور بعض تیز طبع نوجوان معتدبہ لیاقت تک پہنچ جاتے تھے، اس کے بعد نیزہ بازی، اور تیر اندازی اور پھر شہسواری سکھائی جاتی تھی، جو ان کی تعلیم کا انتہائی زینہ تھا، لیکن یہ طریقہ بھی کسی باقاعدہ ہیئت اجتماعی کی صورت نہین رکھتا تھا، اور غالباً تمام ممالک اسلامیہ مین حربی تعلیم کا یہی انداز تھا خلیفہ عبد المومن بن علی کا مدرسہ حربیہ خاصةً قابل ذکر ہے، جس کی تفصیل ہسٹری آف ڈومنین آف اسپین، مصنفہ کانڈی[۱] سے قریب قریب اس کی لفظون مین نقل کرتے ہین

[۱] دیکھو تاریخ مذکور، جلد ثانی صفحہ ۲۷۵، مطبوعہ لندن ۱۸۲۶ء،

مدرسہ حربیہ

اس (عبدالمومن) نے ایک اسکول لڑکون کے لئے بنایا جس مین صرف علوم نہین بلکہ سپہ گری کے کام بھی سکھائے جاتے تھے، کیونکہ وہ یہ نہین چاہتا تھا کہ صرف پڑھے لکھے قاضی تیار ہون، بلکہ اسکی خواہش تھی کہ لایق لائق گورنر ملکون کیلیئے اور فائق گروہ قضاۃ شہرون کے انتظام کے لئے پیدا ہون، اور بڑے بڑے جنرل اور اچھے جنگ آور اس کے اسکول سے تعلیم پاکر نکلین، ان کالج اور اسکولون مین وہ مصامدہ اور دوسری قومون کے شریف خاندانون سے جوان کے ملک مین رہتے تھے، لڑکے جمع کرتا تھا جن کی تعداد تین ہزار تھی اور جو قریب قریب ایک ہی عمر ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک ہی دن کے پیدا ہین، یہ لڑکے حافظ اور طالبین کہلاتے تھے، کیونکہ وہ موطا یا اصول المہدی حفظ یاد کرتے تھے، اور ایک دوسری کتاب بھی پڑھتے تھے، جس کا نام تا یطلبہ القاضی تھا، حافظین کو بادشاہ جمعہ کے دن الکوزر مین جمع کیا کرتا تھا، جس دن کہ وہ ازالہ جایا کرتا تھا، وہ ان کو حکم دیتا تھا کہ ہفتے بھر کا پڑھا اس کے سامنے دوہرائین، ہفتہ مین ایک دوسرے دن ان کو حکم دیتا تھا کہ شہسواری ہتھیارون کے کرتب، نیزہ بازی گھوڑدوڑ، اور بہت سی مشقون کا جو سپاہیون کے لئے ضرور ہین، تماشا دکھلائین، تیسرے دن ان کی تیراندازی کی مشق دیکھتا تھا اور ایک اور دن ان کی شناوری کی استادیان ملاحظہ کرتا تھا، جس کے لئے اس نے اپنے باغ مین ایک بڑا وسیع تالاب بنوایا تھا، جو تین سو قدم لنبا اور اتنا ہی چوڑا تھا، تالاب مین مختلف قسم کی کشتیان اور اور قسم کی جو کہ خود اس نے ایجاد کی تھین اور اس وضع کی اس سے پہلے کبھی نہین دیکھی گئی تھین، پڑی رہتی تھین، وہ ان کشتیون پر حافظین کو سوار کراتا تھا جنہین بٹھکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور اپنے آپ کو بچانے مین وہ بڑی پھرتی اور چالاکیان دکھلاتے تھے، عبدالمومن خود ان کو کشتیون کے کھینے اور کسی خاص سمت لیجانے اور تمام ان اعمال کے طریقے بتاتا تھا جو سمندر مین جہازون کے استعمال کے لئے ضروری ہین، اس طرح پر ہفتہ کا ہر ایک دن کام مین لایا جاتا تھا، اور ہم

کام کے لئے ایک خاص دن مقرر تھا، یہ لڑکے بڑے جوش سے اپنا کام کرتے تھے، بوجہ ان گران قدر انعامون کے جو کہ عبد المومن کی طرف سے ان نوجوانون کو دیئے جاتے تھے، جنھون نے فتح حاصل کی ہے، یا اپنے فرائض مین زیادہ مشاق ہین، یہ سب خرچ عبد المومن خود دیتا تھا، یہان تک کہ ہتھیار اور گھوڑے بھی اسی کے عنایت کئے ہوئے ہوتے تھے، ان حافظین مین ۱۳ لڑکے خود عبد المومن کی اولاد تھے، جو ہتھیارون کے کام اور دوسری قسم کی مشاقیون مین نہایت چالاک تھے، اس کے علاوہ وہ ذاتی اخلاق مین بھی نہایت برگزیدہ اور ممتاز تھے،

یورپ مین اسلامی مدرسے

یہ سب مدرسے وہ تھے جو ممالک اسلامیہ مین قائم ہوئے، لیکن مسلمانون کی علمی فیاضی اس وسیع دائرے مین بھی محدود نہ تھی، انھون نے یورپ کے خاص شہرون مین بھی رصدخانے، صنعت گاہین، اور مدرسے قائم کئے جنمین سے مین ایک کا ذکر گبن صاحب کی تاریخ سے انھین کے الفاظ مین کرتا ہون، وہ رومن امپائر حصۂ مسلمانان فتح سلرنو کی ذیل مین لکھتے ہین:- "افریقہ اور ہسپانیہ اور سسلی مین جو عرب کی نوآبادیان تھین ان کو یونانی دواؤن سے واقفیت حاصل ہوئی اور بوجہ اجتماع جنگ و صلح علم کا پرتو سلرنو جیسے مشہور شہر مین جمکا ایک مدرسہ جو اوّل ہی اوّل فرنگستان کے زمانہ جہالت مین قائم ہوا وہ فن جراحی کے لئے مخصوص تھا، اس مفید اور صحت بخش پیشہ کے لئے پادریون اور راہبون کی منظوری لے لی گئی تھی، اور بہت سے نامی گرامی مریض دور دور مقامات کے سلرنو کے اطباء کے پاس رجوع کرتے تھے، یا ان کو طلب کرتے تھے، یہ اطبا نارمنڈی کی فتحمندیون کے ظل حمایت مین رہتے تھے قسطنطین نام افریقہ کا ایک عیسائی انتیس ۲۹ برس سفر حج مین رہکر اور زبان و علم عربی کی تحصیل کامل کرکے بغداد سے واپس آیا،

اسطرح بو علی سینا کے شاگرد کے مطب اور ہدایات اور تحریرات سے سلرنو مالا مال ہوگیا،

قدیم تعلیم،

۱۳۵ھ اور تعلیم، تعلیم کی وسعت اور اس کے اسباب، طرزِ تعلیم، انقلابات، مختلف ملکون کی خصوصیتین، تعلیم کا مذہبی و تمدنی اثر،

۱۳۵ھ تک یعنی جب تک تصنیف و تالیف نہین شروع ہوئی تھی جو تعلم و تعلیم تھی وہ عرب کے سادہ اور نیچرل طرز زندگی کیلئے موزون تھی، علوم وہ تھے جنکو حافظہ سے زیادہ تر تعلق تھا، بحث طلب مسائل بھی معمولی فہم کی دسترس سے باہر نہ تھے، اور طرزِ تعلیم تو بالکل وہی تھا (یعنی سند و روایت) جو قدیم زمانے سے ان میں رائج تھا لیکن سو برس کی مدت مین تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا، اور اسی نسبت سے تعلیم بھی زیادہ وسیع اور مرتب و باقاعدہ ہو چلی، اس دور مین جن علوم کو رواجِ عام حاصل ہوا وہ نحو، معانی، لغت، فقہ، اصول، حدیث، تاریخ، اسماء الرجال، طبقات، اور ان کے متعلقات تھے، عقلی علوم کا سرمایہ گو بہت کچھ جمع ہو گیا تھا، مگر رواج عام نہ حاصل کر سکا، جس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت نے اس کی اشاعت پر چندان زور نہین دیا، اور عام ملک کو کچھ ناواقفیت، کچھ مذہبی غلط فہمی کی وجہ سے فلسفہ و منطق کے ساتھ ہمدردی نہ تھی،

تعلیم کا دوسرا دور اور اسکی وسعت

تعلیم کا یہ دوسرا دور عجیب دلچسپیون سے بھرا ہے، دیکھو گنگس سے دریاے سندھ کے کنارے تک اسلام حکومت کر رہا ہے، حجازی فتوحات کا سیلاب اب رکتا چلا ہے، مفتوحہ ممالک مین امن و انتظام کا عمل ہوتا جاتا ہے، سینکڑون قبیلے ریگستانِ عرب سے نکل کر دور دور

دراز ملکون مین آباد ہوتے جاتے ہین، بہت سی نئی قومین دلی ذوق سے اسلام کے حلقے مین داخل ہو رہی ہین، لیکن ابتک اس وسیع دنیا مین سلطنت کی طرف سے نہ کوئی محکمہ سررشتہ تعلیم ہے، نہ یونیورسٹیان ہین، نہ مدرسے ہین، عرب کی نسلین حکمران ہین، مگر حکومت ایسی بے تعلق اور بری ہے کہ ملک کے عام اخلاق، معاشرت، تمدن پر فاتح قوم کی تہذیب کا اثر چندان نہین، [illegible] تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے، ان سب باتون پر دیکھو کہ علوم و فنون کس تیزی اور وسعت سے بڑھتے جاتے ہین، مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس، بغداد، مصر، شام، اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤن علمی صداؤن سے گونج اٹھا ہے، عام تعلیم کے لئے ہزارون مکتب قائم ہین، جنمین سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہین ہے، اور جو آج کل کے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہین، اوسط اور اعلی تعلیم کے لئے مسجدون کے صحن، خانقاہون کے حجرے، علما کے ذاتی مکانات ہین، لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتون مین جس وسعت اور فیاضی کیساتھ علم کی تربیت ہو رہی ہے، بڑے بڑے عالیشان قصر و ایوان مین بھی جو پانچوین صدی کے آغاز مین اس غرض سے تعمیر ہوئے، اس سے کچھ زیادہ نہ ہو سکی، اگرچہ اس وقت اس زمانہ کا کوئی رجسٹر نہین موجود ہے، جس سے ہم حساب لگا سکین، کہ فیصدی کتنے آدمی تعلیمیافتہ تھے، لیکن تذکرے، تراجم، اسماء الرجال، طبقات کی سیکڑون ہزارون کتابین موجود ہین، جن سے ہم صحیح اندازہ کے قریب پہنچ سکتے ہین، اگرچہ متواتر انقلابات، تختگاہون کی بربادی، اسپین کی تباہی، تاتار کی عام غارتگری کے بعد ہمارے پاس جو کچھ رہ گیا ہے، وہ ہزار مین ایک بھی نہین ہے اور اس وجہ سے ہزارون لاکھون ناموران کی صورتین زمانہ کی تاریخی نگاہ سے چھپ گئی ہین، تاہم ہر عہد مین ہم سیکڑون ماہرین و مجتہدین فن کا نشان دے سکتے ہین، صرف ہمعصر و ہموطن اہل کمال کی فہرست تیار کیجائے تو بھی بہت سی جلدین تیار ہو سکتی ہین، ڈاکٹر اسپرنگر صاحب تخمینہ کرتے

ہین، (شاید حسن ظن ہو) کہ مسلمانون کے اسماء الرجال مین پانچ لاکھ مشہور عالمون کا حال مل سکتا ہے"۔ اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیمیافتہ گروہ مین کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے، تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہوسکتا ہے،

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو ایک ایک استاد کے حلقۂ درس مین سیکڑون بلکہ ہزارون طالب العلم مشغول درس نظر آئین گے، علامہ ذہبی طبقات مین ابو التقی المتوفی سنہ ۲۵۱ھ کے ترجمے کے بعد لکھتے ہین کہ" اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن مین دس ہزار سے زائد دواتین رکھی جاتی تھین اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے، اس بڑے مجمع مین دو سو امام حاضر ہوتے تھے، جو اجتہاد و فتویٰ دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے" خطیب مورخ بغداد علامہ ابوحامد اسفرائنی کے حلقے مین خود شریک تھا، اس کا بیان ہے کہ سات سو طلبہ درس مین حاضر تھے، فرار نحوی نے کتاب المعانی کا جب لکچر دیا (جسکو عربی زبان مین املار کہتے ہین) تو حاضرین مین سے ۸۰ صرف قاضی تھے[۱]، رضی الدین نیشاپوری کے حلقۂ درس مین چار سو فارغ التحصیل اہل علم حاضر ہوتے تھے، بصرہ کی جامع مسجد مین امام بخاری نے جب مجلس املار منعقد کی تو ہزار کے قریب محدثین، فقہار، حفاظ، اہل مناظرہ شامل ہوئے، خود امام بخاری سے جن لوگون نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد قریباً نوّے ہزار ہے[۲]، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا ہم استقصا نہین کرسکتے،

وسعت تعلیم

ہر قوم ہر فرقہ، ہر طبقہ مین تعلیم کثرت سے جاری تھی، مصنفین و اہل فن کے حالات پڑھو، سیکڑون ہزارون اہل کمال ملین گے، جن کے باپ دادا، خیاط، اسکاف، جولاہے، حلوائی، طباخ، حدّاد، وغیرہ تھے، امرا کا عیش پسند گروہ بھی تعلیم سے مالامال تھا، لوگ تعجب سے سنین گے کہ

---

[۱] ان لوگون کے تراجم دیکھو، [۲] دیکھو مقدمہ قسطلانی،

ابن المعتز عباسی المتوفی سنہ ۲۹۶ھ جو علم بدیع کا موجد اور شاعری مین ابو نواس و بشار کا ہمسر تھا، اور ابو فراس جس پر عرب کی شاعری کا خاتمہ ہوگیا، والیانِ ملک تھے، اور حکیم بو علی سینا و محقق طوسی وزارت کے بلند منصب پر ممتاز تھے،

طرزِ تعلیم

اس دور مین تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکون مین جاری ہے یعنی املا جس کو اردو مین لکچر دینا کہتے ہین، استاد ایک بلند مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا، اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا تھا، طالب العلم جو ہمیشہ دوات و قلم لیکر بیٹھتے تھے ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظون مین لکھتے جاتے تھے، اس طرح پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی، اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی، امالی ابن درید و ثعلب وغیرہ اسی قسم کی تصنیفات ہین، جب معمول سے زیادہ طلبہ حلقۂ درس مین جمع ہوتے تھے تو استاد کے سامنے یا داہین باہین چند فاضل کھڑے ہوتے تھے، جو دور والون کو استاد کے خاص الفاظ سنا سکتے تھے، یہ لوگ مستملی کہلاتے تھے، یہ طریقہ تعلیم منقولی علوم کے ساتھ مخصوص نہین تھا، ابو بشر متی جو بغداد مین ارسطو کی کتاب المنطق کا درس دیتا تھا، اس کے لکچر مین سیکڑون طلبا شریک ہوتے تھے جن مین فارابی بھی تھا، اور اس نے کئی سو صفحے خود نقل کئے تھے،

اعلی تعلیم کے شرائط،

اعلی تعلیم کے لئے دور و دراز مسافتون کا طے کرنا، اور متعدد اہل کمال کی خدمت مین پہنچکر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا، مشہور اہل فن کی لائف چھان ڈالو، ایک شخص بھی ایسا نہین ملیگا جس نے تکمیلِ تعلیم کے لئے دو چار سو میل کی مسافت نہ طے کی ہو، اس زمانے مین ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اٹھائے بغیر اپنے فن مین نامور ہوا، اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ مین گو ہر فن کے کامل موجود تھے، مگر ان شہرون کے رہنے والے بھی مشرق و مغرب کی خاک چھانے بغیر نہین رہتے تھے

علامہ مقری کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ انھین علماء کے حالات مین ہے جو اسپین سے مصر و شام و بغداد گئے، یا ان مقامات سے چل کر اسپین مین داخل ہوئے، جس کثرت اور جوش و سرگرمی سے تعلیم کے لئے مسلمان ہمیشہ سفر کرتے رہے ہین، دنیا کی تاریخ مین اسکی نظیر موجود نہین ہے،

مجالس مناظرہ

دوسری چیز جو اعلیٰ تعلیم کے لئے گویا لازمی تھی مناظرہ کی مجلسون مین شریک ہونا تھا، مشہور شہرون مین بحث و مناظرہ کے لئے خاص وقت اور مقام مقرر تھے، بعض امرا اس قسم کی مجلسین اپنے مکانون پر منعقد کرتے تھے، فقہ، ادب، نحو وغیرہ ہر ایک علم کے لئے جداگانہ مجلسین تھین، ان مین علما اور طلبار دونون شریک ہوتے تھے، اور کوئی ممتاز عالم بحث کے تصفیہ کے لئے انتخاب کیا جاتا تھا، یہ جلسے جن مین زیادہ تر انصاف اور حق پسندی کا استعمال ہوتا تھا، معمولی نصاب تعلیم ختم کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ مفید اور پر اثر تھے، تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد استاد ایک تحریری سند عنایت کرتا تھا، جس مین اس کی تعلیم کی ایک اجمالی کیفیت اور درس دینے کی اجازت لکھی ہوتی تھی، اس سند مین وہ طیلسان پہننے کی بھی اجازت دیتا تھا، جو علمار کا مخصوص لباس[1] تھا،

تعلیم کی وسعت کے متعدد اسباب تھے، (۱) تعلیم، مذہب کا ایک ضروری جزو بن گئی تھی، قرآن و حدیث (جس پر مذہب کی بنیاد تھی) عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہین، اسلئے تعلق سے، نحو، صرف، لغت، معانی، اسمار الرجال بھی گویا مذہبی تعلیم کے ضروری اجزا تھے، فلسفہ نے علم کلام کی صورت مین مذہبی علم ہونے کی عزت حاصل کی تھی، اس سلسلے نے بڑھتے

---

[1] علامہ ابن خلکان لکھتے ہین کہ "اول جس شخص نے علمار کے لئے خاص لباس قرار دیا وہ قاضی ابو یوسف جناب ہین، وہی لباس اب بھی چلا آتا ہے"، یہ لباس طیلسان کے علاوہ ایک جبہ ہوتا تھا، جو آج کل کی ایم اے کے گون سے بہت مشابہ تھا، اس مین ہڈ بھی لگا ہوتا تھا، (دیکھو حسن المحاضرۃ، جلد ثانی، صفحہ ۲۲۶، مطبوعہ مصر)

بڑھتے قریباً ہر علم وفن کو اپنے دائرہ مین لے لیا تھا، اب خیال کرو کہ ایک قوم جس مین اسلام کا جوش ابھی تازہ ہے جسکی رگون مین ہنوز عرب کا لہو ہے، جس کی ہمتین بلند، ارادے مستقل حوصلے وسیع ہین، اور پیہم ہتکی کامیابیون نے اس کے جوش کو زیادہ تیز کر دیا ہے جب کسی کام پر پوری توجہ سے مائل ہوگی تو کس حد تک پہنچا کر رہیگی، عرب کے سوا دوسری قومین جو اسلام قبول کر چکی تھین، مذہب نے انکو بھی اُنھین سرگرم جذبات سے بھر دیا تھا، جو عرب کے ذاتی خاصے تھے، اور چونکہ وہ مدت سے تمدن ومعاشرت کی آبادی مین بسر کرتے آئے تھے تعلیم کے معاملے مین انھون نے اپنے استاد (عرب) سے زیادہ کام دیا، یہی بات ہے کہ نحو، لغت، حدیث اصول، فقہ، فلسفہ کے امام وپیشوا، قریباً کل عجمی ہین، علامہ ابن خلدون نے اس پر مقدمہ تاریخ مین ایک مستقل مضمون لکھا ہے جس کی سرخی یہ ہے "حملۃ العلم فی الاسلام اکثرہم العجم" یعنی اسلام مین علم کے حاملین اکثر عجم ہین، ہمارے اکثر اخوان جو عرب کی نسل سے ہین اس بات کو رشک اور تعجب سے سنین گے، مگر ان کو ہشام[1] وعیسیٰ کی طرح صبر کرنا چاہیئے،

(۲) تعلیم مسجدون اور علما کی خاص درسگاہون مین مقید نہ تھی، وزرا، حکام، فوجی افسر، اہل منصب، ہر طبقہ کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے، وزارت کے کثیر الاشغال وقت مین بھی بوعلی سینا کی خدمت مین مستعد طلبا کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا،

---

[1] ہشام بن عبد الملک دولۃ بنو امیہ کا نامور خلیفہ تھا، راوی کا بیان ہو کہ مجھ سے ہشام نے پوچھا کہ اس وقت مکہ مین علم کا سردار کون ہے، مین نے کہا عطا، (ہشام) وہ عربی الاصل ہے (مین) نہین، اسی طرح اس نے شام، مصر، جزیرۃ، خراسان، بصرہ کی نسبت پوچھا مین نے مکحول، یزید، میمون ضحاک کے نام لئے، ہر نام پر پوچھا جاتا تھا کہ عربی الاصل ہے اور مجھ سے "نہین" کا لفظ سنکر پیچ وتاب کھاتا جاتا تھا، اخیر مین مین نے کہا کہ ابراہیم نخعی جو کوفہ کا امام ہے عربی الاصل ہے اس پر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ "خیر اس سے کچھ تسکین ہوئی،، (فتح المغیث صفحہ ۴۹۸) عیسیٰ کی نسبت بھی ایک اسی قسم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے،

(۳) تعلیم مین نہایت آزادی تھی، کسی مقررہ نصاب کی پابندی ضرور نہین تھی، جو شخص جس خاص فن کو چاہتا تھا حاصل کر سکتا تھا، اہلِ کمال کے زمرے مین سیکڑون گذرے ہین جو ایک فن مین امام تھے اور دوسرے فنون مین معمولی طالب العلم کا بھی درجہ نہین رکھتے تھے،

(۴) امرا اور اہلِ منصب کا گروہ جو شایقینِ علم کی سرپرستی کرتا تھا عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا، تعلیم کی اشاعت کا یہ بہت بڑا سبب تھا، سلاطین و وزرا تو ایک طرف معمولی سے معمولی رئیس کی خدمت مین سیکڑون ادیب و فاضل موجود ہوتے تھے، اور چونکہ ان کی تنخواہین کسی خدمت کے بدل نہ تھین بلکہ صرف ان کا ذاتی کمال اور قبولِ عام مہنگے دامون کو خریدا جاتا تھا، تمام ملک مین لیاقت اور شہرت پیدا کرنے کا ایک عام جوش پھیل گیا تھا، تصنیفات مین زورِ طبع کے ساتھ تحقیق و احتیاط کا لحاظ اس لئے زیادہ تر کرنا پڑتا تھا کہ جن قدردانون کے سامنے پیش کرنا ہے، وہ خود صاحب النظر اور نکتہ چین ہین،

مدرسون کا زمانہ

مدرسون کے قایم ہونے نے دفعۃً کوئی تبدیلی نہین پیدا کی، نصابِ تعلیم قریباً وہی رہا جو پہلے تھا، پرائیویٹ تعلیم گاہین عموماً قائم رہین، اور حق یہ ہے کہ جب تک ان پر کچھ زوال نہین آیا تعلیم بھی نہایت وسعت سے جاری رہی، لیکن رفتہ رفتہ ان مدرسون مین خاص خاص قاعدون کی پابندیان شروع ہوئین، اور سلطنت عثمانیہ کے زمانے مین تو گویا تعلیم کا ایک جداگانہ قانون پاس کیا گیا، آٹھوین صدی سے پہلے فارغ التحصیل ہونے کے لئے ایک خاص مدت معین ہو چکی تھی، گو ملکون کے اعتبار سے مختلف تھی، مثلاً مغرب (مراکو وغیرہ) مین سولہ برس، اور ٹونس مین پانچ برس طالب العلم کو تعلیم گاہ مین رہنا لازمی تھا، املا کا طریقہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہا،

املا کا طریقہ جاتا رہا،

آٹھوین صدی مین حافظ زین الدین عراقی نے (حافظ ابن حجر کے استاد تھے) اس کو زندہ کرنا چاہا اور قریباً چار سو مجلسون مین اس طرح درس بھی دیا، حافظ ابن حجر و سخاوی نے بھی انکی

تقلید کی، مگر انھین بزرگون پر خاتمہ ہو گیا، جلال الدین سیوطی نے ارادہ کیا، مگر لوگون کی بے بوجھی دیکھکر خود باز رہے،

مدرسون کا مذہبی اثر

یہ مدرسے اکثر مذہبی تھے اور کسی ایک مذہب کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے، دار العلوم نظامیہ صرف شافعیون کے لئے تھا، مستنصریہ وغیرہ مین چارون مذہب کا درس ہوتا، مگر مدرسین ونصاب تعلیم بالکل جداگانہ تھے، اس خصوصیت نے مذہب پر ایک نمایان اثر ڈالا، چوتھی صدی مین بلکہ اس سے پہلے تقلید مذہبی کی بنیاد پڑ چکی تھی، مگر ان مدرسون نے چونکہ اس کو محسوس صورت مین دکھایا، قوم مین اس کا عام رواج ہو گیا اور نہایت سختی کے ساتھ ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب نے تقلید شخصی کی ابتدا چوتھی صدی کے بعد قرار دی[1] ہے، ہر شخص بہ آسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان مدرسون نے جو تقلید شخصی کے ہمزمان ہین، یا خود تقلید کو پیدا کیا ہوگا، یا کم سے کم اس کو ترقی اور استواری دی ہوگی، مدرسون کے ابتدائی زمانہ مین تو ایسے علما کثرت سے تھے جو اجتہاد کا حق رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ تقلید کے عام رواج نے علوم اور ایجاد کی قوت کو اس قدر گھٹا دیا کہ گویا قوم سے اجتہاد کی قابلیت ہی جاتی رہی، شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب الانصاف مین نہایت سچ لکھا ہے کہ اس زمانے مین (یعنی پانچوین چھٹی صدی مین) تقلید ہی ضروری تھی،

تنزل تعلیم کے اسباب

تیسرے دور مین اس بات نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا، کہ جو فن مقصود بالذات نہ تھے، مثلاً نحو، صرف، منطق وامثال ذلک، ان کی تعلیم مین وہ اہتمام اور موشگافیان ہونے لگین کہ عمر کا ایک بڑا حصہ انھین کے نذر ہو گیا، اور اتنا وقت نہ مل سکا کہ جن علوم کی تکمیل مقصود اصلی تھی ان پر پوری توجہ ہوسکتی،

---

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۲،

"تصانیف کی کثرت اور ان کا درس مین داخل ہونا" اس[1] بات نے بھی نہایت ضرر پہنچایا، پہلے
اور دوسرے دور مین زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد
ڈالی جسمین اصلی مسائل سے زیادہ کتاب کی عبارت اور ان کے متعلقات سے بحث ہوتی
تھی، ہمارے ہندوستان مین تو ضمیرون کی مرجع اور حیثیت تعلیلی و تقلیدی و بعدیت
ذاتی و زمانی کی تنگ دائرے سے طلبا تو کیا اکثر علما بھی کبھی باہر نہین نکلے،

ان مدرسون مین (ترکی مدارس کے سوا) فلسفہ و منطق کی تعلیم کا بہت کم اہتمام تھا،
اور اکثر نامور مدرسون مین تو ان علوم نے رسائی ہی نہین پائی لیکن اس کا الزام بانیان
مدرسہ پر نہین ہے، بلکہ قوم کے ان بزرگوارون پر ہے جو دینی یا دنیوی حیثیت سے قوم پر حکمران
تھے، ہم لکھ آئے ہین کہ مسلمانون مین علوم کی بنیاد مذہب کی زمین پر رکھی گئی، اس کا لازمی
نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی پیشواؤن کی اجتہادی رائین جدھر رخ کرین علوم بھی ان کا ساتھ دین،
اسی وجہ سے مملکت اسلامی کے ہر گوشے مین رہ رہ کر فلسفہ کو صدمے اٹھانے پڑتے تھے،

معتضد باللہ خلیفہ عباسی نے جو ۲۷۹ھ مین تخت نشین ہوا، پہلے ہی سال فرمان نافذ کیا
کہ کتب فروش فلسفہ کی کتابین نہ بیچنے پائین[2]، حکیم ابن رشد کو اپنی فلسفی تصنیفات سے اس لئے
خود انکار کرنا پڑا کہ خاندان عبد المومن (سلاطین مراکو) نے اس جرم پر اس کو قید کر دیا تھا
اسی خاندان کے ایک فرمان روا نے جس کا نام مامون تھا حکیم بن حبیب کو قتل کرا دیا،[3] سلطنت
عثمانیہ مین بھی ایک مفتی صاحب نے فلسفہ کا درس بند کرا دیا[4]، حافظ جلال الدین سیوطی نے

---

۱ علامہ ابن خلدون نے ان دونون باتون پر نہایت عمدہ بحث لکھی ہے، دیکھو مقدمۂ تاریخ فصل ۶- کی فصل ۲۰ و فصل ۳۱، ۲ تاریخ الخلفاء خلافۃ معتضد باللہ، ۳ نفح الطیب تاریخ اسپین مطبوعہ فرانس جلد ثانی صفحہ ۱۲۵، ۴ کشف الظنون، ذکر علم حکمت،

علم منطق کے ناجائز ہونے پر ایک کتاب ہی تصنیف کر ڈالی جس کا نام "القول المشرق فی تحریم الاشتغال بالمنطق" ہے، علامہ ابن الصلاح نے بھی اس مضمون کا ایک فتویٰ[1] لکھا، علامہ ابن تیمیہ مامون الرشید پر ہمیشہ ترس کھاتے رہے، کہ دیکھئے اس جرم پر (فلسفہ کا رواج دینا) "خدا اس سے کیا مواخذہ کرتا ہے"، اسپین میں امرا اور خواص فلسفہ کے حامی تھے، لیکن عوام کی برہمی کے خوف سے کبھی اس علم کو عام آزادی نہیں دی گئی[2]، تاہم مجھ کو اقرار کرنا چاہیئے کہ فلسفہ کے دوستوں کی تعداد (عوام کا ذکر نہیں) دشمنوں سے زیادہ تھی،

مذہب نے تعلیم پر جو بڑا نمایاں اثر دکھایا وہ یہ ہے کہ قدیم عربی زبان نہایت احتیاط سے محفوظ رہی، حالانکہ قدیم عربی ایک مدت سے نہ ملک کی زبان ہے، نہ حکومت کی، فارس وخراسان کی عام زبان فارسی تھی، عباسی جو بغداد میں خلیفہ کہلاتے تھے، انکا جاہ وجلال بغداد کی شہرپناہ تک محدود تھا، عنانِ حکومت دیلم یا سلجوق کے ہاتھ میں تھی جو زبان اور اصل دونوں اعتبار سے عجمی تھے، مصر وشام ایک مدت تک ایوبیہ، نوریہ، چراکسہ کے قبضہ میں رہے، اور یہ سب عجمی تھے، ممالک مغربی (مراکو، تونس وغیرہ) میں بربر و زناتہ کی عملداری تھی، خود عرب میں قدیم عربی کا رواج نہیں رہا تھا، غرض اُس کے زندہ رہنے کا کوئی سہارا نہ تھا، لیکن صرف اس بات نے کہ قرآن پاک اور حدیث اسی زبان میں تھی، اس کہنہ زبان کو تیرہ سو برس (۱۳۰۰) کی عمر دی اور خدا سے امید ہے کہ قیامت تک اسکو قائم رکھے،

اس بات کا بے شبہ افسوس ہے کہ اس یکطرفہ توجہ نے موجودہ زبان سے ہم کو بالکل محروم رکھا، آج چھ سو برس (۶۰۰) ہوئے کہ عرب کی زبان بالکل بدل گئی، سیکڑوں نئے الفاظ کا داخل ہو جانا، مختلف تصرفات وتبدیلیاں، نئے محاروں کا استعمال، یہ سب ایک طرف

[1] حسن المحاضرۃ ترجمہ حافظ جلال الدین سیوطی، [2] نفح الطیب جلد اول صفحہ ۱۳۶،

خود اعراب و ترکیب کی وہ حالت نہین رہی، موجودہ علم نحو اب سرے سے بیکار ہوگیا ہے؛
تقریبًا پانچو برس سے عربی نئی زبان مین شعر و قصائد لکھتے ہین، اسی زبان مین ان کے
فصیح و بلیغ خطبے پائے جاتے ہین، لوگون کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ یہ قصائد اگر اعراب کیساتھ
پڑھے جائین تو موزون نہین رہتے، افسوس ہے کہ اس جدید مستقل زبان پر کسی نے توجہ
نہ کی، اور ان اشعار و خطب کے سمجھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی لغت موجود نہین ہے، کس قدر
افسوس و شرم کی بات ہے کہ ان لغات محدثہ کے لئے ہمکو عیسائی فاضلون کا دریوزہ گر
ہونا پڑتا ہے، یعنی پروفیسر بطرس کا جس نے نہایت تحقیق سے محیط المحیط لکھی ہے، اور
لین صاحب انگلشی کا جن کی کتاب مدالقاموس کی، ۷ جلدین لندن مین چھپ چکی ہین،

اسلام جس وسیع دنیا پر حکومت کر رہا تھا، اس مین جغرافی تقسیم کی حیثیت سے مختلف
ملک شامل تھے، اور متعدد قومین آباد تھین، اسلامی اتحاد نے اگرچہ ہر حصہ مین یکسان طور
پر علوم کی روشنی پھیلائی مگر ملکی و قومی خصوصیتون نے مختلف صورتین پیدا کین،
ایران نے منقولی علوم کے علاوہ عقلیات کو معراج کمال تک پہنچایا، مصر و شام
مین فقہ، حدیث و اسماء الرجال پر زیادہ توجہ ہوئی، حافظ جلال الدین سیوطی، مصر کی
فضیلت کی ایک بڑی وجہ یہ قرار دیتے ہین کہ "وہان فلسفہ کا زور نہین ہے" اسپین مین
زباندانی، شاعری، تاریخ کو زیادہ فروغ ہوا، یہان تک کہ لڑکون کو قرآن پڑھنے کے زمانہ
سے اشعار و امثال یاد کرائے جاتے تھے، یہ اختلاف انھین ملکی خصوصیتون کا اثر تھا، ایرانیون
کے ذہن کی لطافت، موشگافی، دقیقہ سنجی، فلسفہ و منطق کے بالکل مناسب تھی، مصر و شام

سلہ علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین اس بحث پر متعدد مضمون لکھے ہین، بہت سے اشعار بھی نقل کئے ہین، جو اس نئی زبان مین شعراے
عرب نے لکھے، اور جنمین اعراب کا مطلق پتہ نہین،

عرب کے دامن مین تھے، اور اس وجہ سے قوت حافظہ کی عمدگی اور متوسط ذہانت نے حدیث و اسماء الرجال کو زیادہ پسند کیا، اسپین عرب ہونے کی حیثیت سے مصر و شام کا ہمپایہ تھا، لیکن اتنی خصوصیت لئے کہ وہان مدت تک عرب خاندان حکومت کرتے رہے، جو شعر و شاعری پر جان دیتے تھے، اسپین مین ادب و شاعری کو زیادہ چمکایا، شام مین بھی آل حمدان کے زمانے مین جو عموماً سخنور تھے، شاعری کا پایہ نہایت بلند ہو گیا تھا،

انقلابات حکومت کا اثر،

انقلابات حکومت جو کثرت سے ممالک اسلامی مین ہوا کئے، علمی مقاصد کے لئے اکثر مفید ثابت ہوئے، ایک خاندان گو کلیۃً برباد ہو جاتا تھا، مگر اُس کے علمی آثار اکثر محفوظ رہتے تھے، جو مواضع اور علاقے مدرسون پر پہلے وقف ہو چکے تھے، دوسری نئی حکومت اُن کو غصب نہین کر سکتی تھی، ہلاکو خان نے نہ صرف بغداد کو غارت کیا بلکہ تمام ممالک اسلامی کو برسون تک بے چراغ کر دیا، تاہم اوقاف مین کچھ تصرف نکر سکا، اوس نے بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف محقق طوسی کے ہاتھ مین دئے، جسکا بہت بڑا حصہ محقق موصوف نے رصدخانے کی تعمیر مین صرف کیا، ممالک اسلامی مین جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اس کو استحکام سلطنت اور عظمت و جلال قایم رکھنے کے لئے ضرور تھا کہ مدرسون کی تعمیر اور علم کی اشاعت مین پچھلی حکومت سے زیادہ فیاضیان دکھاتے، اس بات سے تعجب اور افسوس دونون ہوتا ہے کہ پچھلی تعلیم جس کا اثر ہوا خاکہ اب بھی ہندوستان مین موجود ہے، پولیٹکل آوازسے بالکل خالی تھی، نصاب تعلیم مین ایسی کوئی کتاب داخل نہ تھی، تاریخ کی کتابین اگر پڑھائی جاتی تھین، تو تاریخی حیثیت سے نہین بلکہ فن انشا کے اعتبار سے، طالب العلمون کی سادہ اور مفلسانہ طرز زندگی، دنیوی خواہشون سے مبرا اور بے غرض شوق، کمالات علمی کے لئے جس قدر زیادہ مفید تھا، اسی قدر ان کو معاملات ملکی سے الگ رکھتا تھا، ہم کو تو جرأت نہین ہو سکتی، مگر علامہ ابن خلدون فرماتے ہین دگو

پولیٹکل تعلیم نہین تھی،

بیان سبب مین ہم سے مختلف ہین کہ "ان العلما من بین البشر ابعد الامم عن السیاسۃ[1]" یعنی نوع بشر مین عالم لوگ انتظامات ملکی سے بہت دور ہین"

ہم نے اس آرٹیکل مین کسی قدر تفصیل کے ساتھ مدرسون کے حالات لکھے ہین، مگر ہم بتا دینا چاہتے ہین کہ اسلامی تعلیم کے اندازہ کرنے کا یہ نہایت چھوٹا پیمانہ ہے، ہماری علمی فیاضیون اور ایجادات وصنائع کو مدرسون کے احاطہ سے باہر ڈھونڈھنا چاہیئے، مدرسون کی کثرت اور عالمگیر رواج نے بھی پرایویٹ تعلیم گاہون کی تعداد کو کم نہین کیا، ۸۴۴ھ مین جبکہ مصر مدرسون اور دار العلوم سے معمور تھا، خود مصر کی ایک جامع مسجد مین چالیس سے زائد حلقۂ درس تھے جنمین ہر قسم کے علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے[2]

مین نے اس آرٹکل مین اس بات سے قصداً پرہیز کیا ہے، کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب وتاب سے لکھون، قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا یہ بھی اس کے چہرے پر نہین کھلتا، سلف کے مفاخر کا ہم کیا ذکر کر سکتے ہین، ہم نے جب خود کچھ نہین کیا، تو اس سے کیا حاصل کہ سلف نے بہت کچھ کیا تھا،

مولف

گرفتم کز حریفان بیش یا کم میتوان گفتن ”ز دستت تا چہ آمد“ آخر اینہم میتوان گفتن

---

[1] دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل ۹ کی فصل ۳۵، [2] حسن المحاضرہ جلد ثانی ص ۱۸۰،

ملا نظام الدّین علیہ الرحمہ

بانیِ درسِ نظامیہ

آج تمام ہندوستان مین عربی تعلیم کا جو نصاب ہے، وہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ سخت تعجب ہے کہ اکثر لوگون کو معلوم نہین کہ یہ نصاب کب بنا؟ اور کس نے بنایا؟ حال کی ایک تصنیف مین اس کو نظام الملک وزیر دولتِ سلجوقیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، پرانے تعلیمیافتہ اس قدر جانتے ہین کہ اس کے بانی ملا نظام الدین صاحب لکھنوی ہین، لیکن اس سے زیادہ ان کو بھی واقفیت نہین،

ملا نظام الدین صاحب جس رتبہ کے شخص تھے، اور خصوصاً اس نصاب کے قائم کرنے سے ان کو جو شہرت حاصل ہوئی، اس کے لحاظ سے مین ایک مدت سے اس بات کا آرزومند تھا، کہ ان کے مفصل حالات دریافت کرون، لیکن چونکہ ہمارے ملک مین بیوگرفی (سوانحعمری) لکھنے کا طریقہ بہت کم تھا، اس لئے اس آرزو کے پوری ہونے کی بہت کم امید ہو سکتی تھی، میر غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین مختصر طور پر ان کا تذکرہ کیا ہے، جو بالکل ناکافی ہے، بڑے تلاش سے ایک رسالہ ہاتھ آیا جو مولانا ولی اللہ صاحب فرنگی محلی (محشی صدرا) کی تصنیف ہے، اور خاص ملا صاحب مرحوم کے حالات مین ہے لیکن اس مین اصلی حالات نہایت کم ہین، البتہ ان کی کرامتون اور

خرق عادات کا ایک بڑا دفتر ہے، وہ اس زمانہ کے کام کا نہین،

تاہم بمصداق مالایدرک کلہ لایترک کلہ مین ایک مختصر سا خاکہ ان کی سوانحعمری کا ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہون،

خاندان کا حال لکھنؤ کے اطراف مین جو مردم خیز بستیان ہین، ان مین ایک مشہور قصبہ سہالی ہے، جو لکھنؤ سے اٹھائیس میل ہے، یہان مسلمانون کے دو مشہور خاندان آباد تھے، انصاری جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے تھے، عثمانی یعنی حضرت عثمانؓ کی اولاد سے، ملا صاحب اسی قصبہ کے رہنے والے تھے، اور انصاری خاندان سے تھے ان کے والد ملا قطب الدین بہت بڑے مستند عالم تھے، اور ان کا حلقۂ درس تمام مشرقی ممالک کا قبلہ گاہ تھا، عثمانیون اور انصاریون مین قدیم سے عداوت چلی آتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن عثمانی ملا صاحب کے گھر چڑھ آئے، اور انکو قتل کر کے گھر مین آگ لگا دی، یہ واقعہ ۱۱۰۳ھ مین پیش آیا، چونکہ وہ بیگناہ قتل کئے گئے تھے، قوم نے ان کو شہید کا لقب دیا، چنانچہ کتب علمیہ مین جہان انکا نام آتا ہے، اسی لقب کے ساتھ آتا ہے، ملا قطب الدین صاحب کے چار فرزند تھے، بڑے صاحبزادے اُس وقت دلی مین عالمگیر بادشاہ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، شیخ محمد سعید، شیخ محمد اسعد اور ملا نظام الدین مکان پر تھے، ملا قطب الدین صاحب کی شہادت کے بعد یہ لوگ بیکسی کی وجہ سے سہالی سے نکل کر لکھنؤ چلے گئے، لیکن یہان رہنے کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، سلطنت تیموریہ کے زمانے مین چونکہ واقعہ نگاری کا صیغہ نہایت وسعت کے ساتھ قائم تھا، اور ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ دربار شاہی تک پہنچتا رہتا تھا، لکھنؤ کے واقعہ نگار نے فوراً دربار کو اطلاع دی، اور وہان سے فرمان صادر ہوا کہ ملا صاحب کے صاحبزادون کو فرنگی محل کے محلہ مین ایک قطعہ مکان مع عمارات متعلقہ عنایت کیا جائے، اطلاع کی تاریخ ۱۴ شعبان ۳۷ جلوس والا مطابق ۱۱۰۵ھ اور فرمان صادر ہونے کی تاریخ

۱۱ شوال ۳۱ سنہ جلوس والا ہے، اس فرمان کی کچھ عبارت ہم آگے نقل کرینگے،

لکھنؤ مین آباد ہونے کا سبب

ملا نظام الدین صاحب جن کا ہم تذکرہ لکھ رہے ہین، اس وقت پانزدہ سالہ تھے، اس لئے فرمان مین ان کا نام نہین ہے، بلکہ ان کے دونون بڑے بھائیون کا ہے، یہ فرمان اب تک اس خاندان مین موجود ہے، اور مین نے ایک دفعہ لکھنؤ مین اس کی زیارت کی تھی، چنانچہ ہم اس کے ضروری الفاظ اس موقع پر درج کرتے ہین، پیشانی پر عالمگیر کی مہر ہے،

عالمگیر کا فرمان

دامن مین یہ عبارت ہے:۔

" درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یکنزل حویلی فرنگی محل با متعلقہ آن واقع بلدہ لکھنؤ مضاف بہ صوبہ اودھ کہ از املاک نزولی است برائے بودن شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام و عمال و مصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیرداران وکروریان آنرا بنام مشارالیہما معاف و مرفوع القلم دانستہ بوجہ من الوجوہ مزاحم و معترض نہ شوند، و اندرین باب سند مجدد نہ طلبند"

مرقوم غرہ ذیقعدہ سال سی و ہفتم جلوس والا نوشتہ شد

فرمان کی پشت پر جو عبارت ہے، اس کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

" شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۱۴ ماہ شعبان المعظم ۳۷ سنہ جلوس والا موافق ۱۱۰۵ سنہ مطابق مرداد ماہ برسالہ صدارت و شیخیت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منیع القدر فاضل خان و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلایق پناہ حسام الدین حسین قلمی میگردد کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبہ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبہ مذکور را گذاشتہ جلا وطن

گردیدند وکدام مکانہا سکونت ندارند الخ"

طالب علمی۔ جس وقت ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ مین آباد ہوا، ملا نظام الدین صاحب کی عمر ہپذرہ برس کی تھی، اور شرح جامی پڑھتے تھے، اگرچہ اس وقت تک اطمینان کی معقول صورت نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم ملا صاحب نے فراغ خاطر کا انتظار نہ کیا اور علوم کی تحصیل جاری رکھی، غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین لکھا ہے کہ "ملا صاحب نے پورب کا سفر کیا، اور مختلف شہرون مین تحصیل کی، اخیر مین لکھنؤ واپس آکر شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے بقیہ کتابین پڑھین اور انھین سے سند فضیلت حاصل کی"، لیکن مولوی ولی اللہ صاحب نے جو مستقل رسالہ ان کی سوانحعمری مین لکھا ہے، اس مین لکھا ہے کہ "ابتدائی کتابین دیوا مین اور قصبات مین جاکر پڑھین، لیکن انتہائی کتابین بنارس مین جاکر حافظ امان اللہ بنارسی سے ختم کین"، فرنگی محل مین آج جو روایت مشہور ہے، وہ بھی اسی کی موید ہے،

فراغ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسند درس پر متمکن ہوئے اور تھوڑے ہی دنون مین ان کا آستانہ تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع بنگیا،

تصوف۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوکر ملا صاحب نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی؛ اس وقت حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی کے فیوض و برکات کا تمام ہندوستان مین غلغلہ تھا، ملا صاحب ان کے آستانے پر حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ پر بعیت کی، شاہ صاحب موصوف علوم رسمیہ سے نا آشنا تھے، اس لئے تمام لوگون کو استعجاب ہوا، یہان تک کہ علمائے فرنگی محل نے علانیہ ملا صاحب سے شکایت کی، ملا صاحب کے تلامذہ مین سے ملا کمال علوم عقلیہ مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، اور چونکہ بے انتہا ذہین اور طباع تھے، کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ملا صاحب کی بعیت پر دو بدو گستاخانہ عرض کیا، کہ آپ نے ایک جاہل کے ہاتھ

پر کیون بیعت کی؟ اس پر بھی قناعت نہ کر کے شاہ صاحب کی خدمت مین پہنچے اور فلسفہ کے چند مشکل مسئلے سوچ کر گئے، کہ شاہ صاحب سے پوچھین گے اور ان کو الزام دین گے مشہور ہے کہ شاہ صاحب نے خود ان مسائل کو چھیڑا، اور ملّا کمال کی خاطر خواہ تسکین کر دی، چنانچہ اسیوقت ملا کمال اور ان کے ساتھ بہت سے علماء شاہ صاحب کے قدمون پر گرے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی،

شاہ صاحب نے سنہ ۱۱۳۶ھ مین رحلت فرمائی، ان کی وفات کے بعد ملا نظام الدین نے ان کے خلیفہ سید اسمٰعیل بلگرامی سے باطنی فیوض حاصل کئے،

بیماری اور وفات، ملا صاحب کو ابتدا سے قرحہ کا مرض تھا، لیکن کبھی معالجہ کی طرف توجہ نہ کی، اور اخیر عمر مین جبکہ سن شریف ۷۵ برس کو پہنچ گیا، نہایت ضعیف ہو کر صاحب فراش ہو گئے اور زنانخانہ مین رہنے لگے، لیکن چونکہ نہایت کثرت سے لوگ بیمار پرسی کو جاتے تھے، اور بار بار پردہ کرانے مین گھر والون کو تکلیف ہوتی تھی، ملا احمد عبد الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضور اگر دیوانخانہ مین تشریف رکھتے تو بہتر ہوتا ملا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا، دوسرے دن شاہ عبد الغنی صاحب عیادت کو آئے تو ملا صاحب نے یہ مصرعہ:۔

"ہر روز بینم تنگ تر سوراخ این غربالہا"

پڑھکر فرمایا کہ اچھا میان عبد الحق ہی کی مرضی پر عمل کرو، چنانچہ دیوانخانہ مین اٹھکر تشریف لائے اور وہین وفات کی،

ملا صاحب کی دو بیویان تھین، دوسری شادی غالباً اس غرض سے کی تھی کہ پہلی سے اولاد نہین ہوتی تھی، بیماری نے جب اشتداد ہوا تو زوجہ اولیٰ ملا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئین اور کہا کہ مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو معاف فرمایئے، فرمایا تم نے کوئی تقصیر نہین کی، البتہ مجھ سے

یہ گناہ ہوا کہ تمھارے ہوتے دوسری شادی کی، اس جرم کو معاف کردو، تھوڑی دیر کے بعد زوجہ ثانیہ آئین اور کہا کہ آپ تو تشریف لئے جاتے ہین اولاد کو کس پر چھوڑے جاتے ہین، ملا صاحب کو سخت رنج ہوا حاضرین سے کہا کہ مجھکو اٹھا کر بیٹھا دو، پھر فرمایا کہ "نظام الدین تو جاتا ہے، لیکن خدا ہمیشہ رہے گا"

تاریخِ وفات، آخر نوین تاریخ جمادی الاولیٰ روز چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ دوپہر دن چڑھے انتقال فرمایا تاریخِ وفات یہ ہے، ع

مُلک بود و بیک حرکت مَلک گشت،

عربی مادہ یہ ہے:۔

مآل العاشق الی المعشوق

اخلاق وعادات ملا صاحب ابتدا ہی سے نہایت غنی النفس اور متوکل تھے، ان کی علمی شہرت ان کی زندگی ہی مین اس درجہ تک پہنچ گئی تھی، کہ وہ ذرا سی خواہش کرتے تو ہر قسم کا جاہ و منصب حاصل ہو سکتا تھا، لیکن اس طرف توجہ نہ کی، تین تین دن کے فاقے ہوتے تھے، اور نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کرتے تھے، امرا اور اہلِ دول سے بالکل نہین ملتے تھے، بلکہ اِس قسم کے لوگ خدمت مین حاضر ہوتے تو بے التفاتی ظاہر فرماتے، شیخ غلام مخدوم کا بیان ہے، کہ مین ایک دفعہ ملا صاحب کی خدمت مین حاضر تھا، اور بیماری کی وجہ سے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا، اتفاقاً امرا مین سے ایک صاحب ملنے کے لئے آئے، مین نے اُن کے لحاظ سے پلنگ پر سے اترنا چاہا، ملّا صاحب نے فرمایا کہ "سفید پوشون کو دیکھکر بدحواس کیون ہوتے ہو آرام سے لیٹے رہو"،

امرائے شاہی مین سے ایک رئیس جو ہفت ہزاری کا منصب رکھتا تھا، ملا صاحب کی خدمت مین اکثر حاضر ہوا کرتا تھا، ایک دفعہ جمعہ کے دن عین نماز کے وقت کہلا بھیجا کہ اگر آپ

ذرا انتظار فرمائین تو مین بھی حاضر ہو کر حضور کی اقتدار کا شرف حاصل کر سکون، ملا صاحب نے ایک ذرا دیر انتظار فرمایا، پھر کہا کہ "نماز خدا کے لئے ہے، اہل دنیا کے لئے نہین ہے" یہ کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے،

بے نفسی، لیکن یہ بے نیازی اور بد دماغی امراء اور جاہ پرستون کے لئے مخصوص تھی ورنہ مزاج مین مسکینی اور تواضع تھی، ایک دن ایک ایرانی ابو المعالی نام ملا صاحب کا شہرہ سنکر ملاقات کے لئے آیا، ملا صاحب درس گاہ مین چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے تھے، اس نے ایرانی علمأ کا جاہ وجلال دیکھا تھا، ملا صاحب کی طرف اس کا خیال نہ جاسکا، لوگون سے پوچھا ملا نظام الدین کہان تشریف رکھتے ہین، آپ نے فرمایا مولانا کا حال تو مین نہین جانتا، لیکن نظام الدین میرا ہی نام ہے، اس نے چند فقہی مسائل پیش کئے کہ اہل حق (یعنی شیعہ مذہب والون) کے نزدیک اس کا کیا جواب ہے، ملا صاحب نے اس کا منشا سمجھ کر شیعون کی روایتون کے مطابق جوابدیا نہایت پسند کیا اور کہا کہ انھین مسئلون کو اہل ضلالت (سنیون) کے مذہب کے موافق بیان فرمائیے، ملا صاحب نے سنیون کی روایتین بیان کین، وہ عش عش کر گیا، اور کہا کہ جس قدر سنا تھا اس سے زیادہ پایا،

علماء کی نسبت عام شکایت ہے کہ علمی مباحثات سے ہمیشہ ان کو فخر اور امتیاز مقصود ہوتا ہے، اور اس لئے وہ کبھی حریف کے مقابلہ مین سکوت اختیار نہین کرتے، لیکن ملا صاحب اس عیب سے بالکل پاک تھے، ایک دفعہ ایک صاحب ان سے بحث کرنے کے لئے تشریف لائے، ملا صاحب نے مسئلہ کی تحقیق بیان فرمائی، انھون نے اعتراض کیا، ملا صاحب چپ ہو گئے، انھون نے مشہور کرنا شروع کیا کہ مین نے ملا نظام الدین کو بند کر دیا، ملا صاحب کے تلامذہ کو ناگوار گذرا اور ایک شاگرد نے جاکر ان صاحب کو زورِ تقریر سے بالکل ساکت کر دیا ملا صاحب

کو خبر ہوئی تو اس قدر برہم ہوئے کہ اس شاگرد کو حلقۂ درس سے الگ کر دیا، اور کہا کہ مین ہرگز یہ نہین پسند کرتا کہ میری وجہ سے کسی شخص کی شہرت اور عزت مین فرق آئے،

تصنیفات، ملا صاحب کی تصنیفات کثرت سے ہین، مثلاً شرح مسلم الثبوت، شرح منار مسمیٰ بہ صبح صادق، حاشیہ صدرا، حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ برحاشیہ قدیمیہ یہ تمام کتابین بڑے پایہ کی ہین، اور نہایت دقیق تحقیقات پر مشتمل ہین، لیکن درحقیقت ملا صاحب کی شہرت ان تصنیفات کی وجہ سے نہین بلکہ ان کے طریقۂ درس کے بدولت ہی، ملا صاحب کے زمانہ مین ہندوستان کے تمام اطراف مین بڑے بڑے علما موجود تھے، اور ہر ایک کی الگ الگ درس گاہ قائم تھی مثلاً ملا محب اللہ بہاری مصنف سلم و سلم متوفی ۱۱۱۹ھ ملا جیون مصنف نور الانوار المتوفی ۱۱۳۰ھ سید عبد الجلیل بلگرامی استاذ غلام علی آزاد المتوفی ۱۱۳۶ھ میر غلام علی آزاد بلگرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ لیکن ملا صاحب کے حلقۂ درس سے جس رتبے کے فضلا پیدا ہوئے، وہ خود ان بزرگون کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے، ملا صاحب کے فرزند مولانا عبد العلی کو تمام ملک نے بحر العلوم کا لقب دیا، جو آج تک مشہور ہے، اور درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک نہین پیدا ہوا، ملا صاحب کے دوسرے شاگرد ملا کمال اس پایہ کے شخص تھے کہ مولوی حمد اللہ جنکی شرح سلم آج نصاب تعلیم مین داخل ہے، انھین کے دامنِ فیض مین پلے تھے، ملا حسن کو بھی ملا صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل تھا،

ملا صاحب کے درس نے اس قدر قبولیت حاصل کی، کہ ہندوستان مین ہر جگہ سلسلہ بہ سلسلہ انھین کے شاگرد نظر آتے تھے، اور لکھنؤ کا فرنگی محل تو علم و فن کا معدن بن گیا، جہان دو سو برس سے آج تک علمی سلسلہ منقطع نہین ہوا، اور سیکڑون اہل کمال پیدا ہوکر پیوند خاک ہو گئے،

ملامبین، مولانا ظہور اللہ، مولانا ولی اللہ، مفتی محمد یوسف، مولانا عبد الحلیم، مولانا عبد الحی صاحب مرحوم جو ہمارے زمانہ مین موجود تھے، ان کی تصنیفین تمام ملک مین پھیلی ہوئی ہین، آج جہان جہان علوم عربیہ کا نام ونشان باقی ہے، اسی خاندان کا پرتو فیض ہے، ہندوستان کے کسی گوشہ مین جو شخص تحصیل علم کا احرام باندھتا ہے، اس کا رخ فرنگی محل کی طرف ہوتا ہے، مین نے سنہ ۱۸۹۶ء مین جب ملا نظام الدین کے آستانہ کی زیارت کی اور ان کی درس گاہ کو جو ایک مختصر سا بالاخانہ تھا، دیکھا تو عجب عبرت ہوئی، اللہ اکبر یہی ہمارے ہندوستان کا کیمبرج یہی ہے یہی خاک ہے، جس سے عبد العلی بحر العلوم اور ملا کمال پیدا ہوئے، افسوس اب یہ کعبہ ویران ہوتا جاتا ہے، یادرفتگان صرف ایک مقدس بزرگ مولانا نعیم صاحب باقی ہین، جو عبد العلی بحر العلوم کے پرپوتے ہین، اور جن کو ہماری سرکار نے شمس العلماء کا خطاب دیا ہے،

درس نظامیہ کی خصوصیات ملا صاحب کے حالات مین سب سے زیادہ قابل توجہ انکا مقرر کردہ نصاب ہے جو نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، اس نصاب کے خصوصیات یہ ہین :-

(۱) نصاب مین ہندوستان کی علماء کی متعدد کتابین داخل ہین، مثلاً نور الانوار، سلم، مسلم، رشیدیہ، شمس بازغہ حالانکہ اس سے پہلے یہان کی ایک تصنیف بھی درس مین داخل نہ تھی،

(۲) ہر فن کی وہ کتابین لی ہین جن سے زیادہ مشکل اس فن مین کوئی کتاب نہ تھی،

(۳) منطق وفلسفہ کی کتابین تمام علوم کی نسبت زیادہ ہین،

(۴) حدیث کی صرف ایک کتاب ہے یعنی مشکوٰۃ،

(۵) ادب کا حصہ بہت کم ہے،

اس نصاب مین سب سے زیادہ مقدم خصوصیت جو ملا صاحب کو پیش نظر تھی

یہ بھی کہ قوت مطالعہ اس قدر قوی ہو جائے کہ نصاب کے ختم کرنے کے بعد طالب العلم جس فن کی جو کتاب چاہے سمجھ سکے، اس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا کہ درس نظامیہ کی کتابین اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیجائین تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہین رہ سکتی، بخلاف درس قدیم کے کہ اس سے یہ بات حاصل نہین ہو سکتی تھی،

اختصار کے لحاظ سے بھی اس نصاب کو نصاب قدیم پر ترجیح ہے، ایک متوسط الذہن طالب العلم سولہ سترہ برس کی عمر مین تمام کتب درسیہ سے فارغ ہو سکتا ہی، چنانچہ علمائے فرنگی محل مین اکثر اتنی ہی عمر مین فارغ ہو جاتے تھے،

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ چونکہ اس مین فقہ کی کتابین بہت کم ہین، اور جو ہین ان مین معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے، اس لئے اس نصاب سے وہ تقشف اور ظاہر پرستی اور مذہب کا بیجا تعصب نہین پیدا ہوتا تھا جو سطحی فقہاء کا خاصہ ہے، اسی کا اثر ہی کہ فرنگی محل مین جو بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، ان مین کسی نے مذہبی مناظرات کی کوئی کتاب نہین لکھی، شیعہ وسنی کا جھگڑا سب سے زیادہ لکھنؤ مین پیدا ہو سکتا تھا، لیکن یہ صدا دلی سے بلند ہوئی، اور گو تمام ملک اس ہنگامہ مین مبتلا ہو گیا، اور تحفۂ اثنا عشریہ کے فقرے رجز کی طرح مذہبی پہلوانون کی زبانون پر چڑھ گئے، تاہم علمائے فرنگی محل اخیر تک اس شورش سے الگ رہے. اس نصاب سے اور باتون کے ساتھ ملا نظام الدین صاحب کی انصاف پرستی اور فراخ حوصلگی کا بڑا ثبوت ملتا ہے، علماء مین یہ خصلت بہت کم پائی جاتی ہے، کہ ان کو معاصرین کے فضل وکمال کا اقرار ہو، لیکن ملا صاحب نے اپنے معاصر علما کی اس قدر عزت کی، کہ اُن کی کتابین درس مین داخل کر دین، نور الانوار، سلم و مسلم سب ان کے معاصرین کی تصنیفات ہین، اور درس نظامیہ مین داخل ہین، ملا صاحب کی کسر نفسی اس سے بڑھکر کیا ہو گی، کہ اپنی

کوئی تصنیف نصاب مین داخل نہین کی، حالانکہ ان کا کوئی معاصر ان کی ہمسری نہین کر سکتا،
اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے، کہ موجودہ درس جو نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، دراصل
درس نظامیہ نہین ہے، اس مین بہت سی کتابین ایسی اضافہ ہوگئی ہین جو ملا نظام الدین
صاحب کے عہد مین موجود بھی نہ تھین، مثلاً ملا حسن، حمد اللہ، حاشیۂ غلام یحییٰ، قاضی مبارک اگرچہ
ہمارے نزدیک ضروریات زمانہ کے لحاظ سے درس نظامیہ مین بہت کچھ ترمیم و اضافہ کی
ضرورت ہے، لیکن اس مضمون مین ہم اس بحث کو نہین چھیڑتے اور اسی تحریر پر بس کرتے ہین،

(معارف علی گڈہ فروری ۱۹۰۶ء)

درس نظامیہ[1]

فرنگی محل یا نظامیہ بغداد

یا ہندوستان کا کیمبرج

ہماری قدیم طرز تعلیم اور آج کل کی مغربی تعلیم مین اس قدر فرق ہے کہ چندروز کے بعد لوگون کو قدیم تعلیم کی صحیح تصویر ذہن نشین کرانی مشکل ہوگی، جس طرح آج سلطنتِ تیموریہ کے اصولِ حکمت اور طریقۂ انتظام کا خاکہ لوگون کے ذہن مین نہین آتا، ایک شاندار عظیم الشان عمارت، ماہرانِ فن کا ایک گروہ، لکچرون کا ایک سلسلہ، چند محدود گھنٹے (جس کے بعد وہ عمارت قالب بیجان رہجاتی ہے) یہ چیزین یکجا ہوجائین تو یہ ایک یونیورسٹی یا کالج ہے، لیکن قدیم اصطلاح مین کالج ایک شخص کے وجود خاص کا نام تھا، وہ جہان بیٹھ جاتا تھا کالج بن جاتا تھا، اس کے گرد مستفیدون کی ایک جماعت کثیر جمع ہوجاتی تھی، اس کے فیض کا بادل ہر وقت برستا رہتا تھا، دن رات جس وقت جو کچھ بولتا تھا علمی لکچر ہوتا تھا، اس کے حرکات سکنات نشست برخاست، وضع قطع، طور طریقے سب خاموش علمی لکچر تھے

---

[1] اس مضمون کی ماخذ حسب ذیل کتابین ہین، (۱) رسالہ قطبیہ در حال ملا قطب الدین شہید از ملا عبد الاعلی فرزند مولوی عبد العلی بحر العلوم (۲) اغصان اربعہ مولوی ولی اللہ محشی صدرا (۳) عمدۃ الوسائل مولوی ولی اللہ صاحب موصوف الصدر در حال ملا قطب الدین و شاہ عبد الرزاق بانسوی (۴) اغصان الانساب مصنفہ رضی الدین محمود انصاری تصنیف سنہ ۱۲۶۰ ہجری لکھین اس موقع پر مجھ کو جناب مولوی عبد الباری کا شکریہ ادا کرنا بھی فرض ہے جنھون نے یہ کتابین مجھ کو دیکھنے کیلئے عنایت

شاگردون کا سلسلہ درسلسلہ پھیلتا جاتا تھا یہانتک کہ چند دن کے بعد یہ ذی روح کالج یونیورسٹی یا جامعۂ اعظم بنجاتا تھا، آج لوگ کالج کی طرف منسوب ہوتے ہین مثلاً آکسن لیکن اس زمانہ مین شخص کی طرف منسوب ہوتے تھے، نظامیۂ بغداد سے ہزارون ارباب کمال تعلیم پاکر نکلے، لیکن اسماے رجال مین جہان کہین انکا حال لکھا جاتا ہے، نظامیہ کا نام نہین آتا بلکہ ان اساتذہ کا آتا ہی جن سے انھون نے تعلیم پائی تھی، آج کل کی یونیورسٹیان یا کالج صرف بڑے بڑے شہرون مین قائم کیے جاسکتے ہین، لیکن اس وقت کے ذی روح کالج ہر قصبہ، ہر گاؤن ہر جھونپڑے مین قائم ہوسکتے تھے، دلی اور لکھنؤ پاے تخت تھے لیکن علمی فیض رسانی مین سہالی دیوا، گوپامئو، بلگرام جیسے دیہات ان دار السلطنتون سے بجا ہمسری کا دعوی کرسکتے تھے، ملا نظام الدین جنکے پرتو فیض سے آج تمام ہندوستان روشن ہو، ملا محب اللہ بہاری جن کے سلم اور مسلم نے آدھا حصہ درس کا دبالیا ہے، قاضی مبارک جنکی تصنیف کا سمجھنا منتہاے استعداد سمجھا جاتا ہی، یہ اہل کمال انھین دیہات نے پیدا کیے تھے،

اس قسم کے زندہ کالج، اگرچہ ہندوستان کے ہر گوشہ مین موجود تھے، لیکن نسبۃً اودھ کا صوبہ تمام اور صوبہ جات سے ممتاز تھا، اس صوبہ مین دس دس پانچ پانچ میل پر شرفا اور نجبائ کے دیہات آباد تھے جنمین اچھے اچھے نامور فضلا، درس دیتے تھے، اور دور دور سے تحصیل علم کے لئے طلبہ آتے تھے، سلاطین وقت کی طرف سے ان درسگاہون کے لیے دیہات معاف تھے، مولوی غلام علی آزاد نے مآثر الکرام مین اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ہم اس موقع کا اقتباس نقل کرتے ہین:-

"اگرچہ جمیع صوبہ جات ہند بوجود عالمان علم تفاخر دارند اما صوبہ اودھ والہ آباد خصوصیتے دارد کہ درہیچ صوبہ نتوان یافت، چہ در تمام صوبۂ اودھ واکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کروہ

• نہایت دہ کردہ آبادی شرفا و نجبا رہست کہ از سلاطین و حکام، وظائف و زمین مدد معاش داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر در ہر جا ابواب علم بر روے دانش پژوہان کشادہ و طلبۂ علم خیل خیل میروند، و ہر جا موافقت دست بہم داد بہ تحصیل مشغول میشوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، و خدمت این جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ماست[۱]"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کر لین، علما و فضلا کی اولاد کسب معاش کی ضرورت سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہو گئے اور علمی صحبتین درہم برہم ہو گئین ۱۱۵۹ھ مین الہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کر لین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ تمام علمی بستیان اجڑ گیئن[۲]،

غرض انھین زندہ کاجون مین ایک سہالی بھی تھی جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۳۲ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا قصبہ تھا، درس **نظامیہ** کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس **نظامیہ** ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہے، ہندوستان مین آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

[۱] کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین [۲] یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے۔

ہیں، کوئی عالم عالم نہیں مانا جاسکتا جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے اسی طریقہ درس کے موافق تعلیم حاصل کی ہے، جس طرح کھوٹا سکہ ٹکسال باہر کہلاتا ہے، اسی طرح کسی کتاب کا درس نظامیہ سے خارج ہونا اس بات کی شہادت ہے، کہ وہ نصاب تعلیم میں داخل ہونے کی قابلیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی، درس نظامیہ اگرچہ خاص ہندوستان کا کارنامۂ فخر ہے، لیکن نظام الملک نے بغداد میں جو مدرسہ اعظم نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا، اس کی عالمگیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلہ کو بھی اس کے فہرست اعمال میں داخل کرنا چاہا، چنانچہ ہمارے زمانہ کے اکثر ناواقفوں کو دھوکا ہو گیا، یہاں تک کہ ایک اردو تصنیف میں صراحۃً یہ دعویٰ کیا گیا،

درس نظامیہ اگرچہ ملا نظام الدین صاحب کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اسکی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جنکا نام ملا قطب الدین شہید تھا، اور اس لئے اس علمی لوح کے طغراوہی قرار پا سکتے ہیں، تمام ہندوستان میں بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیاے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور بلا فصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے، ہندوستان کی علمی تاریخ میں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اس ملک میں تاریخ اور رجال کا مذاق کم تھا، لیکن اس سلسلہ نے خاص اپنے خاندان کا حال اس استقصار کیساتھ لکھا کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی، چنانچہ ہم کو اس مضمون کے لکھنے میں تاریخی معلومات کی حیثیت سے کوئی دقت نہیں پیش آئی،

اسلام جب عرب سے نکل کر دور دور ممالک میں پھیلا تو اکثر عرب کے خاندان ہجرت کر کے ان ممالک میں چلے آئے، ان میں سے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی نسل سے ایک

بزرگ ہرات مین آئے اور یہان سکونت کی، ان کے خاندان سے ایک بزرگ علاء الدین انصاری[1]
ہندوستان آئے، چنانچہ اُن کا مزار قصبہ برناوہ مین ہے جو دلی اور متھرا کی راہ مین واقع
ہے، ان کی نسل سے شیخ **نظام الدّین** سہالی مین آئے، شیخ موصوف نے یہان مستقل
سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا،

شیخ نظام الدّین کے پر پوتے شیخ حافظ نے علم و عمل مین زیادہ شہرت حاصل کی،
یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا، تیموری حکومت کی یہ خصوصیت اس کے کارنامون کا طغرا ے
زرین ہے کہ تمام ملک مین چپہ چپہ پر واقعہ نویس موجود تھے، جن کے متعلق یہ خدمت بھی تھی
کہ ارباب کمال کے وجود سے بادشاہ کو اطلاع دیتے رہتے تھے، چنانچہ خبر ہونے کیساتھ
ان لوگون کی جاگیرین مقرر ہو جاتی تھین، جن کی مالگذاری ان کے لئے معاف ہو جاتی
تھی، اس قسم کے بیشمار فرامین شاہی خود ہماری نظر سے گذرے ہین، غرض، شیخ حافظ
کی بھی جاگیر مقرر ہو گئی، اور اس کے متعلق فرمان شاہی عطا ہوا، یہ فرمان اب تک اس
خاندان مین موجود ہے، اور اس مین (جیسا کہ مولوی ولی اللہ صاحب نے اغصان اربعہ
مین لکھا ہے) شیخ کی نسبت نہایت تعظیمی الفاظ مذکور ہین، شیخ موصوف کی درس گاہ مین
طلبہ کی سکونت کا انتظام تھا جن کے مصارف کا تکفل خود شیخ کی طرف سے کیا جاتا تھا،

ملا قطب الدّین شہید انھین شیخ حافظ کی نسل سے چوتھی پشت مین تھے،
درس نظامیہ کی اصلی بنیاد انھین سے شروع ہوتی ہے، ملّا صاحب کے والد لاہور کے
مدرسہ مین مدرس تھے، ملا صاحب نے اسی زمانہ مین ان سے تعلیم پائی، ان کے علاوہ

---

[1] یہ تین بھائی ساتھ آئے تھے ایک نے ان مین سے پانی پت مین قیام کیا، چنانچہ پانی پت کے انصاری انھین کے خاندان
مین سے ہین، (رسالہ قطبیہ) اس بنا پر مولانا حالی، اور علماے فرنگی محل ہم نسب ہین،

قاضی گھاسی سے علوم حاصل کئے جو بہت بڑے صوفی اور حضرت محب اللہ الہ آبادی کے خلیفہ اور جانشین تھے اس زمانہ مین قصبہ دیوا جو لکھنؤ کی نواح مین ہے مولانا عبد السلام کے درس کی وجہ سے علم و فضل کا مرکز تھا، ملّا صاحب نے وہان بھی جاکر علم کی تحصیل کی، مولانا عبد العلی بحر العلوم کے خلف اکبر مولوی عبد الاعلیٰ اپنے رسالہ قطبیہ مین لکھتے ہین کہ "ان کی تصنیفات مین سے صرف شرح حکمۃ العین کا حاشیہ اور رسالۂ امور عامہ کے مسودہ کے کچھ اجزا میرے والد کے کتبخانہ مین موجود ہین، تلویح کا حاشیہ بھی ملا نظام الدین کے زمانہ تک موجود تھا مگر اب مفقود ہے"

ملّا صاحب کا معمول یہ تھا کہ دن کو درس دیتے تھے، شب کو عبادت مین مصروف ہوتے تھے، اور سہ شنبہ اور جمعہ، کے دن تصنیف کرتے تھے[1]

ملّا صاحب کے فضل و کمال کا شہرہ ہوا تو عالمگیر نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن ملّا صاحب نے اپنے اسلاف کے طریقہ کے موافق گوشۂ عزلت کا چھوڑنا گوارا نہ کیا،[2]

ملّا صاحب نے درس کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا تھا جو خود ان کا قایم کردہ تھا، وہ ہر فن کی صرف ایک جامع اور مستند کتاب پڑھاتے تھے، کہ شاگرد کو تمام مسائل پر مجتہدانہ عبور ہوجاتا تھا، رسالہ قطبیہ مین ہے،

"مولانائے شہید (ملا قطب الدین) از ہر فن یک یک کتاب میخوانیدند و شاگردان محقق می شدند"

ملا نظام الدین اور مولانا بحر العلوم نے اس پر اضافہ کیا، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

---

[1] رسالہ قطبیہ از مولانا عبد الاعلیٰ درحال ملا قطب الدین شہید [2] گلزار ابرار،

ملا صاحب کے حلقۂ درس نے نہایت وسعت حاصل کی، اور سلسلۂ تلامذہ مین ایسے علما پیدا ہوئے جن کے الگ الگ حلقۂ درس ہو گئے اور تمام ہندوستان پر چھا گئے، انمین سے چار شخص نہایت نامور ہین، ملا نظام الدین جن کے نام سے درس نظامیہ مشہور ہے، ملا محب اللہ بہاری جو بیک واسطہ ملا صاحب کے شاگرد ہین، اور جن کی تصنیف سلم اور مسلم اس قدر مقبول ہوئی کہ آج علمار کا سرمایۂ کمال یہی کتابین اور ان کی شرحین ہین، مولوی امان اللہ بنارسی جو ملا نظام الدین کے استاد تھے اور جن کی اصول فقہ مین ایک معرکہ آرا تصنیف ہے، قطب الدین شمس آبادی جو ملا محب اللہ بہاری کے استاد تھے،

ملا صاحب کی شہادت ملا قطب الدین کی شہادت اگرچہ ایک اہم واقعہ ہے، لیکن سخت تعجب ہے کہ رسالہ قطبیہ، اغصان اربعہ اور سبحۃ المرجان ان سب کتابون مین اس واقعہ کو نہایت اجمال سے لکھا ہے، اس لئے ہم عمدۃ الوسائل اور گلزار انصار سے اس کی تفصیل لکھتے ہین، اگرچہ پچھلی کتاب ایک معمولی درجہ کی تصنیف ہے،

قصبہ سہالی کے آس پاس خانزادے رہتے ہین، ان سے اور چودھری محمد آصف سے جو سہالی کے زمیندار اور ملا صاحب کے ابن العم تھے ہمیشہ سرحدی جھگڑے رہتے تھے، ملا صاحب کی شادی چودھری محمد آصف کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس تعلق سے خانزادون کو ملا صاحب سے بھی عداوت ہو گئی، تاہم چونکہ ملا صاحب کی عزت دربار شاہی مین بھی تھی، یہ لوگ کچھ جرأت نہین کر سکتے تھے، سوء اتفاق یہ کہ خود سہالی مین عثمانی خاندان کے جو شیخزادے تھے، ان سے اور چودھری محمد آصف سے، موضع بلرن کی آبپاشی کے متعلق نزاع ہوئی، اہل شہر ان جزئیات کی وقعت نہین کر سکتے، لیکن ہم دیہات والے ان مہمات کو ایران و توران کے معرکون سے کم نہین سمجھتے، غرض دونون طرف سے بڑے زور کی تیاریان

ہوئین لیکن ملّا صاحب نے جاکر بیچ بچاؤ کیا، اور دونون طرف کی فوجین واپس گئین
موقع پاکر خانزادے کئی سو آدمی کے ساتھ سہالی مین آئے اور عثمانیون کو جاکر بھڑکایا
کہ ہم ساتھ ہین آپ حملہ کیجئے، سب ملکر چودھری محمد آصف کے گھر پر چڑھ آئے، چودھری
صاحب ملّا صاحب کے مکان پر تقریب ولادت کی مبارکباد دینے گئے تھے[1] ظالمون نے
جاکر ملا صاحب کے گھر کا محاصرہ کر لیا، دیوارون مین نقب لگاکر گھس گئے، ایک نازک
اور کمزور جسم کے لئے ہلکا سا ایک وار کافی تھا، لیکن ظالمون نے تمام آلاتِ جنگ استعمال
کئے، پہلے تیر، پھر بندوق، اور آخر تلوار کے سات وارون نے ملکر اس پیکر روحانی کو برباد
کرنا چاہا، اور اپنے اعتقاد کے مطابق کامیاب بھی ہوئے لیکن،

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اس واقعہ کی تاریخ روز دوشنبہ رجب سنہ ۱۱۰۳ ہجری،

ملّا صاحب کے ساتھ چند طلباء نے بھی جو مشغولِ درس تھے وفات پائی، ظالمون
نے خونریزی سے فارغ ہوکر، گھر کا مال و اسباب لوٹا اور ملا صاحب کا ذخیرۂ علمی، جس مین
سات سو کتابین تھین جلاکر برباد کر دیا، ملا صاحب کی لاش، اور چودھری آصف کا سر
ساتھ لے گئے، تین چار دن کے بعد ملا صاحب کے دونون ہاتھ کاٹ کر رکھ لئے اور لاش
سہالی بھیجدی، چنانچہ ۲۷ رجب کو نمازِ جنازہ پڑھکر تجہیز و تکفین کی،
اس واقعہ مین ملا صاحب کے صاحبزادون مین سے تین صاحب موجود تھے، ملا سعید

---

[1] یہ تفصیل گلزار الضارب سے ماخوذ ہے، محضر نامہ مین نہین ہے، اغصان الانساب اور رسالۂ قطبیہ مین ہے کہ مخالفین نے پہلے چودھری آصف کے گھر پر حملہ کیا، وہ ملا صاحب کے پاس اعانت و مشورت کے لئے آئے، مخالفون نے تعاقب کیا اور ان کے ساتھ ملا صاحب کو بھی شہید کیا،

ملا نظام الدین، ملا رضا، ملا سعید زخمی ہوئے اور ملا نظام الدین کو اشقیا پکڑ کر ہینتےپور لیگئے، لیکن فتحپور اور دیوا کے شرفا نے جاکر نہایت بجاجت اور الحاح سے ان کی رہائی کرائی، صاحبزادون نے ایک محضر لکھا جسمین تمام واقعات کی تفصیل لکھی، یہ محضر اب تک موجود ہے اور اس پر تمام مشہور علما، اور رؤسا اور عمال شاہی کے تصدیقی دستخط ثبت ہین، چونکہ اس محضر مین تمام واقعات اور قاتلون کے نام تفصیل سے درج ہین، اس لئے ہم اسکو بعینہ نقل کرتے ہین:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحکم آیہ کریمہ لا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ، سوال میکنم و گواہی میخواہم، با جماعۂ ستم رسیدگان محمد سعید و نظام الدین، و محمد رضا پسران مولوی قطب الدین ساکن قصبۂ سہالی سرکار لکھنؤ صوبہ اودھ از قضاۃ اسلام و مشایخ کرام و جمہور انام بہ این معنی کہ بر اصاغر و اکابر این دیار روشن و ہویدا ست کہ مولوی مذکور موصوف بکمالات انسانیہ و فضائل علمیہ و عملیہ و حافظ قرآن مجید بودند و غیر اشتغال تدریس و تکرار با طلبۂ علوم دینیہ و عبادت و طاعت کارے نداشتند، و در اوقات فراغ از درس و عبادت، بہ تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند، بتاریخ رجب المرجب ۱۱۰۳ھ مطابق روز دوشنبہ بر عادت قدیمہ از نماز فجر و وظائف فراغ اندوختہ در مدرسہ آمدہ بدرس جمعے از فضلائے حاضر النخ بہت مشغول شدند چون دو گھڑی روز بر آمد اسد اللہ و باقر و پیر محمد سکنہ روضہ عملہ پرگنہ سہالی و نور و غلام محی الدین بساون و سہاون ساکنان قصبہ سہالی و فقیر اللہ متوطن قصبہ دیوا و انور ساکن استی معمولہ پرگنہ بجنور وغیرہ زمینداران گرد و پیش خانۂ مولوی را محاصرہ نمودند و از ہر چہار طرف دیوار نقبہا زدہ اندرون در آمدند و مولوی را ایک زخم تیر و یک زخم تفنگ و ہفت ضرب شمشیر بر

روز رسانیدہ شہید ساختند وشیخ غلام محمد نبیرہ زبدۃ الاولیا بندگی شیخ نظام الدین ساکن
امیٹھی ودیگر شیخ شرف اللہ ساکن سندیلہ کہ بخواندن فاتحۃ الفراغ درخدمت بودند نیز از دست
ظلمہ مذکورین شہید شدند، ومحمد آصف چودھری پرگنہ سہالی کہ برائے مدد مولوی رسیدہ باہمرہیان
خود شہید شدند، بندہ محمد سعید وجمعے از طلبہ وشیخ فضل اللہ برادر نائب قاضی عبداللہ
قاضی پرگنہ سہالی وغیرہ زخمی شدند پس از آنکہ ظلمہ مذکورین از قتل ونکل فارغ شدند بہ نہب
اموال وامتعہ کہ در حویلی بود پرداختند چنانچہ اثرے ازان نگذاشتند وکتب مولوی وغیرہ از
مردم کہ قریب نہصد جلد مجتمع بود اکثرے ازان آتش دادہ سوختند، درآن میان مصحف مجید
چہار جلد ومشکوۃ وغیرہ از کتب حدیث ومصنفات مولوی حاشیہ تلویح وشرح عقائد نسفیہ
وتعریفات بزدوی وحاشیہ مطول وغیرہ کتب کہ کثیر الحجم مشتمل بر فوائد جمیلہ بودند ہمہ سوختہ شد،
وہمہ را برداشتہ بردند بامستوران مولوی وبرادران بانواع ہتک حرمت پیش آمدند ازان
بر خانہ شیخ حسام الدین برادر عم زاد حقیقی مولوی وغیرہ برادران ومردم غرباء سکنہ قصبہ سہالی
بر ریختند، مال ومتاع ہرچہ بود بغارت بردند، چون وقت دو پہر از کارہائے مسطور فارغ شدند،
ومراجعت بمسکن خود کہ موضع بینتے پور معمولہ پرگنہ فتحپور دیلواوغیرہ باشد نمودند، بندہ نظام الدین
پسر خورد مولوی را اسیر کردہ ہمراہ گرفتند، ونعش مولوی وسر محمد آصف چودھری نیز باخودہا
بموضع مذکور بردند، بعد از سہ چہار روز از الحاح وعجز بعضے شرفاء فتحپور ودیوا بندہ نظام الدین
را خلاص نمودند، وسر محمد آصف دادند ونعش مولوی را جابجا دفون میکردند ومی برآوردند،
آخر بعد شش روز بیرون دوست بریدہ گرفتند ونعش بہ قصبہ سہالی فرستادند، چنانچہ جمعے از مسلمین نماز جنازہ
خواندہ بتاریخ بست وہفتم شہر مذکور در قصبہ سہالی مدفون ساختند"
تذکروں میں دشمنوں کی مخالفت کی کوئی خاص وجہ ملا صاحب سے نہیں ہے، اور

صرف آصف چودھری کی پناہ گزینی، ایسی بیرحمی اور سفاکی کا سبب نہین ہو سکتی عمدۃ الوسائل مین لکھا ہے کہ مخالفین اپنی زمینداری مین نہایت ظلم کرتے تھے، اور چونکہ عالمگیر ملا قطب الدین سے بہت راہ ورسم رکھتا تھا، اور امراے دربار کو ان کی خدمت مین بھیجا رہتا تھا، اس لئے انھون نے سمجھا کہ ہمارے مظالم، بادشاہ تک پہنچ جائین گے، ملا سعید یہ محضر لیکر عالمگیر کے پاس دکن گئے، عالمگیر نے عمال کے نام فرمان بھیجا کہ قاتلون سے قصاص لیا جائے اور ان کا خانمان برباد کر دیا جائے،[۱] چنانچہ صوبہ دار لکھنؤ نے سرکاری سپاہ بھیجکر ان کا گھر بار غارت کر دیا، مخالفین بھاگ کر جلا وطن ہو گئے، اور بالآخر خاندان والون نے جعلی فوتی نامہ بنا کر عالمگیر کے دربار مین پیش کیا کہ قاتل مر گئے، اصل قاتل اسد اللہ تھا، جو موضع سنیتی پور کا رہنے والا تھا، وہ گور دپوش ہو کر بچ گیا، لیکن مدت تک زندہ رہا، چنانچہ ملا نظام الدین (پسر ملا قطب الدین شہید) کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا، اس نے ملا صاحب کی خدمت مین خون بہا بھی پیش کیا، لیکن انھون نے قبول کرنے سے انکار کیا، بلکہ اپنا حصہ معاف کر دیا، تاہم خون کا یہ اثر تھا کہ جب وہ ملا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا، تو آپ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے،[۲] مولوی ولی اللہ صاحب عمدۃ الوسائل مین لکھتے ہین کہ مین نے سنہ ۱۲۰۹ھ مین سنیتی پور جا کر دیکھا تو ویران اور تباہ تھا، اور گاؤن والے کہتے تھے کہ یہ اسی خون ناحق کی سزا ہے،

عالمگیر نے ملا قطب الدین کے صاحبزادون کے رہنے کے لئے فرمان کے ذریعہ سے لکھنؤ مین دو مکان عنایت کئے، یہ فرمان اب تک اس خاندان مین موجود ہے اور ہم اس کے جستہ جستہ حصے نقل کرتے ہین:-

---

[۱] اغصان اربعہ مطبوعہ مطبع کارنامہ لکھنؤ، [۲] رسالہ قطبیہ،

"درین وقت میمنت اقتران والاشان واجب الاذعان صادر شد که یکمنزل حویلی فرنگی محل بامتعلقهٔ آن واقع بلدہ لکھنؤ مضاف بہ صوبہ اودھ کہ از اکمنۂ نزولی ست برای بودن شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیرداران و کروریان آنرا بنام مشار الیہما معاف و مرفوع القلم دانستہ بوجہ من الوجوہ مزاحم و متعرض نہ شوند، و اندرین باب سند مجدد نہ طلبند، مرقوم غرہ ذیقعدہ سال سی و ہفتم جلوس والا نوشتہ شد"۔

فرمان کے پشت پر جو عبارت ہو اس کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

"شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۱۴ ر شعبان المعظم ۳۷ سنہ جلوس والا موافق ۱۱۰۵ سنہ مطابق مرداد ماہ بر سالہ صدارت و مشیخت پناہ، فضیلت و کمالات دستگاہ ہنراور، مرحمت و احسان، صدر رفیع القدر فاضل خان و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ حسام الدین حسین قلمی می گردد، کہ بعرض مقدس و معلی رسید کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبہ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبۂ مذکور را گذاشتہ جلا وطن گردیدند و کدام مکان ہا سکونت ندارند" الخ،

ملا صاحب کی شہادت ۱۱۰۳ سنہ مین ہوئی اور فرمان کی تاریخ تحریر شعبان ۱۱۰۵ سنہ ہے، چونکہ عالمگیر اس زمانہ مین دکن مین تھا، اس لئے ملا سعید کو وہان پہنچنے اور حکم صادر ہوتے ہوتے دو برس کا زمانہ گذرا، غرض فرمان کے بعد سارا خاندان لکھنؤ مین آگیا، اور فرنگی محل دار العلم والعمل بن گیا،

اس محلہ کی وجہ تسمیہ یہ مشہور ہے کہ فرانس کا ایک سوداگر اس محلہ مین اگر تجارت کے تعلق سے رہا تھا، وہ وطن چلا گیا، تو اس کے مکانات سرکاری قبضہ مین آگئے اور

وہی اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گئی،

بہ بین کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ　　که چون خراب شود خانۂ خدا گردد

ملا صاحب کے چار صاحبزادے تھے، ملا اسعد، ملا سعید، ملا نظام الدین، ملا رضا،

ملا اسعد سب مین بڑے تھے اور بہت بڑے عالم تھے، حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ لکھا تھا، ملا جیون سے مناظرہ مین فتح حاصل کی، مزاج امیرانہ تھا، اس لئے دربار مین توسل پیدا کیا، اور ہمیشہ عالمگیر کے ہمرکاب رہتے تھے، شاہ عالم کے زمانہ مین وفات[ا] پائی، ملا حسن جو مشہور عالم گذرے ہین، انھین کے پوتے تھے،

دوسرے صاحبزادے ملا سعید باپ کے ساتھ زخمی ہوئے تھے، اچھے ہوکر دکن گئے اور فرنگی محل کی معافی کا فرمان لائے، عنفوانِ شباب مین وفات کی، ملا احمد عبد الحق جو مشہور صوفی اور مصنف گذرے ہین، انھین کے صاحبزادے ہین، مولوی مبین شارحِ سلم انھین کے فرزند تھے،

تیسرے صاحبزادے ملّا نظام الدّین تھے، ان کا حال تفصیل سے آتا ہے،

چوتھے صاحبزادے ملا محمد رضا ملا نظام الدین سے سات برس چھوٹے تھے، یہ بھی بڑے عالم تھے، مسلم پر شرح لکھی، لیکن اخیر مین درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر شاہ عبد الرزاق بانسوی کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور تارک الدنیا ہو گئے،

ملّا نظام الدّین کی عمر باپ کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کی تھی، اور شرح ملا جامی تک پڑھ چکے تھے، لکھنؤ مین آکر طالب العلمی مین مشغول ہوئے، ابتدائی کتابین دیوا مین جا کر پڑھین، جو آج حاجی وارث علی صاحب مرحوم کے انتساب سے مشہور ہے،

ا رسالہ قطبیہ،

اور اس زمانہ مین مولانا عبد السلام کا درس گاہ تھا، پھر اکثر کتابین جائس مین جا کر ملا علی قلی سے پڑھین، امور عامہ مولانا امان اللہ بنارسی سے پڑھا، توشیحہ کی تحصیل ملا نقشبند گورکھپوری سے کی، مولوی غلام علی آزاد سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین کہ آخری کتابین ملا غلام علی نقشبند سے لکھنؤ مین پڑھین، زمانہ کا انقلاب دیکھو آج جائس اور دیوا معمولی دیہات ہین، ایک زمانہ تھا کہ وہ ملا نظام الدین کے قبلہ مقصد تھے، غرض ملا جیون نے ۲۴ برس کی عمر مین تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کی،

سلسلۂ قطبیہ مین یون تو سیکڑون علما پیدا ہو گئے لیکن ملا قطب الدین کے نام کو خدا نے وہ عزت دی کہ آج سب کا نام انھین کے نام سے روشن ہی، اور ہندوستان کا تمام سلسلۂ درس انھین کے نام سے منسوب ہے، مولوی غلام علی آزاد مآثر الکرام مین لکھتے ہین "امروز علماے اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشۂ تفاخر می شکنند و کسیکہ سلسلۂ تلمذ بہ او رساند بین الفضلاء علم امتیاز می افرازد"، وہ علم و فضل کے ساتھ زہد و قناعت، صبر و رضا، تقدس اور ایثار نفس کے وجود مجسم تھے، ان کی تصنیفات بھی کثرت سے ہین، لیکن یہ بھی ان کا ایثار نفس ہے کہ سلسلۂ درس مین اپنی ایک تصنیف بھی نہین رکھی، بلکہ اپنے استاد بھائی، ملا محب اللہ بہاری کی کتابین سلم و مسلم درس مین داخل کین، جس کی بدولت آج ان کتابون کا نام آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہی،

ملا صاحب نے چالیس برس کی عمر مین شاہ عبد الرزاق بانسوی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور پھر تصوف کا رنگ ان پر غالب آگیا۔ ملا صاحب کا بالاخانہ جس پر بیٹھکر درس دیا کرتے تھے آج بھی موجود ہے مین نے ۱۸۹۹ء مین اسکی زیارت کی تھی، ۹ جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ مین سنگ مثانہ کی بیماری مین وفات پائی،

سلہ[1] یہ تفصیل اغصان الانساب مین ہی،

عبدالباسط امیٹھوی نے تاریخ لکھی :-

نظام الدین محمد و اصل حق — چو از روے زمین سوے فلک شد

وصالِ سالِ تاریخش فلک گفت — ملک بود و بیک حرکت مَلک شد[1]

تصنیفات حسب ذیل ہین :-

شرح منار، حاشیہ شمس بازغہ، حاشیۂ حاشیہ قدیمہ، شرح عقائد جلالیہ، شرح مسلم، شرح تحریر الاصول، حاشیہ صدرا،

ملا صاحب نے نہایت زہد و قناعت کی زندگی بسر کی، کبھی کبھی تین تین دن کا فاقہ گذر جاتا تھا، اکثر چنے چاب کر رہجاتے تھے، کبھی اہل دنیا کی طرف توجہ نہ کی، مناظرہ اور مجادلہ جو علماء کا عام طریقہ ہے، اس سے پرہیز کرتے تھے، ان کے طلبہ مین اگر کوئی کسی کو بحث مین الزام دیتا تھا تو اس سے ناراض ہوتے تھے، چونکہ مین نے ملا صاحب کا حال معارف مین تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہان قلم انداز کرتا ہون،

مولانا عبد العلی بحر العلوم

ملا صاحب کی پہلی شادی سے کوئی اولاد نہ تھی، لوگ کہتے تھے کہ دوسری شادی کیجئے، فرماتے تھے کہ مین بکھیڑے مین پڑنا نہین چاہتا، ہان کسی بزرگ کا ارشاد ہوگا تو مجبوری ہے، میر اسمٰعیل بلگرامی سے ملا صاحب نے فیض باطنی حاصل کیا تھا، انھون نے کہلا بھیجا کہ مجھ کو الہام سے معلوم ہوا ہی کہ دوسری شادی سے تمھارے اولاد ہوگی، غرض اخیر سن مین قصبہ ستر کھ مین شادی کی جس سے وہ گوہر شاہوار پیدا ہوا جو آج بحر العلوم کے نام سے مشہور ہے،

بحر العلوم نے جنکا اصلی نام عبد العلی ہے، تمام کتابین ملا صاحب ہی سے پڑھین،

---

[1] رباعی عمدۃ الوسائل مین نقل کی ہے اور شاعر کا نام اغصان الانساب مین لکھا ہے،

اس وقت ان کا سن ۱۷ سال کا تھا، اسی زمانہ مین ملا صاحب نے ان کی شادی قصبہ کاکوری مین کردی، ملا صاحب کی وفات کے بعد بحر العلوم نے ملا کمال سے استفادہ کیا، جو ملا نظام الدین کے شاگردون مین سب سے ممتاز تھے،

آغاز شباب تھا کہ ایک ناگوار واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے ان کو وطن چھوڑنا پڑا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید نور الحسن خانصاحب بلگرامی ایک بزرگ شیعی مذہب تھے، وہ اس زمانہ مین بیمار تھے، اور مولوی محب اللہ صاحب کے مکان پر جو مولوی مبین شارح سلم کے والد تھے مقیم تھے، محرم کا زمانہ آیا، تو بیماری کی وجہ سے خود تعزیہ کی زیارت کو نہ جا سکے، اور کہلا بھیجا کہ تعزیہ کو اسی طرف سے لیجائین، تاکہ مین یہین سے زیارت کر لون، مولانا بحر العلوم کا مدرسہ سر راہ تھا، اور اتفاق یہ کہ اس وقت مولانا محرم کے شربت پر فاتحہ دیرہے تھے، ان کو معلوم نہ تھا کہ بلگرامی صاحب کے حسب طلب تعزیہ آیا ہے، چونکہ فاتحہ مین مصروف تھے، زبان سے نہ بولے، ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر سے راستہ نہین، طلبہ موجود تھے، سمجھے تعزیہ کے توڑنے کا حکم دیا، اٹھکر تعزیہ توڑ پھوڑ ڈالا، یہ نوابان اودھ کا زمانہ اور شیعیت کا زور تھا، غل پڑگیا کہ مولانا نے بغاوت کی، قاضی غلام مصطفےٰ جو شیعی مذہب تھے، بلوہ عام کرکے مولانا کے گھر پر چڑھ آئے، مولانا نے بھی سیکڑون ہزارون آدمی جمع کر لئے اور مقابلہ کی تیاری کی، یہ سامان دیکھکر قاضی صاحب نے صلح کی درخواست کی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا، لیکن یہ محض دقع الوقتی تھی، قاضی صاحب چاہتے تھے کہ بے خبری مین مولانا کو قتل کرادین، مولانا نے اہل خاندان سے مشورت کی حکومت کا مقابلہ کون کر سکتا تھا، لوگون نے کہا مصلحت یہ ہے کہ آپ کچھ دنون کے لئے ٹل جائین، لیکن مولانا کے احباب نے کہا کہ ملا نظام الدین صاحب کی نشستگاہ سے نکلنا ٹھیک نہین،

آپ یہین رہین ہم لوگ سینہ سپر ہون گے لیکن خاندان کے لوگ خود مولانا کا عروج نہین دیکھ سکتے تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ پتھر سینہ سے ٹل جائے، ان لوگون نے کہا آپ اپنے ساتھ ہم کو نہ برباد کرائیے، مولانا کے رفقا اب بھی راضی نہ تھے لیکن مولانا چھپکر گھر سے نکلے، اور شاہجہان پور چلے آئے، یہان حافظ رحمت خان کی حکومت تھی، اس نے بڑی تعظیم و تکریم کی، مولانا نے ۲۰ سال تک یہان قیام کیا،[۱]

حافظ رحمت خان نے مولانا کے مصارف کے لئے معقول رقم مقرر کر دی، اور ان کے طلبہ کے وظائف مقرر کرا دیئے، نواب عبداللہ خان رئیس شاہجہان پور نے قلعہ مین لیجا کر اپنے مکان مین اتارا، دور دور سے طلبہ مولانا کا نام سنکر آنے لگے، اور بہت بڑی درس گاہ قایم ہو گئی، بہت سے لوگ فارغ التحصیل ہو کر نکلے، یہان مولانا نے بہت سی کتابین تصنیف کین، حافظ رحمت خان نے جب شہادت پائی تو یہ اطراف نواب شجاع الدولہ کی حکومت مین آگئے تو مولانا نے یہان سے نکلنے کا ارادہ کیا، اس زمانہ مین رامپور کی ریاست پر نواب فیض اللہ خان حکمران تھے، وہ خود آکر مولانا کو ساتھ لے گئے، چند روز تک مولانا نے یہان قیام کیا، لیکن نواب موصوف مولانا کے گروہ طلبہ کی کفالت نہ کر سکے، اور مولانا نے یہان سے بھی نکلنے کا ارادہ کیا، اس زمانہ مین منشی صدر الدین خان نے بوہار مین جو کلکتہ کے نواح مین ہے، ایک مدرسہ قائم کیا تھا، مولانا کے پاس زاد راہ بھیجکر تشریف لانے کی درخواست کی، مولانا تنو شاگردون کے ساتھ بوہار کو روانہ ہوئے، قریب پہنچے تو منشی صدر الدین خان خود استقبال کر کے لائے، چار سو تنخواہ مقرر کی اور مولانا کے تمام شاگردون کے وظائف مقرر کر دیئے

یہ واقعات اغصان اربعہ سے منقول ہین، لیکن رسالہ قطبیہ مین ہے، کہ مولانا کو رامپور مین کچھ شکایت کی وجہ نہین پیدا ہوئی تھی، لیکن منشی صدر الدین خان کے سخت اصرار کیوجہ سے

[۱] یہ پوری تفصیل رسالہ قطبیہ مین ہی، اور چونکہ یہ خود مولانا کے خلف اکبر کی تحریر ہے، اسلیئے اس سے زیادہ قابل اعتماد اور کوئی شہادت نہین ہو سکتی

مجبور ہو گئے، قطبیہ مین یہ بھی لکھا ہے، کہ منشی صدرالدین خان نے افسرانِ انگریزی کی سفارشین بھی نواب فیض اللہ خان کے پاس بھجوائین کہ وہ مولانا کو ادھر روانہ کردین،

بہرحال مولانا نے بوہار مین کچھ زمانہ تک قیام کیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ مدراس مین نواب والاجاہ محمد علی خان والئ ارکاٹ کی حکومت تھی، وہ خاص قصبۂ گوپامئو کے رہنے والے تھے، اس تعلق سے مولانا کے ہم وطن تھے، مولانا بعض اسباب کی وجہ سے بوہار سے دل برداشتہ ہو گئے تھے، یہ خبر نواب کو پہنچی، فوراً درخواست بھیجی، مولانا بوہار سے روانہ ہوئے، مدراس کے قریب پہنچے تو نواب نے، اعزہ خاندان اور امراے دربار کو ایک منزل آگے استقبال کے لئے بھیجا، شہر مین داخل ہوئے، تو سب امراء جلو مین ساتھ ساتھ تھے، ڈیوڑھی کے قریب پالکی پہنچی تو نواب مع تمام مقربین کے پیادہ پا نکلا، مولانا نے پالکی سے اترنا چاہا، نواب نے دوڑ کر پالکی مین کاندھا دیا، اور اسی طرح مکان کے صحن تک لایا، دربار مین جہان خود اس کی نشست تھی مولانا کو اس جگہ بٹھایا اور مولانا کے قدم چومے اور کہا اللہ اکبر یہ نصیب کہان تھے کہ حضور کا قدم میرے گھر مین آتا،[۱]

اغصان الانساب مین لکھا ہے کہ مولانا بوہار سے اٹھکر پہلے کلکتہ مین آئے یہان نظام حیدر آباد اور سلطان حیدر (ٹیپو سلطان کا باپ) کی متعدد عرضیان آئین کہ یہان قدم رنجہ فرمایئے لیکن چونکہ ہموطنی کا واسطہ تھا، اس لئے مولانا نے مدراس کو ترجیح دی،

نواب محمد علی خان نے مولانا کو ایک نہایت عمدہ محل رہنے کو دیا، اور روزانہ اپنے باورچیخانہ سے کھانا بھجواتا تھا جب کبھی مولانا اس کے ملنے کو جاتے تھے تو اسی پہلے دستور کے موافق استقبال اور تعظیم کرتا، چندروز کے بعد ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرایا، مولانا کی مشیخت قرار

[۱] یہ پوری تفصیل اغصان اربعہ مین ہی،

تنخواہ مقرر کی، طلبہ کے وظیفے مقرر کئے، مولانا اب اسی مدرسہ مین طلبہ کے ساتھ رہنے لگے،

نواب محمد علی خان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے عمدۃ الامرا مسند نشین ہوئے خاندان مین مسند نشینی کے متعلق نزاع کا احتمال تھا، لیکن مولانا نے جب ان کو لیجا کر مسند پر بیٹھا یا تو سب نے گردن اطاعت خم کردی، عمدۃ الامرار نے باپ سے بھی زیادہ عزت و حرمت کی، مولانا کے علاوہ ان کے خاندان کے لئے الگ ماہوارین مقرر کین، عمدۃ الامرار کے مرنے کے بعد لوگون نے ان کے بیٹے کو مسند نشین کیا، لیکن چونکہ مولانا اس کے عقائد اور مذہب کی طرف سے مطمئن نہ تھے، خود اس رسم مین شریک نہ ہوئے، چونکہ اس نے اہل خاندان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، لوگون نے شکایت کی، بالآخر چھ مہینے کے بعد انگریزون نے اسکو معزول کر دیا اور عظیم الدولہ کو جو نواب محمد علی خان کے بڑے بیٹے تھے، مسند نشین کیا، عظیم الدولہ مولانا کے شاگرد خاص تھے، عظیم الدولہ کی نوابی برائے نام تھی، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی نے ملک اس کے قبضہ سے نکال کر روزینہ مقرر کر دیا تھا، لیکن عظیم الدولہ نے مولٰینا کی ماہوار جاری رکھی،

اب مولانا کی عمر ۸۳ برس کی ہوچکی تھی، اور ضعف غالب آتا جاتا تھا، یہان تک کہ ۸ رجب ۱۲۳۵ھ مین مرض الموت مین گرفتار ہوئے، چار دن تک یہ حالت رہی کہ کبھی کبھی ہوش آجاتا تھا، پھر غشی طاری ہوجاتی تھی، ہوش کی حالت مین چند بار فرمایا کہ نفی و اثبات کی حقیقت اب معلوم ہوئی، خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہین، ۱۲ رجب کو انتقال کیا،[1]

مولانا کے اخلاق و عادات کی سب سے نمایان صفت، فیاضی اور دریادلی تھی،

[1] اغصان اربعہ،

ہمیشہ نہایت فارغ البال رہے، لیکن جو کچھ آتا تھا، احباب اور فقرا کو تقسیم کردیتے تھے، اس وجہ سے اہل وعیال نہایت تنگی سے بسر کرتے تھے، لکھنؤ سے بار بار اپنی عسرت اور تنگ حالی کی شکایت لکھتے تھے، لیکن مولانا کچھ خیال نہین کرتے تھے، کبھی کبھی نواب کو خبر ہوجاتی تھی تو وہ براہ راست بھیجدیتا تھا،

مزاج مین اپنے والد کے خلاف ادعا اور تمکنت تھی، کسی سے دبتے نہ تھے، مناظرہ کے بہت شایق تھے، ان سے زیادہ سن وسال کے جو علمار تھے، ان سے مباحثہ کرتے تھے لکھنؤ مین جب شیعون نے ان کے مقابلہ مین بلوہ کرنا چاہا تو ایک گروہ کثیر ساتھ لے کر مقابل ہوئے، اور آخر حریف کو ہٹ جانا پڑا، تصنیفات مین بھی اندازِ طبیعت کی جھلک نظر آتی ہے،

مولانا کے تین صاحبزادے تھے، ان کے حالات تفصیل سے لکھے جاسکتے ہین لیکن یہ مضمون ایک کتاب بنجائیگی،

سلسلۂ نظامیہ کی علمی حالت پر ایک عام اجمالی نظر

اس خاندان نے علم وفن کے ترقی دینے مین جو جو کام کئے ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے، مین مختصراً بعض اہم باتین لکھتا ہون :-

۱۔ سب سے پہلے یہ کہ اتفاق سے یہ خاندان کثیر الافراد تھا، ملا قطب الدین شہید کے چار صاحبزادے تھے، ان سب سے خاندان پھیلے، اور ہر طبقہ مین کثرتِ اولاد رہی، مولوی عبد الباری صاحب نے ایک رسالہ آثار الاول نام لکھا ہے، جو شایع ہوچکا ہے، وہ گویا اسی خاندان کی انسائیکلو پیڈیا ہے، اس مین سیکڑون بزرگون کے نام اور مختصر حالات لکھے ہین، ان بزرگون مین اکثر صاحبِ علم اور صاحبِ تصنیفات تھے، یہان تک کہ اگر

ان سب کی تصنیفات جمع کیجائین تو ایک کتبخانہ بنجائیگا، میرے زمانہ تک جو مشاہیر زندہ تھے، ان کے یہ نام ہین، مولانا مفتی محمد یوسف، مولانا نعمۃ اللہ ریاضی دان، مولانا عبد الحلیم مولانا محمد نعیم، مولانا عبد الحیٔ، مولوی فضل اللہ، ان بزرگون کے تلامذہ سیکڑون اور ہزارون سے متجاوز تھے، جنمین بہت سے خود بڑے بڑے سلسلۂ درس کے مالک تھے، خاکسار کو بھی اس سلسلۂ شاگردی کا فخر حاصل ہے،

ہندوستان مین جس قدر اور جہان جہان بڑے بڑے سلسلۂ درس قائم ہوئے اکثر اسی خاندان کا فیض ہے، مثلاً پورب مین محب اللہ بہاری اور غلام یحیٰی بہاری سے علم پھیلا، دونون اسی خاندان کے شاگرد ہین، رام پور ایک زمانہ تک درس گاہ عام تھا، یہ مولانا بحر العلوم اور ملا حسن کا فیض تھا، کیونکہ یہ دونون بزرگ ایک مدت تک یہان رہے تھے، اور ملا حسن نے رام پور ہی مین وفات پائی، نجیب الدولہ نے دارانگر مین جو امروہہ کے قریب ہے، ایک مدرسہ قایم کیا تھا جسمین نہایت کثرت سے طلبہ نے تعلیم پائی، اس مدرسہ کے اکثر مدرسین اسی خاندان کے شاگرد تھے،

بنگال اور مدراس مین جو کچھ علم پھیلا وہ مولانا بحر العلوم کا فیض ہے، کہ ان مقامات مین آپ نے قیام فرمایا تھا، یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ یہ خاندان اگر دنیا کی طرف متوجہ ہوتا، تو جاہ و منصب کی کمی نہ تھی، چنانچہ بعض بعض نے اتفاقاً ادھر کا رخ کیا تو بڑے بڑے عہدے حاصل کئے، مثلاً مولوی غلام یحیٰی اور مولوی غلام محمد صدر الصدور تھے، نور یہ سلسلہ نے حیدر آباد مین نہایت عظمت حاصل کی، لیکن من حیث الاغلب اس خاندان نے علم و فن کو مقصدِ زندگی قرار دیا، فقر و فاقہ مین بسر کی اور اس مین عمرین گذار دین، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان مین اور جو علمی خاندان تھے، مثلاً دلی مین شاہ ولی اللہ

الہ آباد مین شاہ محمد افضل صاحب کا دائرہ، بہار مین ملا محب اللہ، جونپور مین ملا محمود جونپوری، بلگرام مین عبد الجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد، یہ سب خاندان دو دو تین تین پشت سے زیادہ نہ چلے، یعنی وہ علمی حیثیت قائم نہ رہی، لیکن فرنگی محل کا خاندان دو سو برس تک ایک حیثیت سے قائم رہا، اور سیکڑون علما و فضلا، پیدا ہوئے،

۲- آج تمام ہندوستان مین جو نصاب تعلیم جاری ہے، اس مین اکثر کتابین اسی علمی سلسلہ کی تصنیفات ہین، سلم ملا محب اللہ بہاری کی تصنیف ہے، جو ملا قطب الدین کے شاگرد تھے، اس کی تین شرحین داخلِ درس ہین، وہ سب اسی خاندان کی یا ان کے شاگردون کی تصنیف ہین، میر زاہد پر غلام یحییٰ کا حاشیہ درس مین داخل ہے، وہ بیک واسطہ ملا کمال کے شاگرد تھے،

۳- ایک مدت سے درس کا جو طریقہ چلا آتا تھا اس خاندان نے اس کو بدل دیا، اور اس مین مناسب اصلاح کی، اس خاندان سے پہلے ہر فن مین متعدد اور کثرت سے کتابین درس مین داخل تھین، ملا قطب الدین شہید نے یہ طریقہ قایم کیا کہ ہر فن کی صرف ایک مختصر اور جامع کتاب مقرر کی، ملا نظام الدین نے ایک ایک کتاب کا اضافہ کیا، یعنی ہر فن کی دو دو کتابین لین، اس طرح ایک بڑا طومار کم ہوگیا، مثلاً پہلے منطق مین شرح مطالع پڑھاتے تھے، ملا صاحب نے بجائے اس کے قطبی رکھی جو اس سے بہت مختصر ہے، حاشیہ قدیمہ و جدیدہ وغیرہ جس کو ملا فتح اللہ نے ہندوستان مین رواج دیا تھا، سب اٹھا دیا،

یہ امر خاص طور پر اظہار کے قابل ہے کہ آج جس چیز کو لوگ درس نظامیہ کہتے ہین، اور اس نام کی وجہ سے نہایت سختی کے ساتھ اس پر اڑے ہوئے ہین، اس کا بڑا حصہ درسِ نظامیہ سے کوئی تعلق نہین رکھتا، مثلاً حمد اللہ، ملا حسن آج درس مین داخل ہین،

یہ کتابین ملا نظام الدین صاحب کے زمانہ مین تصنیف بھی نہین ہوئی تھین، قاضی مبارک بھی درس مین داخل نہ تھی، غلام یحییٰ کا مطلق پتہ نہ تھا، اس کے علاوہ متعدد کتابین جو اس وقت درس مین داخل تھین، اب اڑا دی گئین، مولوی عبد الاعلیٰ (خلف اکبر مولانا بحر العلوم) نے اپنے زمانہ کا جو سلسلۂ درس بتایا ہے، اس مین شرح حکمۃ العین داخل ہے، حالانکہ آج کل بالکل متروک ہے، اسی طرح انھون نے فن موسیقی کو بھی داخلِ درس رکھا ہے، حالانکہ آج اس فن کا نام لینا بھی گناہ ہے،

درس نظامیہ کا اصول کیا تھا، درسِ نظامیہ مین اصولِ ذیل ملحوظ رکھے گئے،

۱- اختصار یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابین لے لی گئین،

۲- اختصار کے اصول پر اکثر کتابین، ناتمام درس مین رکھی گئین، یعنی صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا، مثلاً، میر زاہد ملا جلال، صدرا، شمس بازغہ، مسلم، تلویح، ان سب کتابون کے کچھ کچھ حصے درس مین داخل ہین،

۳- ہر فن مین وہی کتاب رکھی ہے، جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے،

۴- منطق جو پہلے بالکل سادہ تھی، یعنی اس مین کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محب اللہ نے اس مین فلسفہ کے مسائل ملا دیئے، اور اس کا عام انداز بدل دیا، یہ کتاب ملا نظام الدین صاحب نے درس مین داخل کی، پھر ملا صاحب کے شاگردون نے اس پر شرحین لکھین، اور ان مین فلسفہ کا اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا، یہ سب کتابین درس مین داخل ہوتی گئین، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج منطق کی بہت سی کتابین پڑھکر بھی منطق نہین آتی، کیونکہ جس کو منطق سمجھتے ہین، وہ منطق نہین بلکہ فلسفہ ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دو عالم جو باہم بحث کرتے ہین، تو انکی

تقریر منطقی قواعد سے بالکل الگ رہتی ہی، اسی طرح اصولِ فقہ کا فن فلسفہ سے بالکل الگ تھا، ملا محب اللہ نے اسمین بھی فلسفہ کا رنگ پیدا کیا، اور اب اصول بھی گویا فلسفہ ہے،

ہندوستان مین علم وفن کا رواج گو چھ سو برس سے ہے لیکن زیادہ تر منقولات کا رواج تھا، منطق و فلسفہ صرف قطبی تک پڑھاتے تھے، سب سے پہلے مولانا عبد اللہ ملتی المتوفی سنہ ۹۲۲ھ نے منقولات کی ترویج کی، ان کے بعد قطب الدین شہید، اور ان کے خاندان نے معقولات کو ترقی دی، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علما مین وہ سختی کم ہو گئی جو فقہا مین عموماً ہوتی ہے، فتاوی عالمگیری مین تکفیر کا باب اٹھا کر دیکھو، اس کے مقابلہ مین مولانا بحر العلوم نے ارکان اربعہ مین امامت کی بحث مین جو کچھ لکھا ہے اس کا مقابلہ کرو، تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا،

(الندوہ ج ۷، نمبر ۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء)

---

[1] مآثر الکرام،

ندوہ اور نصابِ تعلیم

ندوہ کے قایم ہونے کی سب سے بڑی ضرورت جو ظاہر کی گئی اور واقعی تھی بھی وہ نصابِ تعلیم کی اصلاح تھی، ندوہ کے مقاصد مین یہ اہم المقاصد تھا اور آج تک ندوہ کے جتنے اجلاس ہوئے، اس مقصد کو ہمیشہ نہایت بلند آہنگی سے بیان کیا گیا، لیکن یہ امر بظاہر نہایت تعجب انگیز ہے، کہ پار سال تک جو نصاب جاری تھا، وہ قریباً وہی قدیم نصاب تھا جو دیوبند وغیرہ مین جاری ہی،

اس کی وجہ بہت بڑی یہ ہے کہ اصلاحِ نصاب کا خیال صرف چند روشن خیال علما کے دل مین پیدا ہوا ہے، باقی تمام لوگ اُسی لکیر کے فقیر ہین، اور چونکہ فیصلہ عموماً کثرتِ راے پر ہوتا ہے، اس لئے انھین بزرگون کا پلہ بھاری رہتا ہے،

اس سے بڑھکر یہ مشکل ہے کہ مدرسین جو ہاتھ آسکتے ہین، اسی قدیم نصاب کے تعلیمیافتہ ہین، اس لئے وہ جدید نصاب (جسمین قدما کی تصنیفات داخل کی گئی ہین) کے پڑھانے سے عاجز ہین، مثلاً مختصر المعانی و مطول ہزارون دفعہ کی پڑھی پڑھائی ہین، ان کے بیسیون حاشیے موجود ہین، اس لئے ان کا پڑھا لینا ہر کس و ناکس کو آسان ہے، لیکن جدید نصاب مین ان کے بجاے دلائل الاعجاز عبد القاہر جرجانی رکھی گئی ہے، یہ کتاب اگرچہ فنِ بلاغت کی جان ہے، اور مطول وغیرہ سب اس کے خوشہ چین ہین، لیکن نہ ہمارے مدرسین نے کبھی اس کتاب کو دیکھا تھا، نہ اس پر شرحین اور حاشیے موجود ہین،

اس لئے یہ لوگ اس کے پڑھانے سے عاجز ہین، اور چونکہ اپنی عجز کا تسلیم کرنا کسر شان ہے اسلئے یہ کہتے پھرتے ہین کہ اس قسم کی کتابون سے کافی استعداد پیدا نہین ہوتی، بہرحال سال حال مین یہ قطعی فیصلہ کیا گیا کہ جو کچھ ہو جدید نصاب، جاری کردیا جائے، اس کے اجراء کیساتھ فوراً ایک مدرس صاحب نے استعفا دیا، اور اب اخبارات وغیرہ مین مضامین شایع کئے جارہے ہین کہ جدید نصاب، درس کے قابل نہین، بے شبہہ اس نئے راستہ کے اختیار کرنے مین نہایت مشکلات پیش آئین گی، لیکن اگر ندوہ مین اس قدر بھی ہمت اور حوصلہ نہین کہ وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرے، تو اس کو سرے سے اصلاحِ نصاب کا نام لینا نہ چاہیئے، یہ سخت بددیانتی ہے کہ تمام دنیا مین اصلاحِ نصاب کا غل مچایا جائے، اور ایک ذرہ اصلاح نہ کیجائے،

ہم نے اسی خیال سے اصلاحِ نصاب کے متعلق، ایک سلسلہ وار مضمون شروع کیا ہے، جس کا پہلا نمبر آج کے پرچے مین درج ہے،

نصابِ تعلیم

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ ہندوستان مین ہمارے علمی تنزل کا اصلی سبب کیا ہے، اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہین،

عام جواب تو یہ ہے کہ تقدیر، لیکن یہ جواب صرف اسی سوال کا نہین، بلکہ دنیا کے تمام سوالون کا جواب ہے، اور ہم کو ایسے جواب کی ضرورت ہے، جس کو اس سوال سے بھی کوئی خاص خصوصیت ہو، بعضون کا خیال ہے کہ انقلابِ سلطنت، لیکن اسلامی سلطنتون کی نسبت کیا کہا جائیگا، خاص قسطنطنیہ مین کم سے کم بیس ہزار طلبار علوم عربیہ کی تعلیم

پاتے ہین لیکن مدتون سے ایک شخص بھی صاحبِ کمال نہین پیدا ہوا، اور سچ یہ ہے کہ مصر و شام و روم کا علمی معیار ہندوستان سے بھی گھٹا ہوا ہی، اس سوال کا صحیح جواب صرف یہ ہے، کہ نصابِ تعلیم کا نقص، اس کی تفصیل آگے آئیگی لیکن تفصیل سے پہلے بعض ظاہر الورود اعتراضات کا ذکر کرنا اور ان کا جواب دینا ضرور ہے،

اس جواب پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسی نصاب نے عبد العلی بحر العلوم حمد اللہ محب اللہ بہاری، قاضی مبارک شاہ ولی اللہ، ملا حسن جیسے اشخاص پیدا کئے تھے، اس لئے اگر نصابِ تعلیم کا قصور ہوتا تو اس سے اس درجہ کے کامل الفن کیونکر پیدا ہوتے،

اس اعتراض کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ جو نصاب اب ہے وہ ان بزرگون کے زمانہ مین کہان تھا، شرح سلم حمد اللہ، شرح سلم ملا حسن، حاشیہ بحر العلوم، قاضی غلام یحییٰ، ہدیہ سعیدیہ، وغیرہ یہ کتابین اس زمانہ مین کہان تھین لیکن اس اعتراض کا حقیقی جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی خرابی کا اثر عموماً ابتدا مین ظاہر نہین ہوتا بلکہ یہ اثر پہلے پیدا ہوتا ہی، پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، یہان تک کہ بالآخر علانیہ ظاہر ہو جاتا ہے، موجودہ نصاب کی خرابی کا اثر پہلے ہی دن شروع ہو گیا تھا جس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ جس دن سے یہ نصاب جاری ہوا عین اسی وقت سے علم کا تنزل شروع ہو گیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، یعنی جس درجہ کے علما، اس وقت تھے، ان کے شاگرد ان سے کم درجہ کے نکلے، شاگرد کے شاگرد ان سے بھی کم پھر ان سے بھی کم یہان تک کہ یہ زمانہ آگیا جس مین کمال کا نام و نشان بھی نہ رہا، پہلے طبقون کا تنزل ہم کو اس لئے محسوس نہین ہوتا کہ گو وہ لوگ علم و فضل مین اگلون سے کم تھے، تاہم آج کی حالت کے لحاظ سے نہایت بلند رتبہ تھے، لیکن جب تنزل کی رفتار روز بروز تیز ہوتی گئی اور اب یہ نوبت پہنچی کہ تمام ہندوستان مین اس سرے سے اس سرے

تک ایک بھی صاحب فن نظر نہین آتا تو کون شبہہ کر سکتا ہے، کہ یہ نتیجہ اسی تخم کا ثمرہ ہے جو سو برس پہلے بویا گیا تھا ہم اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے امارات و قراین پر اکتفا نہین کرتے، بلکہ قطعی طریقہ سے ثابت کرتے ہین، کہ موجودہ نصاب تعلیم، نہایت ناقص اور ابتر ہے، سب سے پہلے ہم کو چند مقدمات اصول موضوعہ کے طور پر ذہن نشین کر لینے چاہئین اور وہ یہ ہین:-

۱- تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ نفس فن حاصل کیا جائے،

۲- ہر فن کے حاصل کرنے کا یہ عمدہ طریقہ ہے کہ اس کے مسائل کو منفرداً، اور بہ استقلال حاصل کیا جائے۔ تاکہ اس فن کی طرف کافی توجہ ہو سکے، بجائے اس کے اگر چند فنون کے مسائل کو مخلوط کر کے حاصل کیا جائے گا، تو کسی فن کی اچھی طرح تکمیل نہ ہوگی،

۳- متعدد علوم و فنون کی تحصیل مین الاقدم فالاقدم کا خیال ضرور ہے یعنی یہ کہ جو فنون مقصود بالذات ہین، ان کے حاصل کرنے مین زیادہ وقت صرف کیا جائے، جو مقصود بالعرض ہین، ان مین کم اسی طرح علوم مقصود بالذات مین بھی بلحاظ اہمیت کے فرقِ مراتب کرنا چاہئے، یعنی جو علوم زیادہ مہتم بالشان اور ضروری ہین، وہ زیادہ توجہ کے قابل ہین،

۴- ہر علم کی تحصیل مین سب سے مقدم یہ پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ اس فن کی جو غایت ہے، وہ حاصل ہو،

مذکورۂ بالا اصول کی صحت سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اب ان اصول کی بنا پر ہم موجودہ نصاب سے بحث کرتے ہین،

۱- موجودہ نصاب مین اکثر کتابین ایسی ہین جنمین نفس مسائل کے علاوہ نہایت کثرت سے لفظی مباحث ہوتے ہین جنکا مدار کسی کتاب کے خاص الفاظ پر ہوتا ہے، یعنی اگر اصل

مسئلہ کو دوسرے الفاظ مین بیان کیا جائے تو وہ تمام مباحث بیکار ہو جائین، مثلاً شمسیہ مین
یہ عبارت تھی کہ العلوا اما تصور فقط وھو الخ قطبی مین اس کے متعلق ایک بڑی بحث اس
بنا پر چھیڑ دی گئی کہ ھو کی ضمیر تصور کی طرف پھرتی ہے، یا تصور فقط کی طرف، اس بحث
مین قطبی اور میر کے کئی صفحے صرف ہو گئے، لیکن اگر مصنف ضمیر کے بجائے خود مرجع کو ذکر کر دیتا
تو یہ تمام بحثین رائگان جاتین، اس طرح بجائے اس کے کہ اصل مسئلہ پر وقت صرف کیا جائے،
مصنف کے ایک خاص لفظ، اور اس کے منشار پر بے فائدہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے،

نصاب موجودہ کی اکثر کتابون کی یہی حالت ہے، یعنی جس قدر اصل فن کے مسائل ہین،
ان کے قریب بلکہ ان سے زیادہ یہ فضول لفظی مسائل ہین،

اس موقع پر یہ بات بتا دینا بھی ضروری ہو کہ قدما کے زمانہ مین شرح اور حاشیہ کا طریقہ
نہ تھا، بوعلی سینا کے بعد سے یہ طریقہ پیدا ہوا لیکن اس وقت تک شرح مین بھی مصنف کی
خاص عبارت اور الفاظ سے بحث نہین کرتے تھے، بلکہ اصل مسئلہ کی توضیح اور تشریح کرتے تھے
اس کے بعد یہ طریقہ پیدا ہوا کہ اصل فن سے چندان غرض نہین رہی بلکہ تمامتر توجہ اس پر صرف
ہوتی تھی کہ مصنف کی عبارت کا کیا مطلب ہے، ؟ کس لفظ سے کیا خاص فائدہ ہے؟
کون سی ضمیر کس طرف پھرتی ہے، ؟ مصنف کی عبارت کا اورون نے جو مطلب سمجھا ہے
غلط ہے، فلان جگہ مصنف نے دفع دخل مقدر کیا ہے، مصنف کی عبارت پر یہ
اعتراض وارد ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، جس وقت سے یہ طریقہ جاری ہوا، وہ
علمی تنزل کا پہلا دن تھا،

علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین ایک مضمون لکھا ہے، جس کی سرخی یہ ہے
فی ان کثرۃ التالیف فی العلوم عایقۃ عن التحصیل اس مضمون کا ما حصل یہ ہے، چنانچہ

وہ مثالاً فن فقہ کی بہت سی کتابون کا نام لکھکر لکھتے ہین :۔

وھی کلھا متکررۃ والمعنی واحد والمتعلم مطالب باستحضار جمیعھا وتمیز ما بینھا والعمر ینقضی فی واحد منھا ولو اقتصر المعلمون بالمتعلمین علی المسائل المذھبیۃ فقط لکان الامر دون ذلک بکثیر وکان التعلیم سھلا،	یہ تمام عبارتین مکرر ہین، اور مطلب ایک ہے، اور شاگرد پر لازم کیا جاتا ہے کہ وہ تمام عبارتون کو یاد کرے، اور عمر ایک ہی کے محفوظ رکھنے مین صرف ہو جاتی ہے، اس لئے اگر مدرسین صرف مسائل مذہبی پر اکتفا کرتے تو تعلیم نہایت سہل ہوتی اور بہت کم زمانہ صرف ہوتا،

عجیب بات یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون کے زمانہ مین بھی وہی حالت تھی، جواب ہے یعنی باوجود اس طریقے کی خرابی کے لوگ اس کو ترک نہین کر سکتے تھے، کیونکہ یہ طریقہ لوگون کے لئے بجائے طبیعت ثانیہ کے ہوگیا تھا، چنانچہ علامہ موصوف عبارت مذکورہ کے بعد لکھتے ہین:

ولکنہ داء لا یرتفع لاستقرار العوائد علیہ فصارت کالطبیعۃ،	لیکن یہ ایک مرض بنگیا ہے، جو دفع نہین ہوسکتا، کیونکہ معمول عام ہو جانے کی وجہ سے وہ بجائے طبیعت کے ہوگیا ہی،

۲۔ سب سے بڑی خرابی نصاب موجودہ کی یہ ہے کہ اس مین اکثر ایسی کتابین داخل ہین جنمین متعدد فن مخلوط ہین، اس خلط مبحث کی وجہ سے طالب العلم کا ذہن پریشان ہوتا ہے، یہان تک کہ اس کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کون سا فن حاصل کر رہا ہے ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، منطق کی کتابین ہین، لیکن ان مین اکثر مباحث الٰہیات اور مابعد الطبیعہ کے ہین، مثلاً علم باری، جعل بسیط وجعل مرکب، کلی طبعی کا وجود فی الخارج، وجود ذہنی وغیرہ وغیرہ،

ملا جلال فن منطق مین بڑے معرکہ کی کتاب سمجھی جاتی ہی، لیکن جس قدر درس مین ہی، اسکا بڑا حصہ دیباچہ کی شرح مین ہے، جو صرف اس خاص عبارت سے متعلق ہی، جو مصنف نے حمد و نعت مین لکھی ہے، ان کتابون کے درس کا جو زمانہ رکھا گیا ہے، اس وقت تک میبذی کے سوا فلسفہ کی اور کوئی کتاب پڑھائی نہین جاتی، اس لئے الٰہیات کے مباحث طالب العلم کو بالکل اجنبی اور سخت نامانوس معلوم ہوتے ہین،

۳- بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ جو علوم مقصود بالعرض ہین ان کو مقصود بالذات بنالیا گیا ہے، اور زمانہ تحصیل کا بڑا حصہ انھین کے حاصل کرنے مین صرف کر دیا جاتا ہے، مثلاً نحو، صرف، منطق مقصود بالعرض ہین، لیکن کتب درسیہ زیادہ تر انہی فنون کے متعلق ہین، منطق کا مقصود یہ ہے کہ فلسفہ مین کام آئے لیکن منطق کی درسی کتابین فلسفہ کے اعتبار سے اضعافاً مضاعفہ ہین، صغریٰ، کبریٰ، میزان منطق تہذیب شرح تہذیب قطبی، میر قطبی، ملاحسن، ملا جلال، میر زاہد، ملا جلال، حمد اللہ قاضی مبارک، یہ انبار کا انبار منطق مین ہے، اور درس مین داخل ہے، لیکن فلسفہ کی صرف تین کتابین درس مین داخل ہین، جن مین سے میبذی پوری پڑھائی جاتی ہے، باقی کے جستہ جستہ مقامات،

اسی طرح نحو و صرف مین برسون اوقات صرف کیجاتی ہے، اور جو اس کی غرض و غایت ہے یعنی علم ادب اس مین بہت کم زمانہ صرف ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ سیکڑون ہزارون طلبا مین سے ایک بھی صاحب فن نہین پیدا ہوتا،

علامہ ابن خلدون نے اس خرابی پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین

واما العلوم التی ھی آلة لغیرھا مثل	باقی وہ علوم جو دوسرے علمون کا آلہ ہین مثلاً
العربیة والمنطق وامثالھا فلا ینبغی	عربیت اور منطق وغیرہ تو ان کو صرف اسی حیثیت

ان ینظر فیھا الا من حیث ھی آلۃ لذلک الغیر فقط ولا یوسع فیھا الکلام ولا تفرع المسائل لان ذلک مخرج لھا عن المقصود	سے دیکھنا چاہیئے، کہ وہ فلان علم کا آلہ ہین، ان مین نہ کلام کو وسعت دینی چاہیئے، نہ مسائل کی تفریع کرنی چاہیئے، کیونکہ ایسا کرنا اس کو اصل مقصد سے خارج کر دیتا ہے،
فیکون الاشتغال بھذہ العلوم الآلیۃ تضیعًا للعمر وشغلا بما لا یعنی وھذا کما فعل المتاخرون فی صناعۃ النحو وصناعۃ المنطق واصول الفقہ لانھم اوسعوا دایرۃ الکلام فیھا...	تو ان علوم آلیہ مین مشغول ہونا عمر کا ضایع کرنا ہے، اور لایعنی کام مین مشغول ہونا ہے، جیسا کہ متاخرین نے نحو اور منطق اور اصول فقہ کے متعلق کیا یعنی کلام کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا،
فھی من نوع اللغو وھی ایضًا مضرۃ بالمتعلمین علی الاطلاق ،	یہ تو ایک قسم کی لغویت ہے، اور وہ طالب العلمون کو بھی عمومًا مضر ہے،
فاذا قطعوا العمر فی تحصیل الوسائل فمتی یظفرون بالمقاصد	کیونکہ جب وہ وسائل مین عمر ضایع کر دین گے تو اصل مقصد تک کب پہنچین گے،

(الندوہ ج ۱ نمبر ۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳۲۲ھ)

فن نحو کی مروجہ کتابین

ابن حاجب نے کافیہ مین مسائل نحویہ کو جس طریقہ سے مدوّن کیا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے بعد جس قدر کتابین اس فن مین لکھی گیئن، گویا اسی کی عکسی تصویرین تھین، ایک مدت کی ممارست اور انس کی وجہ سے اب یہ خیال بھی نہین آتا کہ اس طریقہ مین کوئی نقص ہوگا، لیکن آؤ تقلید کے دائرہ سے نکل کر دیکھین کہ کیا ایسا ہی ہے،

علوم وفنون کی تدوین مین عمدگی کا جو معیار قرار دیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہے

۱۔ مسائل کی ترتیب اصول عقلی کے بنا پر ہو،

۲۔ جو اصطلاحات قائم کئے جائین ان کے لغوی اور مصطلح معنی مین نمایان تناسب ہو، تاکہ لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کی طرف خیال جلد منتقل ہوسکے،

۳۔ قواعد کلیہ کی تعداد اس قدر کم ہو کہ اس سے کم نہ ہوسکتی ہو،

سب سے پہلے ہم اس پر بحث کرتے ہین کہ موجودہ ترتیب کہان تک اصول عقلی پر مبنی ہے، اس کے لئے پہلے ہم کو نحو کی حقیقت اور ماہیت پر غور کرنا چاہیئے،

نحو کی تعریف متاخرین نے یہ کی ہے، علم باصول یعرف بھا احوال اواخر الکلم لیکن اگر نحو کی یہی حقیقت ہے، تو جن زبانون مین اعراب نہین ہے، ان کے لئے نحو کا فن بالکل بیکار ہوگا، کیونکہ اس تعریف کی رو سے نحو کا یہ مقصد ہے کہ الفاظ کا اعراب معلوم کیا جائے اس لئے جن زبانون مین سرے سے اعراب نہین، مثلاً موجودہ فارسی

یا اہلِ زبان کی عربی جس مین تمام الفاظ ساکن الاواخر ہوتے ہین، اور عوامل کے آنے سے ان مین کوئی تغیر نہین پیدا ہوتا، وہ نحو کے دائرہ سے باہر ہوگی،

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان مین اداے مطلب کے لئے الفاظ کی ترتیب کا خاص طریقہ ہے، یہ طریقے بعض مشترک ہوتے ہین بعض اور کسی دوسری زبان مین بھی پائے جاتے ہین، اور بعض غیر مشترک جو خاص ایک ہی زبان کے ساتھ مخصوص ہین، انھین طریقون کے جزئیات کا نام نحو ہے اور نحو کی تدوین کے یہ معنی ہین کہ ان تمام جزئیات کا استقصا کر کے ان کو کلیات کے تحت مین لایا جائے،

علامہ ابن خلدون نے نحو کی تعریف ان جامع الفاظ مین کی ہے، یہ تبیین اصول المقاصد بالدلالۃ اس تعریف سے ثابت ہوگا کہ نحو کا اصلی مقصد اداے معانی سے متعلق ہے یعنی جب ہم ایک مطلب ادا کرنا چاہین تو ہم کو فاعل، مفعول، متعلقاتِ فعل وغیرہ کو کس ترتیب سے لانا چاہیئے، باقی یہ امر کہ الفاظ پر ان تراکیب کا کیا اثر پڑتا ہے، اور اواخرِ حروف کو کس حالت مین کون سا اعراب ہوتا ہے، یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے، البتہ چونکہ نحو کی تدوین اصل مین علماے عجم نے کی، اور ان کے لئے اعراب کی صحت بھی ایک امر اہم تھی، اس لئے رفتہ رفتہ اعراب کی حیثیت اس قدر اہم ہوگئی کہ متاخرین نے اس کو عین نحو سمجھ لیا،

جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ نحو کا اصلی تعلق الفاظ کی ترتیب، اور تقدیم و تاخیر سے ہے، تو نحو کی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ کلام کے جو اجزا سب سے مقدم ہین، ان کا حال پہلے بیان کیا جائے، پھر ان سے کم درجہ کے اجزاء کا حال پھر ان سے کم کا، اس لحاظ سے پہلے مسند الیہ کا حال بیان کرنا چاہیئے، پھر مسند کا، پھر متعلقات کا، پھر توابع کا، اس بنا پر، مبتدا، فاعل، حروف مشبہ کے اسماء، افعال ناقصہ کی خبر، و امثال ہذہ کا حال ایک عنوان کے نیچے لکھنا

چاہیے، لیکن متاخرین نے اس معنوی حیثیت کو چھوڑ کر، صرف اعراب کا لحاظ رکھا، اور مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے لحاظ سے ترتیب قایم کی، اس اعراب پرستی کی وجہ سے بہت سے مسائل کی حیثیت بدل گئی، اور ان کے موقعِ ترتیب مین فرق آگیا چنانچہ ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین:-

۱- مفعول لہ معنی کے لحاظ سے مجرور باللام ہے، ضربتہ تادیباً اور ضربتہ للتادیب مین معناً کسی طرح کا فرق نہین، لیکن صرف اس وجہ سے کہ اس کو فتحہ ہوتا ہی، اس کے لئے زبردستی ایک نیا نام ایجاد کیا گیا، اور اس کو مفعول کے اقسام مین شمار کیا گیا،

یہی کیفیت مفعول معہ کی ہے، خوب غور سے دیکھو معنی کے اعتبار سے مفعول معہ اور معطوف بالکل ایک ہین، صرف اعراب کی بنا پر اس کو مفعول کا لقب دیا گیا، حالانکہ یہ نہایت آسان بات تھی کہ اس کو واؤ عاطفہ کے تحت مین بیان کیا جاتا، اور اس قدر اضافہ کر دیا جاتا کہ بعض موقعون پر معطوف کو فتحہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ مفعول معہٗ کے خصوصیات بیان کر دیے جاتے،

۲- حروفِ مشبہ کی اسمار مسند الیہ ہین اور اس لحاظ سے ان کو فاعل اور مبتدا کیساتھ بیان کرنا چاہیے، لیکن اعراب کے لحاظ سے وہ منصوبات مین داخل کئے گئے، اس قسم کی اور بہت سی مثالین ہین،

ایک بڑا نقص موجودہ نحو مین یہ ہے کہ کلمات کے بہت سے اقسام اور اصطلاحات بے فائدہ بنائے گئے ہین، چنانچہ ہم چند مثالین درجِ ذیل کرتے ہین:-

۱- مفعول مالم یسم فاعلہ کو ایک خاص اصطلاح قرار دینا اور اس کے مسائل جداگانہ لکھنا محض بیکار ہے، مفعول مالم یسم فاعلہ کوئی الگ چیز نہین، بلکہ فعل مجہول کے فاعل

کا نام ہے، فاعل کے لئے یہ ضرور نہین کہ اس سے فعل کا ارتکاب ہوا ہو، بلکہ اصطلاحِ نحو مین فاعل کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ فعل یا شبہ فعل کا مسند الیہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ضُرِبَ زَیدٌ مین مضروبیت کی اسناد زید کی طرف ہے، اس بناء پر وہ بھی اسی طرح فاعل ہے، جس طرح "ضرب زید" مین زید،

۲- افعال ناقصہ کو تمام افعال سے جداگانہ قرار دینا اور اس کے معمول کے لئے بالکل ایک نئی اصطلاح اسم وخبر کے نام سے قایم کرنا محض لغو ہے، یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ افعال ناقصہ کو فعل لازم سمجھا ہے، حالانکہ وہ درحقیقت متعدی ہین، چنانچہ اس کا بیان آگے آئیگا،

۳- افعال مقاربت کی جداگانہ اصطلاح قایم کرنا بے فائدہ ہے، افعالِ مقاربت مین جس چیز کو اسم کہتے ہین، وہ درحقیقت فاعل ہے، اور جس کو خبر کہتے ہین وہ مفعول ہے، ان افعال مین بھی فعل تنہا فاعل پر تمام نہین ہوتا، بلکہ ایک اور چیز کا محتاج رہتا ہے، اور وہی مفعول ہے،

۴- اسی طرح افعال مدح وذم کی اصطلاح کی بھی ضرورت نہین نعم الرجل زید مین الرجل فاعل ہے اور زید بدل اور یہ معمولی ترکیب ہے،

متعدی کی تعریف کافیہ وغیرہ مین یہ کی ہے، ما یتوقف فہمہ علی متعلق اس بناء پر افعال ناقصہ عموماً متعدی ہین کیونکہ انکا مفہوم تنہا فاعل سے سمجھ مین نہین آتا، علامہ رضی نے تصریح کی ہے کہ اس تعریف کی بناء پر قرب وغیرہ متعدی ہین، چنانچہ لازم ومتعدی کی بحث مین لکھتے ہین، وعلی ما حد ینبغی ان یکون نحو قرب وبعد وخرج ودخل متعدیا اذ لا یفہم معانیہا الا بمتعلق اس بناء پر افعال ناقصہ کے اسم وخبر درحقیقت فاعل اور مفعول ہین،

(الندوہ جلد ۲ نمبر ۶ شوال سنہ ۱۳۲۲ھ)

تعلیم قدیم وجدید

کیا ان مین سے کوئی غیر ضروری ہے؟ کیا ان دونون مین تعارض ہے؟ کیا ان مین کسی اصلاح کی ضرورت ہے؟ دونون مل کر کیونکر کام کر سکتے ہین؟

اگرچہ یہ سوالات قومی مسئلہ کے متعلق اہم اور ضروری سوالات ہین لیکن قوم نے کبھی ان سوالات پر مستقل حیثیت سے بحث نہین کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت جو دنیوی اور دینی درسگاہین یا انجمنین ملک مین قایم ہین ان کو جو کامیابی اس وقت حاصل ہے، وہ اس پر قانع تھین، اس لئے ان مسائل کے حل کرنے کی ان کو ضرورت معلوم نہین ہوئی، مثلاً اسلامی کالجون مین سیکڑون ہزارون بچے تعلیم پاتے ہین، ہر سال سیکڑون ایم اے اور بی اے ہو کر نکلتے ہین، سیکڑون فارغ شدہ طلبہ نے معقول نوکریان حاصل کین، سیکڑون وکالت کر رہے ہین، سیکڑون اپرنٹس اور امیدوار ہین، ان باتون کے ہوتے ان کو اس بات کی کیا ضرورت ہے، کہ وہ قدیم تعلیم کی ضرورت اور اس کے نتائج اور ترمیم واصلاح کا سودا مول لین،

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

اس کے مقابلہ مین عربی مدارس دیکھ رہے ہین کہ ان کے تعلیم یافتہ مساجد مین

پھیلے ہوئے ہین، ہزارون مولوی تیار ہو گئے ہین، ہر ہر ضلع مین عربی کے چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہوتے جاتے ہین، ہر جگہ واعظون کی مانگ ہے، ان باتون کے ساتھ انکو کیا غرض ہے کہ وہ جدید تعلیم کی ضرورت اور نتائج پر غور کرنے کی زحمت اٹھائین،

لیکن اب اس سکون مین کچھ جنبش پیدا ہو چلی ہی، کیونکہ اب ہر گروہ جس قسم کی تعلیم کا حامی ہے، چاہتا ہے کہ تمام ملک مین وہی تعلیم پھیل جائے، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ دونون گروہون مین تقابل، مسابقت اور محاسدہ پیدا ہو، چنانچہ ایسا ہوا، صرف یہ امتیاز باقی رہا کہ پست حوصلہ لوگون نے علانیہ اپنے حریف مدارس اور انجمنون کی برائی شروع کی، اور مہذب حضرات نے دل آزاری اور بدگوئی سے احتراز کیا،

اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے چھ کرور مسلمانون سے دونون کو بہ قدر کافی اپنے کام کے لئے مدد مل سکتی ہی، لیکن واقعی اب اس کا وقت آگیا ہے کہ تمام قوم ملکر ایک وسیع خاکہ تیار کرے، جسمین تمام درسگاہون اور انجمنون کی نسبت طے کر دیا جائے کہ کون کون ضروری ہین؟ کس حد تک ضروری ہین؟ اور مجوزہ نقشہ مین ہر ایک کی جگہ کہان ہے؟ تاکہ جو کام ہو رہے ہین، سب مل کر ایک کام بنجائین، اور ایک کام دوسرے کام مین خلل انداز نہ ہونے پائے، ورنہ دو طرفہ کشمکش مین ہزارون لاکھون مسلمان یہ فیصلہ نہ کر سکین گے کہ وہ کس رخ اور کدھر جائین،

اس غرض سے سوالات ذیل پر نظر ڈالنی چاہئے،

جدید تعلیم ضروری ہے یا نہین؟

قدیم تعلیم ضروری ہے یا نہین؟

دونون مین اصلاح کی ضرورت ہے، یا نہین؟

اصلاح کا کیا طریقہ ہے،؟

علی گڈھ دیوبند ندوہ کے کیا حدود ہین، اور کون کون کام کس کس کے حدِ عمل مین چھوڑ دینے چاہئین،

پہلے سوال کے جواب مین اب اختلاف نہین رہا، اور اگر کسی کو ہو تو ہم کو اس سے خطاب کرنے کی ضرورت نہین،

دوسرے سوال کا جواب جدید گروہ کے ذہن مین دفعۃً نفی کی صورت مین آئیگا، لیکن انکو ذرا غور سے کام لینا چاہئے، اور پہلے ان سوالات کا جواب دینا چاہئے،

کیا مسلمانون کی قومیت مذہب کے سوا اور کچھ ہے؟

اگر نہین ہے تو مذہب کے قیام کے بغیر ان کی قومیت کیونکر قایم رہیگی،؟

اگر مذہب کی ضرورت ہے تو مذہبی تعلیم، قدیم تعلیم کے بغیر کیونکر ممکن ہے؟

شاید یہ کہا جائے کہ انگریزی کے ساتھ مذہبی تعلیم بہ قدر ضرورت ممکن ہی، اور اسی قدر کافی ہے، لیکن کیا صرف اس قدر تعلیم سے قرآن وحدیث کی حفاظت ہو سکتی ہے، کیا اس درجہ کے تعلیم یافتہ اسلامی مشکل مسائل کی تشریح کر سکتے ہین، کیا غیر مذہب والے مذہب اسلام اور تاریخِ اسلام پر جو اعتراضات کرتے ہین، ان کے مقابلہ کے لئے اتنی تعلیم کافی ہی؟ کیا اس قدر تعلیم پائے ہوئے لوگ مذہبی خدمات مثلاً وعظ، امامت، فتویٰ وغیرہ انجام دیسکتے ہین،؟ کیا عوام پر ان لوگون کا کوئی مذہبی اثر قائم ہو سکتا ہے؟

تیسرا سوال یعنی یہ کہ دونون طریقۂ تعلیم مین اصلاح کی ضرورت ہے یا نہین، ایک معرکہ کا سوال ہے، نہ اس لئے کہ درحقیقت وہ ایسا ہے، بلکہ اس لئے کہ دونون فریق ایک مدت سے اسی حالت پہ قایم ہین، اور چونکہ دونون اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق کامیاب

ہین، اس لئے انکو علانیہ نظر آتا ہے کہ اصلاح کی ضرورت نہین، تاہم جدید گروہ بہ آسانی اپنے خلاف نکتہ چینی سننے پر آمادہ ہو سکتا ہے، اس لئے پہلے ہم انھین سے خطاب کرتے ہین،

اس قدر مسلّم ہونے کے بعد کہ تعلیم جدید کے ساتھ کسی قدر مذہبی تعلیم ضروری ہے، یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اس ضرورت کی مقدار کیا ہے؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگون سے ہمکو مذہبی خدمات یعنی امامت، وعظ، افتا کا کام لینا نہین ہے، بلکہ غرض یہ ہے کہ وہ خود بہ قدر ضرورت مسائلِ اسلام اور تاریخ اسلام سے واقف ہون، اس کیلئے صرف ایک مختصر اور جامع و مانع سلسلۂ کتبِ دینیات کی ضرورت ہے، جسمین سلسلہ بہ سلسلہ اسکول سے کالج کلاسون تک کے قابل کتابین ہون، اس سلسلہ مین تین قسم کی کتابین ہونی چاہئین، فقہ، عقائد، تاریخ اسلام، فقہ اور تاریخ کے متعلق مصر مین عمدہ کتابین تیار ہو گئی ہین، ان کا ترجمہ کافی ہوگا، عقائد کی نسبت البتہ مشکل ہے، کیونکہ ہندوستان مین جو کتابین آجکل لکھی گئی ہین، ان پر ابھی تمام لوگون کا اتفاق نہین ہو سکتا، اور مصر وغیرہ کی جدید تصانیف ناکافی اور ناقابلِ درس ہین، اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ اسکول کلاسون مین صرف فقہ، اور تاریخ اسلام اور سادہ عقائد کی تعلیم ہو، اور کالج کلاسون مین امام غزالی اور ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب کی چیدہ تصنیفات خود عربی ہی زبان مین پڑھائی جائین، اور ان سب کی مجموعی ضخامت دو سو صفحون سے زیادہ نہ ہو،

لیکن نہایت مقدم امر یہ ہے کہ کالجون مین صرف کتابی تعلیم سے مذہبی اثر نہین پیدا ہو سکتا، بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ طلبہ کے چارون طرف، مذہبی عظمت کی تصویر نظر آئے، دینیات کے نتائجِ امتحان کو انگریزی تعلیم کے نتائج کی طرح لازمی قرار دیا جائے، مذہبی علما بیش قرار مشاہرہ کے مقرر کئے جائین، وعظ کے موقعون پر اکثر ارکانِ کالج تا

امکان شریک ہون، مذہبی پابندی کی بنا پر طلبہ کی خاص توقیر اور تحسین کیجائے، اور سب سے مقدم یہ کہ دو چار طلبہ کو گران بہا وظایف دیکر ڈگری حاصل کرنے کے بعد مذہبی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی جائے،

یہ امر اگرچہ بدیہی ہے کہ قدیم تعلیم مین سخت اصلاح اور اضافہ کی ضرورت ہے، لیکن افسوس ہے کہ بڑے بڑے مقدس علماء اب تک اس ضرورت کے قائل نہین، اس لئے ہم ان سے سوالات ذیل کے جواب چاہتے ہین،

(۱) یورپ کے مصنفین، مذہب پر جو حملہ کر رہے ہین، اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہے یا نہین ؟

۲- اگر علما خود ان خیالات سے واقف نہ ہون گے تو کیا انگریزی خوان مسلمانون مین ان خیالات کا شایع ہونا کوئی روک سکتا ہے ؟

۳- مذہب پر عموماً اور مذہب اسلام پر جو اعتراضات یورپ کے لوگ کر رہے ہین، انکا جواب دینا کس کا فرض ہے ؟

۴- علما جب تک ان خیالات سے واقف نہ ہون گے، جواب کیونکر دے سکین گے؟

۵، کیا علماے سلف نے یونانیون کا فلسفہ نہین سیکھا تھا، اور ان کے اعتراضات کے جواب نہین دیئے تھے ؟

۶- اگر اس وقت اس زمانے کے فلسفہ کا سیکھنا جائز تھا تو اب کیون جائز نہین ہے؟

ان سوالات کا اگرچہ خودبخود یہ جواب ہوگا کہ تعلیم قدیم کے ساتھ جدید خیالات سے واقف ہونے اور انگریزی زبان اور انگریزی علوم پڑھنے کی ضرورت ہے، لیکن بایں ہمہ اس بات کی ضرورت نہین کہ ہم ان علما کو جو کسی قسم کی اصلاح کی ضرورت نہین خیال

کرنے اصلاح پر مجبور کرین، اس کی وجہ ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہین،

مذہبی کامون کا دائرہ بہت وسیع ہے، مثلاً دیہات کے جاہل مسلمانون مین احکام اسلام کا پھیلانا اتنا بڑا اور وسیع کام ہے، جس کے لئے سیکڑون ہزارون مولویون اور واعظون کی ضرورت ہے، اسی طرح مساجد کی امامت اور فتوی وغیرہ بہت سے کام ہین، جو محض خالص قدیم تعلیم یافتہ حضرات انجام دیسکتے ہین، اس لئے تقسیم عمل کی روسے یہ کام اس گروہ کے ہاتھ مین دیدینے چاہئین اور ہر طرح پر ان کی تائید و اعانت اور احترام کرنا چاہئے، اس نقطۂ خیال کو اگر پیش نظر رکھا جائے، تو جو لوگ قدیم عربی مدارس کو بیکار بتاتے ہین، وہ بھی تسلیم کرلین گے کہ دنیا مین کوئی چیز بیکار نہین ہے، صرف ہم کو ان کا استعمال صحیح طور سے کرنا چاہئے، صحابہ مین حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے جو لاکھون روپئے کے مالک تھے، اور حضرت ابوذرؓ بھی تھے جن کا قول تھا کہ صاحب المال کافر (جس کے پاس روپیہ ہو وہ کافر ہے) بایں ہمہ اسلام کو دونون کی ذات سے نفع پہنچتا تھا، کیونکہ دونون سے مختلف کام لئے جاتے تھے، البتہ اس قسم کے قدیم مدرسون مین اس قسم کی تربیت پر اصرار کرنا چاہئے، جس سے تعصب، سخت دلی، تنگ خیالی نہ پیدا ہو جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پرانے مولوی اور جدید تعلیمیافتہ ایک صحبت مین بسر نہین کرسکتے، اور ہر موقع پر دونون دو حریف کی صورت مین نظر آتے ہین، ان لوگون کو دربار نبوی کا نمونہ پیش نظر رکھنا چاہئے جہان کافرون اور منافقون تک کو بار ملتا تھا، اور ان کی بھی خاطر داری کیجاتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے، تو ان کو حکم ہوا کہ قولا لہ قولا لینا یعنی فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔

دونون گروہ اب قوم کے ضروری اجزا ہین، اس لئے دونون کو آپس مین دست و بازو ہو کر کام کرنا چاہیے"۔

لیکن علما کے جس گروہ نے جدید ضرورتون کا اندازہ کیا ہے، اور اس کے موافق عربی تعلیم مین اصلاح و اضافہ کرنا چاہتے ہین، وہ ان اصول کے سوا اور کیا اختیار کر سکتے ہین جو ندوہ نے اختیار کیا ہے، اور جو عملی صورت مین ظاہر ہو رہا ہے،

اگر قوم ان واقعات کو پیشِ نظر رکھے، تو آج کل قوم کی کوششون کی پراگندگی کا جو اعتراض ہے، وہ اٹھ جائے، اور لوگ اطمینان اور سکون اور بے تعصبی کے ساتھ اپنی اپنی حدود مین محدود رہکر اپنے کامون کو انجام دین،

(الندوہ ج ۷، نمبر ۹

ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء)

ہوا کا رُخ دوسری طرف

مشرقی کانفرنس

ندوۃ العلماء کے متعلق ایک فرقہ تو وہ ہے، جس کی منفصلہ رائے یہ ہے کہ یہ ایک بے معنی بلکہ مضر کام ہے، لیکن جو لوگ اس کو اصولاً مفید بھی سمجھتے تھے، وہ بھی ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ ہوا کا رخ دوسری طرف ہے اس لئے ندوہ کامیاب نہین ہو سکتا،

میرا اصولِ عمل یہ ہے کہ اگر ایک کام قوم اور مذہب کے لئے ضروری ہے، تو ہمارا فرض اس کے لئے کوشش کرنا ہے، کامیابی یا ناکامیابی سے ہم کو بحث نہین، ہم ان لوگون مین ہین جن کا قومی نعرہ یہ تھا،

اذا ھم القی بین عینیہ عزمہ　　ونکّب عن ذکر العواقب جانبا

جب قصد کرتا ہی تو اپنے عزم کو آنکھوں کے سامنے رکھ لیتا ہے　　اور اس سے کچھ بحث نہین کرتا کہ انجام کیا ہوگا؟

سمندر مین جب کوئی کشتی شکستہ ڈوبنے لگتا ہے تو اس کو نظر آتا ہی کہ کوسون تک کنارہ کا پتہ نہین کوئی سہارا نہین، اس کی شناوری، سمندر کے عرض وطول کا مقابلہ نہین کر سکتی، تاہم کیا وہ دیدہ ودانستہ ہاتھ پاؤن مارنا چھوڑ دیتا ہے، اور قصداً ڈوب جاتا ہے؟

ہمارا اسی قدر فرض ہے، فرض کا ادا کرنا ہی کامیابی ہے، کسی اور کامیابی کی ہم کو ضرورت نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہاتف غیب کی دھیمی اور آہستہ آواز بھی میرے کانون مین آیا کرتی تھی کہ ممکن ہے کہ خود ہوا کا رخ بدل جائے، مشرقی کانفرنس اسی خواب کی تعبیر ہے،

مشرقی تعلیم کی تحریکین اس سے پہلے بھی ہوئین، ڈاکٹر لائیز کی سرگرم کوششون سے پنجاب مین تعلیم مشرقی کی ایک شاخ یونیورسٹی مین قائم ہوئی، الہ آباد یونیورسٹی مین ملا او فاضل کے امتحانات اسی خیال کے ناتمام خاکے ہین، سرسید مرحوم نے ہمیشہ ان کوششون کی سخت مخالفت کی، پنجاب یونیورسٹی پر ان کے تین پرزور آرٹکل، قلعہ شکن توپین تھین جنکے صدمہ نے مشرقی تعلیم کو چکنا چور کر دیا، الہ آباد یونیورسٹی جب بن رہی تھی، اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اس مین بھی مشرقی تعلیم کی شاخ کھولی جائیگی، تو سرسید نے متعدد آرٹکل اس زور کے لکھے کہ اس تجویز کے پرخچے اڑ گئے، سرسید کی مخالفت اس پر مبنی تھی، کہ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی تعلیم کی یہ کوشش، مغربی تعلیم کی ترقی کو روک دیگی، جو ملک کے لئے نہایت ضرررسان کام ہے،

اس مین ایک ذرہ شبہہ نہین کہ اگر ہم کو یہ یقین ہو کہ مشرقی تعلیم کی کسی تجویز سے، مغربی تعلیم مین ذرہ بھر بھی کمی ہوگی تو ہمارا فرض ہے کہ اس تجویز سے علانیہ نفرت کا اظہار کر دین،

مسلمان، اس وقت، "کشمکش زندگی" کے میدان مین ہین، ان کی ہمسایہ قومین مغربی تعلیم ہی کی بدولت ان سے اس میدان مین بڑھ رہی ہین، اگر خدانخواستہ مسلمان مغربی تعلیم کی کوشش مین ذرا بھی پیچھے رہجائین، تو ان کی ملکی اور قومی زندگی، دفعتہ

برباد ہو جائے گی،

لیکن اب وہ حالت نہین ہے، مسلمانون نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، کہ ان کی دنیوی ترقی صرف اس بات پر موقوف ہے کہ ان کا ایک ایک بچہ انگریزی مین تعلیم یافتہ ہو جائے، لیکن باوجود اس کے یہ ممکن ہے کہ مشرقی تعلیم کے لئے بھی جگہ نکل سکے، ترقی یافتہ قومون کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، یورپ سب کچھ کر رہا ہے، تاہم ان مین ایک وسیع گروہ موجود ہے جو اپنی مذہبی تعلیم اور مذہبی لٹریچر کا محافظ ہے، خود ہماری ہمسایہ قومون کا کیا حال ہے، آریہ انگریزی تعلیم مین اس تیزی سے ترقی کر رہے ہین کہ مسلمان ان کی گرد تک بھی نہین پہنچتے، تاہم وہ گروکل بھی قائم کر رہے ہین، جو سنسکرت کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے، اور جس کا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی اشاعت ہے، اس گروکل مین جو لڑکے داخل ہوتے ہین، ان سے عہد لیا جاتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام نہین کرین گے. ۲۴ برس کی عمر تک ان کو تعلیم دیجاتی ہے، ان کو نہایت سادی اور خشک غذا دیجاتی ہے، سونے کو لکڑی کا تختہ ملتا ہے، اپنے ہاتھ سے سب کام کرنا پڑتا ہے، اس جفا کشی اور دنیاوی بے تعلقی کے ساتھ تین سو دولتمندون نے اپنے بچے اس مین بھیجدیئے ہین، اور للعہ ماہوار ایک ایک بچہ کا خرچ دیتے ہین، ہر سال اس مدرسہ کے لئے لاکھون کا چندہ جمع ہو جاتا ہے اور اس کی شاخین جابجا قائم ہوتی جاتی ہین،

کیا اس مدرسہ نے آریون مین انگریزی تعلیم کو کم کر دیا ہے؟ کیا انگریزی تعلیم پر کوئی برا اثر ڈالا ہے؟ بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کے تعلیم یافتہ مدرسہ سے نکل کر تمام قوم مین انگریزی تعلیم اور دنیاوی ترقی کی روح پھونک دین گے، تیرانداز اپنی جگہ پر رہتا ہے، لیکن تیر کوسون نکل جاتا ہے، رجز خوان خود نہین لڑتے، لیکن ہزارون لڑنے والے

پیدا کر دیتے ہین،

غرض، اگر یورپ کو بہ این دنیا طلبی، پادریون کی حاجت ہے، اگر آریون کو بہ این انگریزی خوانی گروکل کی ضرورت ہے، تو مسلمانون کو بھی عربی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمانون کی قوم کا باقی رہنا ضرور ہے،

انھین اسباب سے باوجود تمام مخالفتون کے ندوہ قائم ہوا، اور باوجود تمام مزاحمتون کے اس نے اپنا وجود قائم رکھا، یہ سوال پہلے ہی دن پیدا ہوا کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ کیا کھائین گے؟ اس کا جواب آسان تو یہ تھا کہ اب تک عام مولوی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی بسر کر رہے ہین، اور علم الاعداد سے نظر آتا ہے کہ عربی مدرسون کی تعداد گھٹتی نہین بلکہ بڑھتی جاتی ہے، جب ہم اس کو روک نہین سکتے، تو اس مین کیا ہرج ہے کہ اس گروہ کو زیادہ بکار آمد بنا دیا جائے،

لیکن اس کا اصلی اور صحیح جواب یہ ہے کہ مسلمان بہت جلد اس بات کا احساس کرینگے کہ ان کو اپنی قومیت اور مذہب کے بقا کے لئے مشنری (یعنی مبلغین اسلام) قایم کرنے کی ضرورت ہے، یورپ اس قدر دنیوی تعلیم مین منہمک ہے، تاہم صرف لندن مین، مشنری پر دو کرور روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے، جب اسلامی مشنری قائم ہوگی، تو اس کے موزون اور صحیح کارکن صرف ندوہ مہیا کر سکے گا،

لیکن چونکہ ابھی تک اسلامی مشنری کا باقاعدہ طریقہ نہین قائم ہوا اس لئے اس سوال کے جواب دینے کے لئے اور اور پہلوون پر بھی نظر پڑتی تھی، انھین مین ایک یہ بھی تھا، کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ، کیا گورنمنٹ کے بھی کچھ کام آسکتے ہین،

گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی اَب تک یہ تھی کہ وہ مذہبی تعلیم سے بالکل الگ تھی، اور مشرقی تعلیم بھی اس مین محض برائے نام تھی، لیکن ملک کی عام رائے یہ تھی کہ مذہبی تعلیم کے بغیر اخلاق اور تربیت کا شیرازہ قائم نہین رہ سکتا، اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ عربی اور سنسکرت زبانون کی اعلیٰ تعلیم بھی سلسلۂ تعلیم کا ایک ضروری حصہ ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ گورنمنٹ نے بھی مذہبی تعلیم کی ضرورت کا احساس کیا یا نہین، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس بات کو ضروری خیال کیا کہ مشرقی تعلیم کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، حال مین گورنمنٹ نے جو مشرقی کانفرنس شملہ مین قائم کی، اس کے مقاصد مین سے بعض مقاصد یہ تھے:۔

(۱) مشرقی و مغربی تعلیم مین اتحاد پیدا کرنا،

(۲) علم الآثار (ارکیالوجی) کی تعلیم دینا، اور جدید طریقۂ تحقیقات آثار قدیمہ سے واقف کرنا،

(۳) اعلیٰ طریقہ پر قدیم و قلمی کتبخانون کی فہرست سازی (کیٹیلوگنگ) کی تعلیم دینا،

(۴) اعلیٰ مشرقی تعلیم کے لئے بیش قرار وظائف مقرر کرنا،

(۵) دیسی زبانون کو ترقی دینا، اور ان کے لئے امتحانات قائم کرنا،

(۶) علمی مشرقی تعلیم یافتون کے لئے کالجون مین پروفیسری، مدرسون مین ٹیچری، عجائب خانون مین تحقیقات آثار قدیمہ، اور قدیم کتب خانون مین ترتیب فہرست کیلئے عہدے قائم کرنا،

(۷) کلکتہ کی مشرقی درسگاہون کو متفق و متحد کرنا،

(۸) افسرون کی زباندانی کا امتحان لینا،

(۹) کلکتہ مین اغراض بالا کے لئے ایک عظیم الشان مشرقی درسگاہ قائم کرنا،

یہ ظاہر بات ہے کہ علمار کا گروہ مسلمانون کی جماعت کا ایک ضروری جزرہے، انکی تعداد کثیر ملک مین موجود ہے، اور ہمیشہ موجود رہیگی، ان کا قوم پر نہایت قوی اثر ہے، عربی زبان ایک علمی زبان ہے، ان اسباب سے یہ مناسب نہین کہ مشرقی تعلیم سے بالکل بے اعتنائی اختیار کیجائے، البتہ اس کی ضرورت ہے کہ اس کو زیادہ بکار آمد بنایا جائے، اور مذہبی حصہ کو چھوڑ کر باقی چیزون مین ایسی ترقی اور اصلاح کیجائے کہ مشرقی تعلیم یافتہ لوگون کی معاش کے لئے کچھ وسائل پیدا ہوسکین،

کانفرنس نے جو کچھ طے کیا ہے، ابھی اس کی باضابطہ منظوری نہین ہوئی ہے، اس لئے اس کی تفصیل ابھی غیر ضروری ہے، لیکن بظاہر حسب ذیل نتائج کی توقع کیجاسکتی ہے،

(۱) گورنمنٹ کی طرف سے ایک انسپکٹر ہوگا جو قدیم عربی مدارس کا معائنہ کرسکے گا، اگر مدرسہ کے مہتمم ایسی نگرانی کو پسند کرین گے،

(۲) جن مدرسون کو گورنمنٹ اس قابل سمجھے گی ان کو کچھ ماہوار امداد دیگی،

(۳) کلکتہ مین بہت بڑے وسیع پیمانہ پر ایک مشرقی درس گاہ قایم ہوگی، مدارس عربیہ کے فارغ شدہ اگر چاہین گے تو اس درسگاہ مین تعلیم حاصل کرین گے،

(۴) اس درس گاہ کے تعلیم پانے والون کو بیش قرار وظیفے دیئے جائین گے،

(۵) اس درسگاہ سے سند لینے کے بعد ان کو متعدد اسامیان مل سکین گی، جو مشرقی تحقیقات سے متعلق ہونگی،

(۶) مدارس عربیہ جن کو گورنمنٹ تسلیم کریگی، اور جس کے تعلیمیافتہ کم سے کم انگریزی زبان جانتے ہونگے ان کو کالجون اور اسکولون کی پروفیسری اور مدرسی مل سکے گی،

ان واقعات کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ جو فرقہ اب تک بغیر کسی معاوضہ

کے عربی علوم کی تحصیل مین مشغول تھا، اب کسی قدر ذریعۂ معاش حاصل ہونے کی صورت مین امید ہے کہ اپنا کام زیادہ مستعدی اور زیادہ وسعتِ حوصلہ سے انجام دے، ہم لوگ اگر عربی علوم اور مذہبی علوم کے جان دادہ اور جان نثار ہین، تو اس قدر معاوضہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے، اور کوئی غیر گورنمنٹ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے،

(الندوہ، جلد ۸ نمبر ۸)
اگست سنہ ۱۹۱۱ء

ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہو رہا ہے، حیدر آباد کو اس بات کی کچھ پروا نہین ہوسکتی کہ اگر وہ اپنی یونیورسٹی بنائے، تو اس کے تعلیم یافتہ انگریزی گورنمنٹ مین نوکریان نہ پائین گے، کیونکہ حیدر آباد، خود ایسی وسیع ریاست ہے کہ وہان کے تعلیم یافتہ دوسری جگہ نوکری کرنے کے محتاج نہین، لیکن تقلید پرستی کی یہ حالت ہے کہ انگریزی تعلیم مین کسی قسم کی اصلاح در کنار ایک طرف، خاص مشرقی تعلیم مین بھی جس کے لئے وہان ایک دار العلوم ہے، پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے بیہودہ نصاب کی آج تک، تقلید کی گئی، پنجاب نے مولوی فاضل اور مولوی عالم وغیرہ کے جو امتحانات مقرر کئے ہین، وہ دنیا کے کام کے ہین نہ دین کے، تاہم آج تک اسی کی محکومی کی گئی، اور اس وقت تک آزادی کا خیال نہ آیا جب تک خود یونیورسٹی نے یہ قاعدہ نہین بنایا کہ ہم دوسرے ممالک کے لوگون کو اپنے امتحانات مین شریک نہین کر سکتے،

دو سہ بار بار تو گفتم کہ مرا ہیچ بستان نشد اتفاق، شاید کہ بہ این بہا گرانم

بہر حال خوبیِ تقدیر سے پنجاب یونیورسٹی نے حیدر آباد کے طلبا، کو اپنے امتحانات مین شامل کرنے سے روکا، اب اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ سب طلبہ، وہان کے انگریزی اسکولون مین داخل ہو جاتے تو پھر اسی تقلید پرستی کے دام مین گرفتار ہو جاتے، ع

از دام جستہ باز سوے دام میرود

لیکن سات سَو طلبہ جو انگریزی کے ایک حرف سے واقف نہ تھے، اور جنمین سے اکثر انگریزی پڑھنا بھی نہین چاہتے تھے، وہ کیونکر ایک نئی زندگی اختیار کر سکتے تھے، غرض اب یہ خیال ہوا کہ دار العلوم کا نصاب یہان کی ضرورتون کے لحاظ سے خود تیار کیا جائے، نواب عماد الملک بہادر بلگرامی سی، ایس، آئی، ممبر انڈیا کونسل اس وقت ناظم تعلیمات تھے، انھون نے سرکار مین یہ تجویز پیش کی، اور منظور ہوئی، اس کے بعد نواب صاحب موصوف

ریاست حیدرآباد
کی
مشرقی یونیورسٹی

معلوم نہین مسلمانون مین کون سی مبارک ساعت مین تقلید کی بنیاد پڑی تھی کہ زمانے کے سیکڑون ہزارون انقلابات کے ساتھ بھی اس کی بندشین اب تک کمزور نہین ہوئین، تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ جو اجتہاد اور جدت کا دعویدار ہے اور درحقیقت جدید تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہئے تھا، وہ بھی اسی طرح بے سمجھے بوجھے، ایک عام راستے پر پڑ لیا ہے اور کچھ نظر نہین آتا کہ ہم کہان جا رہے ہین، جس تعلیم اور نتائج تعلیم کا اس قدر شور وغل ہے، وہ کیا ہے؟ کالجون کی ڈگریان اور نوکریان و دیگر ہیچ، شاید کہا جائے کہ اس کے سوا ہم اور کیا کر سکتے ہین، اور اسی لئے تو ہم اپنی خاص یونیورسٹی چاہتے ہین، کہ اپنی ضرورتون کے موافق اپنی تعلیم کا سامان بہم پہنچائین، لیکن مجبوری یہ ہے کہ اس قدر روپیہ بہم نہین پہنچتا کہ یونیورسٹی بن سکے، لیکن سوال یہ ہے کہ جہان یونیورسٹی بن سکتی ہے وہان کیا ہو رہا ہے؟ حیدرآباد مین عنان تعلیم انھین لوگون کے ہاتھ مین رہی ہی، جو ہندوستان مین یونیورسٹی بنانے کے محرک اور جان دادہ ہین، یونیورسٹی کے لئے دس لاکھ روپیہ مانگا جا رہا ہے، حیدرآباد مین ایک منٹ مین یہ رقم مل سکتی ہے، حیدرآباد مین صرف ایک کالج

نے میرے نام ایک سرکاری مراسلہ بھیجا جس کا اقتباس حسب ذیل ہی:-

"اس وقت باعث تصدیع یہ امر ہوا کہ مین نے اس حادثہ (میرے پاؤن کے زخمی ہونے کی طرف اشارہ ہے) کے چند ہی روز پہلے سرکار مین یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ ہمارے دار العلوم کا تعلق اب پنجاب یونیورسٹی سے منقطع ہو گیا ہے، پس مناسب ہوگا کہ ہم اپنے لئے خود ہی مناسب انتظام کرین یعنی عربی و فارسی نصاب تعلیم مرتب کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی جلد مقرر کیجائے جس مین ایک رکن آپ ہون، اور نصاب تعلیم زمانہ حال کی ضرورتون کے لحاظ سے مرتب ہو تاکہ جو لوگ اس مدرسہ مین تعلیم پاکر امتحان مین کامیابی حاصل کرین، وہ سرکاری خدمات ادا کرنے کے اہل پائے جائین،

اس امر کے اطلاع دینے سے میرا یہ منشا نہین کہ آپ سے فوراً تکلیف گوارا کرنے کی خواہش کرون بلکہ محض اس قدر اطمینان حاصل کرنا منظور ہے کہ کامل صحت کے بعد آیا یہ امر ممکن ہوگا کہ آپ یہان تشریف لائین، ایسے قومی کامون مین آپ ہمیشہ تکلیف گوارا کرتے رہے ہین، اگر آپ کا تشریف لانا ممکن نہ ہو، تو کیا آپ نصاب تعلیم پنجاب یونیورسٹی پر نظر غائر ڈال کر ایک جدید نصاب وہین مرتب فرما سکتے ہین، ترمیم نصاب مین چند ابواب مد نظر رہین، تو بہتر ہے،

(۱) اصلاح نصاب موجودہ پنجاب یونیورسٹی بہ لحاظ مقتضائے وقت و زمانہ و ضروریات خدمات حکومتی،

(۲) تکمیل تحصیل علوم شرقیہ،

مد دوم کی ضرورت اس وجہ سے ہی کہ پنجاب کی اورنٹیل تعلیم ناقص ہے بہت سے علوم جن سے تکمیل فضیلت کی ہوتی ہے، اس تعلیم مین متروک ہین، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہی

کہ جماعت مولوی فاضل سے بالا تر اقل مرتبہ دو جماعتین ہون جمین تحصیل کی تکمیل ہو سکے،

میری رائے ناقص مین اگرچہ سلسلۂ نظامیہ کی پابندی ضرور نہین، ہو، مگر تکمیل تحصیل کے لئے بہت کچھ اضافہ کتب درسیہ کی ضرورت ہی،

نواب صاحب موصوف کا یہ خط اس وقت پہنچا جب مجھ پر پاؤن کے زخمی ہونے کا واقعہ گذر چکا تھا، اور مین صاحبِ فراش تھا، جب اس سے صحت ہوئی، تو مولوی عزیز مرزا صاحب ہوم سکریٹری حیدر آباد نے نواب عماد الملک بہادر کی تحریر کی بنا پر مجھ کو پھر طلب کیا، اور مین جون ۱۹۰۰ء مین حیدر آباد گیا، وہان چند روز رہکر ایک نصاب تیار کیا، اور اس کے متعلق ایک یادداشت لکھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نصاب کن اصول پر تیار کیا گیا ہے، یادداشتِ مذکور کی نقل درج ذیل ہے،

رپورٹ

متعلق

اصلاحِ نصابِ دار العلوم حیدر آباد،

بموجب مراسلہ ناظم صاحب سابق نواب عماد الملک بہادر و مراسلہ ناظم صاحب حال مورخہ ۳۔ ماہ الٰہی ۱۳۱۷ ہجری نشان (۱۲۲۳) دار العلوم کی نصاب اور مدتِ تعلیم مین جو تغیر اور اصلاح مین نے کی ہے، اور جس کا نقشہ اس یادداشت کے ساتھ منسلک ہے، اس کی نسبت مین ایک علیحدہ مفصل یادداشت پیش کرنا ضروری سمجھتا ہون، جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ترمیم اور اصلاح کن اصولون پر کی گئی ہی، اور ترمیم اور اصلاح کی مہمات امور کیا ہین،

نصاب دارالعلوم کی ترتیب دینے کے وقت سب سے پہلے یہ امر پیش نظر ہونا چاہئے کہ دارالعلوم کا اصلی مقصد کیا ہے، اور کس قسم کے لوگ، اس سے پیدا کرنے مقصود ہین،

دارالعلوم جب تک پنجاب یونیورسٹی سے متعلق رہا، اس کی غرض صرف ایسے لوگون کا پیدا کرنا تھا، جو سرکاری دفاتر مین کام کرنے کے لایق ہون، اور اس مقصد مین دارالعلوم نمایان طور پر کامیاب رہا، لیکن اب جبکہ دارالعلوم خود مختار اور آزاد ہوگیا ہے، اس کے مقاصد زیادہ وسیع ہوگئے ہین، اس کی غرض اب ایسے اشخاص کو پیدا کرنا ہے، جو نہ صرف سرکاری دفاتر مین کام کرنے کے قابل ہون، بلکہ اس سے ایسے اشخاص بھی پیدا ہون جو شرعی خدمات انجام دینے کے قابل ہون، جو علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، ادب مین کمال رکھتے ہون، جو ملک مین مذہبی عالم کی حیثیت سے تسلیم کئے جا سکتے ہون اور اس بنا پر ان کی ہدایت اور تلقین کا عامۂ اہل اسلام پر اثر پڑ سکے، اور وہ عوام مین عمدہ اخلاق اور مذہبی خیالات پھیلا سکین، جو علوم قدیمہ کے ساتھ جدید علوم و فنون اور جدید خیالات سے بھی آشنا ہون تاکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ پر اُن کا اثر پڑ سکے،

یہ امر بھی خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ اس وقت تک جو تعلیم جدید تمام ہندوستان مین جاری ہے، اس کی نسبت تمام اہل الرائے نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہماری ضرورتون کے لئے کافی نہین، لیکن چونکہ بغیر اس طریقۂ تعلیم کے سرکاری نوکریان حاصل نہین ہو سکتین اس لئے چار ناچار، اسی طریقہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ تعلیم مین ہماری مذہبی اور قومی خصوصیات کا کوئی انتظام نہین، اس مین نہ مذہبی تعلیم ہے، نہ قومی تاریخ سے کچھ واقفیت ہو سکتی ہے، نہ اسلامی اخلاق، اور مسائل اخلاق کا علم ہو سکتا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک شخص گو بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرلے، لیکن اسلامی

مسائل، اسلامی تاریخ، اسلامی اخلاق کے متعلق، اس کی واقفیت، اور اس کا پوزیشن اس سے کچھ زیادہ نہین ہو سکتا، جو ایک عامی مسلمان کا ہو سکتا ہے،

باایں ہمہ ہندوستان مین اس مشکل کا کچھ علاج نہین ہو سکتا، اس لئے کہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم، اس قدر وقت اور فرصت نہین دے سکتا، کہ دوسری چیزون کے حاصل کرنے کیلئے موقع ہاتھ آئے،

لیکن چونکہ ریاست نظام ایک وسیع مملکت ہے، اور اس وقت تک اس نے سرکاری نوکریون کے لئے یونیورسٹی کی ڈگریون کی قید لازمی نہین قرار دی ہے، اس لئے اس کو موقع ہے، کہ موجودہ طریقۂ تعلیم کے علاوہ، ایک ایسا خاص سلسلۂ تعلیم بھی قائم کرے جس مین انگریزی تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم اور اسلامی تاریخ بھی شامل ہو اور جس کے تعلیمیافتہ گویا دونون قسم کی تعلیم کا مجموعہ ہون، اس قسم کی تعلیم کا انتظام دار العلوم مین ہو سکتا ہے، اور ہم کو موجودہ نصاب کے مرتب کرنے مین اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے،

اغراض مذکورۂ بالا کے لحاظ سے نصاب موجودہ مین، جو تغیر اور اضافہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) ہر فن کی تعلیم کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایسی کتابین درس مین رکھی جائین جنمین تمام مسائل نہایت سادہ، صاف اور واضح طریقے سے بیان کئے گئے ہون تاکہ طالب العلم بہ آسانی تمام مسائل پر حاوی ہو جائے، اس بنا پر وہ کتابین جو معما اور چیستان کے طور پر اس قدر مختصر اور مغلق لکھی گئی ہین کہ ایک ایک سطر مین ایک ایک صفحے کے مطالب کھپا دیئے گئے ہین، وہ خارج کر دی گیئن،

(۲) قدیم نصاب مین اکثر ایسی کتابین ہین جنمین دوسرے علوم کے مسائل مخلوط کر دیئے گئے،

ہین، اس لئے خلط مبحث کی وجہ سے طالب العلم، اس فن کے مسائل سے دور پڑجاتا ہے، مثلاً ملا حسن، میر زاہد، قاضی مبارک وغیرہ کہ یہ کتابین دراصل منطق مین ہین، لیکن ان مین فلسفہ اور امور عامہ کے دقیق مسائل اس قدر شامل کردیے ہین کہ اصل فن کے مسائل پر گویا پردہ پڑگیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ تمام کتابین پڑھ کر بھی طالب العلم کو خاص منطقی مسائل کی مشق نہین ہوتی اور یہ نہین کرسکتا کہ تقریر اور مناظرے مین اپنے دعوٶن کو اشکال منطقی کے ذریعے سے ثابت کرسکے،

اس بنا پر نصاب حال مین ہر فن مین وہی کتابین رکھی گئی ہین جنمین خالص اسی فن کے مسائل استیعاب کے ساتھ مذکور ہین،

(۳) قدیم نصاب مین، قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ، نہایت کم ہے، قرآن مجید کا متن تک درس مین نہین، تفسیرون مین صرف دو تفسیرین درس مین داخل ہین، ایک جلالین جس کے الفاظ اور قرآن مجید کے الفاظ عدد مین برابر برابر ہین اور دوسری بیضاوی جس کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہین، جو کتاب کا پندرھوان حصہ بھی نہین، اس لئے قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ زیادہ وسیع کیا گیا ہے،

(۴) قدیم نصاب مین ادب اور لٹریچر کا حصہ نہایت کم ہے، حالانکہ ادب کے بغیر تفسیر، حدیث، اصول فقہ کسی چیز مین کمال نہین حاصل ہوسکتا، اس بنا پر، ادب کا نصاب بہت بڑھا دیا گیا ہے،

(۵) یہ عام شکایت ہے کہ عربی خوان، سب کچھ پڑھ جاتے ہین، لیکن چند سطرین صحیح عربی نہین لکھ سکتے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ادب کی تعلیم کم تھی، دوسری یہ کہ انشاپردازی اور مضمون نگاری کی مشق نہین کرائی جاتی تھی، اس لئے نصاب حال مین انشاپردازی

کے لئے خاص گھنٹے مقرر کئے گئے،

(۶) عقائد و علم کلام مین صرف ایک کتاب اور وہ بھی معمولی درجہ کی درس مین تھی، یعنی شرح عقاید نسفی، حالانکہ یہ فن، تمام اسلامی فنون پر مقدم اور سب کا اصل الاصول ہے، اس لئے اس فن مین متعدد اور بلند پایہ کتابین نصاب مین رکھی گئین،

(۷) تاریخ اسلام اور عام تاریخ کی ایک کتاب بھی نہ تھی، اس لئے اس فن کی کتابین بھی داخل کی گئین،

(۸) علوم جدیدہ کی بعض کتابین جو عربی مین ترجمہ ہو گئی ہین نصاب مین شامل کی گئین، لیکن اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ ان کے پڑھانے کا انتظام مشکل ہے، ہمارے علما ان کتابون کو پڑھا نہین سکتے، اور انگریزی خوان، عربی زبان سے آشنا نہین، یہ ہو سکتا تھا کہ اردو مین جو کتابین موجود ہین، وہ داخل نصاب کر دیجائین، لیکن جہان تک مجھ کو معلوم ہے، طبعیات کی جو کتابین اردو مین موجود ہین، وہ مڈل کے رتبہ سے زیادہ نہین، اس کے سوا عربی خوان طلبا اردو زبان کی کتاب کو وقعت کی نظر سے نہین دیکھ سکتے، اس کی تدبیر صرف یہ ہے کہ ایسے پروفیسر مقرر کئے جائین، جنھون نے بی، اے، مین سائنس لیا ہو اور عربی زبان ان کی سکنڈ لینگوج رہی ہو،

(۱۰) انگریزی زبان بطور سکنڈ لینگوج کے لازمی قرار دی گئی ہے، مین انگریزی زبان سے واقف نہین ہون، اس لئے مین نے انگریزی کتابون کا نام نہین لکھا ہے لیکن اس قدر بخوبی جانتا ہون کہ موجودہ نصاب مین اس قدر گنجایش ہے کہ انگریزی زبان دانی کی کتابین، انٹرنس تک کی اس مین شامل کیجا سکتی ہین، اور درجۂ فاضل کے بعد، دو برس اس غرض سے رکھے گئے ہین کہ جو شخص چاہے دو برس تک صرف انگریزی زبان دانی کی تعلیم

حاصل کرے جس سے وہ انگریزی زبان پر بخوبی قادر ہو سکتا ہے،

(۱۰) نصاب سابق مین ابتدا سے اخیر تک مدت تعلیم ۱۹ برس تھی، لیکن یہ مدت بہت زیادہ تھی، اس لئے گھٹا کر کل مدت ۱۴ برس قرار دی گئی ہی،

(۱۱) نصاب مرتبہ کی ترتیب یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کی مدت ۵۔ سال قرار دی گئی ہے، اور یہ فرض کیا گیا ہے کہ لڑکا ساتوین برس کے سن سے دار العلوم کی ابتدائی جماعتون مین لیا جائیگا، یہ تعلیم پانچ برس مین تمام ہوگی، اور اس مین اردو اور ابتدائی فارسی اور حساب اور کسی قدر انگریزی کی تعلیم ہوگی،

اس درجہ کے بعد، دو الگ شاخین شروع ہون گی یعنی منشی اور عالم اور طالب العلم کو اختیار ہوگا کہ ان دونون شاخون مین سے جس شاخ کو چاہے اختیار کرے،

منشی کے ۳ سال، اور منشی عالم کے ۲ سال اور منشی فاضل کا ایک سال مقرر کیا گیا ہے، منشی فاضل تک طالب العلم کو فارسی زبان مین عمدہ مہارت اور عربی کی سواد خوانی اور انگریزی بقدر عام ضرورت آجائیگی،

عربی کے دو درجے قرار دیئے گئے،

عالم، اس کی مدت تعلیم ۶ برس ہے، یہ درجہ بی، اے، کے برابر ہے، اس مین تمام علوم متداولہ عربی اور بعض علوم جدیدہ اور انگریزی زباندانی انٹرنس کے درجہ تک آجائیگی، یہ میری خاص رائے ہے، لیکن اگر یہان کے حالات کے لحاظ سے ضروری ہو تو بیچ مین ایک اور درجہ مولوی یا ملا کے نام سے قائم کیا جائے، اور یہ درجہ پانچوین سال تک تمام ہو جائے، اس کے بعد تین برس عالم کے لئے رکھے جائین،

فاضل، اس کی مدت تعلیم دو برس ہے، اور یہ درجہ ایم اے کے برابر ہے اس مین

کسی ایک خاص فن کی پوری تعلیم ہوگی، اور طالب العلم اس خاص فن کی تکمیل کریگا، اور اسی فن کے انتساب سے موسوم ہوگا، مثلاً مفسر، ادیب، فقیہ وغیرہ،

عالم یا فاضل کے درجے کے بعد ضرور ہے کہ چند طلبا کو دو برس تک خالص انگریزی زبان سکھائی جائے تاکہ انگریزی زبان مین تحریر اور تقریر کا ملکہ ہو، اور ایسے علما پیدا ہون کہ یورپ کی علمی تحقیقات کو اسلامی علوم مین اضافہ کرسکین اور انگریزی دان جماعت کے مجمع مین انھین کی زبان اور خیالات مین اسلامی عقائد اور مسائل پر تقریر کرسکین،

(۱۲) نصابِ تعلیم کے نقشے کے ملاحظے سے چونکہ ہر فن کی کتابین یکجائی طور پر پیش نظر نہ ہون گی، اس لئے اس موقع پر ہر فن کی الگ الگ کتابین یکجا لکھدی جاتی ہین جس سے بیک نظر اس بات کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا، کہ ہر فن مین کس پایہ کی، اور کس قدر کتابین نصاب مین تجویز کی گئی ہین،

ادب و معانی و بیان

اخوان الصفا، اطباق الذہب عبد المومن اصفہانی، سبعہ معلقہ، مجموع الادب، حسن التوسل الی صناعۃ الترسل، مختصر المعانی، متنبی، تتمہ ابن المقفع، مقامات حریری، حماسہ، نقد الشعر ابن قدامہ، نہج البلاغۃ، اسرار البلاغۃ عبد القاہر الجرجانی، کتاب الصناعتین ابو ہلال عسکری،

فقہ و اصول فقہ

قدوری، سراجی، در مختار، ارکان اربعہ مولانا بحر العلوم، ہدایہ، نور الانوار، تحریر ابن الہمام، مسلم الثبوت، توضیح و تلویح، رسالہ امام شافعی،

قرآن مجید و تفسیر

الہدایۃ الی الصراط المستقیم، فوز الکبیر فی اصول التفسیر، جلالین، بیضاوی، احکام القرآن

ابوبکر رازی،

فلسفہ

ہدیہ سعیدیہ، شرح ہدایۃ الحکمت از خیرآبادی، شرح اشارات رازی وطوسی، شرح حکمۃ الاشراق، شمس بازغہ، دروس الاولیہ فی العلوم الجدیدہ، ہیأت جدیدہ،

کلام واسرار الدین

رسالۃ التوحید، معالم امام رازی، حجۃ اللہ البالغہ،

اس یادداشت اور نصاب پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی قرار پائی، جس کا اجلاس شعبان ۱۳۲۶ھ مین قرار پایا، لیکن چونکہ عین اسی زمانہ مین ندوہ کی خاص ضرورت سے مجھکو لکھنؤ واپس آنا پڑا، اس لئے وہ اجلاس ملتوی ہوگیا، اس کے بعد مین ۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء کو پھر حیدرآباد آگیا، اور ایک کمیٹی مین نصاب مرتبہ پیش کیا گیا، اس کمیٹی مین مولوی عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت وافسر تعلیمات شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی، مولوی انوار اللہ صاحب استاد حضور نظام، سید ابوبکر شہاب یمنی، مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مددگار ناظم تعلیمات اور دیگر اصحاب شریک تھے، لیکن چونکہ اس کمیٹی مین کچھ مراتب باقی رہ گئے تھے، اس لئے ۷ فروری ۱۹۰۹ء کو اس کا پھر ایک اجلاس ہوا جس کے پریسیڈنٹ جناب نواب فخر الملک بہادر وزیر عدالت تھے، اور جس مین نواب عماد الملک بہادر، اور ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات بھی بہ حیثیت رکن کے شریک تھے،

دونون کمیٹیون مین آزادی سے ہر پہلو پر بحث ہوئی اور کسی قدر تغیر اور ترمیم کیساتھ نصاب مرتبہ منظور کیا گیا،

نواب عماد الملک بہادر کی رائے تھی کہ علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی کی تعلیم نہین

ہو سکتی، اس لئے اس کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیے، لیکن یہ جب ظاہر کیا گیا کہ علوم عربیہ مین بہت سی فضول کتابین جو منطق و فلسفہ کی شامل تھین خارج کر دی گئی ہین، اس لئے کافی گنجایش ہو سکتی ہے، تو نواب صاحب موصوف نے بھی اتفاق ظاہر کیا،

ہم کو اس پر کسی قدر تعجب ہوا کہ اس کمیٹی مین نہایت متقشف اور پرانے خیال کے علما بھی شریک تھے تاہم انگریزی کے داخل کرنے سے کسی نے انکار نہین کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر آباد مین، ہندوستان کی بہ نسبت، روشنخیالی کا اثر زیادہ ہوتا ہی،

نصاب کے طے پانے کے بعد، اسی کے موافق، دارالعلوم مین جدید اسٹاف قایم ہوگا، اس کے ساتھ ایک مجلس بطور سینٹ کے قائم ہوگی اور اسی کے لئے فیلوز منتخب ہون گے، اس طرح ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنیاد قائم ہو جائیگی،

نہایت مسرت کی بات ہے کہ اس وقت افسران تعلیم، نواب فخر الملک بہادر وزیر عدالت اور مولوی عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت اور سید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات ہین، اس لئے ہر طرح پر امید ہے کہ یونیورسٹی عمدہ اور مستحکم اصول پر قایم ہوگی،

یہ ہم نے بار بار کہا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ ہم مسلمانون کے لئے نہ صرف انگریزی مدرسون کی تعلیم کافی ہے، نہ قدیم عربی مدرسون کی، ہمارے درد کا علاج ایک معجون مرکب ہے، جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا مغربی ہے،

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(الندوہ، ج ۶ نمبر ۲، مارچ ۱۹۰۹ء)

احیاء علوم عربیہ اور ایک ریڈیکل

ضبط کرون مین کب تک آہ   چل رے خامہ بسم اللہ

جدید تعلیم کے فرزندان رشید مین سے ایک صاحب نے جو اپنے آپ کو "ریڈیکل" کہتے ہین، علی گڈھ منتھلی مین ایک مضمون "احیاء علوم عربیہ" کے عنوان سے لکھا ہے، مضمون کا شان نزول وہ تحریک ہے جس کا منشا یہ ہے، کہ علی گڈھ مین علوم عربیہ کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، یہ تحریک ایک انگریزی پروفیسر کی طرف سے پیش ہوئی تھی، جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے، کہ خود گورنمنٹ کے ایما کا بھی اس مین شائبہ تھا،

ہمارے قومی لیڈرون نے نہایت دلیری، نہایت آزادی، نہایت استقلال سے اس تجویز کی مخالفت کی، اور دنیا پر ثابت کر دیا، کہ ایسے ضروری موقع پر جب کہ احتمال تھا کہ مسلمانون کی قوم اس تجویز سے دفعةً برباد ہو جائے، نکتہ چینون کو یہ اعتراض واپس لینا پڑیگا کہ ہمارے لیڈر کسی انگریز افسر کی تحریک کی مخالفت نہین کر سکتے،

لیکن اس وقت تک مخالفت کی جو وجہ ارکان کالج یعنی نواب محسن الملک، اور مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنے پرزور آرٹکلون مین ظاہر کی، وہ صرف یہ تھی، کہ ابھی یہ وقت نہین آیا کہ مسلمانون کو انگریزی تعلیم سے ایک منٹ کے لئے بھی دوسری چیزون

کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت دیجائے،

اگرچہ یہ امر کچھ کم تعجب انگیز نہ تھا، کہ ایسا کالج جس کے نام کے ساتھ اورنٹیل کا لفظ شامل ہے، جو ہمیشہ تحریرون اور تقریرون کے ذریعہ سے مسلمانون کی قومی اور مذہبی تعلیم کے مرکز ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جو اپنے مہمات کو ایران تک وسیع کر کے وہان کے لوگون کو اپنے دائرۂ اثر مین لانا چاہتا ہے، جس کی مجوزہ یونیورسٹی کی ایک بڑی خصوصیت علوم مذہبی کا احیاء ہے، عربی تعلیم کی طرف سے صریح ایسی بے اعتنائی کا اعلان کرے کیونکہ یہ بالکل ممکن تھا کہ انگریزی تعلیم کو بغیر کسی قسم کے نقصان پہنچانے کے عربی تعلیم کا بھی بقدر ضرورت انتظام کیا جاتا، تاہم ان بزرگون نے نفس علوم عربیہ پر کوئی حملہ نہین کیا تھا، جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ علوم عربیہ کے پڑھنے سے (جیسا کہ ریڈیکل صاحب نے بیان کیا ہے) طبیعت مین آزادی اور دلیری نہین پیدا ہوتی، اور بزرگان ممدوح علوم عربیہ ہی کے تعلیمیافتہ ہین،

لیکن ریڈیکل صاحب تعلیم جدید کے یادگار ہین، اس لئے وہ نہایت آزادی اور دلیری سے آگے بڑھے اور اصل راز کا پردہ اٹھا دیا، یعنی یہ کہ علوم عربیہ خود اس قابل نہین کہ ان کی تعلیم پر وقت ضائع کیا جائے، ان کے مقتبس فقرے بعینہ حسب ذیل ہین:۔

"بہرصورت ہمین اس رائے سے بالکل اختلاف ہے کہ عربی مین ایسے علوم موجود ہین جن کی تعلیم ہمارے دماغون مین روشنی، دلون مین صفائی، خیالات مین پاکیزگی، ارادون مین بلندی اور طبیعتون مین استقلال پیدا کرے گی"

"ہم جہان تک سمجھتے ہین، عرب ہمیشہ ایک نہایت جاہل اور وحشی قوم رہے ہین، شائستگی اور تہذیب سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے، لہذا ان کی زبان مین علوم و فنون کے کسی عمدہ

ذخیرہ کا موجود ہونا بعید از قیاس ہے"!!!

(صدقنا و آمنا)

ایسی حالت مین جبکہ رسول کا نواسہ تشنہ لب کربلا مین شہید کیا جائے، صحابہؓ کی داڑھیان نوچی جائین، اور مسجد نبوی مین گھوڑے کی لید ڈالی جائے، علوم و فنون کی کیا خاک اشاعت و تدوین ہو سکتی ہے"

" زمانۂ جاہلیت کا کل نظم کا ذخیرہ عربون کی خانہ جنگیون اور خونریزی کے قصص یا اونٹنی کی لمبی اور کھجور کی خاردار شاخ کی تعریف اور توصیف سے پر ہے، کسی قسم کے علمی مضامین کا اس مین پتہ نہین"

" پچھلے زمانہ کے کلام مین سوائے عیش پرست خلفا اور اُن کے مہ جبین معشوقونکی تعریف اور شراب و کباب کی توصیف کے کیا رکھا ہے؟ ایسی گندہ اور بیکار نظم کو پڑھنے سے بجز تخریب اخلاق کے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟"

" کہا جاتا ہے کہ فن تاریخ مین عربون نے بہت ترقی کی تھی، وہ تاریخین پیشتر تو عمدہ دیباچون اور حواشی کے اضافہ کے ساتھ یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہو گئی ہین" ان کا مطالعہ اصل عربی کتابون سے بہت زیادہ مفید ہے"!

(یہان تک ریڈیکل صاحب کے فقرون کا اقتباس تھا)

سب سے پہلے قابل لحاظ یہ امر ہے کہ احیاء علوم عربی کے مسئلہ پر ریڈیکل صاحب کو اس پہلو سے بحث کرنے کی کوئی ضرورت بھی تھی یا نہین؟

ہم ریڈیکل صاحب اور تمام مخالفین عربی سے پوچھتے ہین کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عربی مین قابل قدر ذخیرۂ علمی موجود ہے، تو وہ کیا عربی تعلیم

کو جائز رکھین گے؟ مسٹر مارسین نے عربی کے ساتھ ساتھ جدید سائنس کی تعلیم کی اسکیم بھی پیش کی تھی، کیا مخالفین عربی نے اس اسکیم کی تائید کی؟ کیا سائنس بھی عربی کی طرح قابل التفات نہین ہے؟ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ کیا جدید گروہ علم کو علم کے لئے پڑھتا ہے، کیا اگر انگلش تعلیم سرکاری ملازمت کا ذریعہ نہ رہے، تو ایک شخص بھی کسی کالج کے احاطہ مین نظر آئیگا؟ کیا کالج سے نکلنے کے بعد بھی انگریزی کے ذخائر علمی کو اس گروہ کے دربار مین باریابی کی عزت ملتی ہے؟

جب یہ حالت ہے تو احیاء عربی کی تجویز سے انکار کے لئے صرف یہ وجوہ کافی تھے، کہ ہماری زندگی اور ہماری تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت اور نوکری ہے، اور یہ عربی علوم سے حاصل نہین ہوسکتی، یہ بالکل بجا استدلال تھا، جس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا تھا،

ریڈیکل صاحب کی غرض اگر بالذات علوم عربیہ کی تنقیص اور تحقیر تھی، تو اس کیلئے مستقل عنوان اختیار کرنا تھا، احیاء علوم عربیہ کے مسئلہ سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا،

شاید ریڈیکل صاحب کو یہ خیال ہو کہ اگر علوم عربی کی فضیلت ثابت ہوگی، تو ممکن ہے کہ کچھ طلبا اس طرف بھی متوجہ ہوجائین، لیکن ہم اُن کو پورا اطمینان دلاتے ہین، کہ جدید گروہ ایک عاقبت اندیش اور عملی گروہ ہے، اس نے اپنا راستہ متعین کرلیا ہے اور وہ ہرگز اس فریب مین نہین آسکتا، کہ علم کو علم کے لئے سیکھنا چاہیئے،

اب ہم ریڈیکل صاحب کے ان جملون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انھون نے علوم عربی کی نسبت ارشاد فرمائے ہین، لیکن ہم حیران ہین کہ اُن کے مقابلہ مین طریقۂ استدلال کیا ہوگا، یورپ کے اہل فن جو زبان عربی سے ماہر ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ کے

فیصلہ کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہین، مثلاً پروفیسر سیدیو، پروفیسر لیبان، پروفیسر رینان، پروفیسر مونک (فرنچ کے مشہور مصنف ہین) پروفیسر براؤن، ہنری لوئس، پروفیسر زخاؤ (جرمن کا مشہور عربی دان فاضل ہے) وغیرہ وغیرہ، ان کی نسبت ریڈیکل صاحب کو بدگمانی ہے، کہ وہ قصداً مسلمانون کو نشۂ غفلت مین مخمور رکھنے کے لئے مداح ہین،

ہم خود اگر مسلمانون کے علمی کمالات اور ایجادات کی مثالین پیش کرین تو مشکل یہ ہے کہ ریڈیکل صاحب عربی نہین جانتے، اور تاریخ دانی کا یہ حال ہی، کہ فرماتے ہین کہ "خلیفہ اول و دوم کے وقت تک قرآن مجید بھی مرتب نہین ہوا تھا،"!!

ریڈیکل صاحب کے استدلال کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ "عرب ایک وحشی قوم ہے، اسلئے ان کی زبان مین علمی ذخیرہ کا ہونا بعید از قیاس ہے" لیکن اگر عرب کا وحشی ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے اس دعوی کو کچھ مدد نہین پہنچتی، عربی زبان مین جن لوگون نے علمی ذخیرے مہیا کئے، وہ عجمی تھے، مثلاً فارابی، بوعلی سینا، رازی، غزالی، محقق طوسی، قطب الدین شیرازی وغیرہ اور عجم کو غالباً ریڈیکل صاحب بھی وحشی کا خطاب دینا پسند نہین کرتے،

پروفیسر رینان نے جو اسلام کے ساتھ تعصب رکھنے مین مشہور ہے، فرانس کے اکاڈیمی مین ایک لکچر دیا تھا، جس کا موضوع یہ تھا کہ "اسلام اور علم دونون جمع نہین ہوسکتے" اس لکچر مین جہان مجبوراً اس کو مسلمانون کی علمی اور فلسفی تحقیقات کا ذکر کرنا پڑا، اس نے یہ کہا "ہان فلسفہ عربی زبان مین ہے، لیکن عربون مین نہین ہے"،

رینان نے اگرچہ اہل عرب کے فلسفہ دانی سے انکار کیا، لیکن اس سے انکار نہ کرسکا، کہ عربی زبان فلسفہ کا مخزن ہے، لیکن ریڈیکل صاحب یہ بھی گوارا نہین کرسکتے

کہ عربی مین علوم وفنون کا ذخیرہ موجود ہو،

" ریڈیکل" صاحب فرماتے ہین کہ " لٹریچر مین عربون کے پاس نثر مین تو کوئی عمدہ ذخیرہ ہی نہین، اور نظم کی یہ کیفیت ہے کہ زمانہ جاہلیت کی نظم، اونٹنی کی لمبی گردن اور زمانہ اسلام کے مہ جبین معشوقون کی توصیف پر محدود ہے"، یہ بالکل اسی قسم کی بات ہے کہ پرانے مولوی یورپ کے علوم وفنون کی نسبت کہتے ہین کہ " یہ لوگ بجز اس کے کہ لوہارون اور نجارون کی طرح کچھ کلین بنالین، یا جرّاحون کی طرح کچھ چیر پھاڑ لین، اور کیا جانتے ہین "

افسوس!

اے آنکہ خوب مانہ شناسی ز زشت ما ۔۔۔ از ردّ وہم قبولِ تو فارغ نشستہ ایم

عرب کے فلسفہ اور علوم وفنون کی تحقیر کا تو کوئی ضعیف پہلو نکل بھی سکتا تھا، لیکن عرب کی فصاحت وبلاغت، شاعری اور زبان آوری سے انکار کرنا، آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے، شاعری کی جو اصل حقیقت ہے یعنی مناظرِ قدرت، اور جذبات انسانی کو اس طرح ادا کرنا، کہ دلون پر اصلی حالت کا اثر چھا جائے، صرف عرب کی شاعری مین پائی جاتی ہے، عرب کا ایک ایک بدوی یہ قدرت رکھتا تھا، کہ اپنے زورِ کلام سے جم غفیر کو جس ارادہ سے چاہتا تھا روک لیتا تھا، اور جدھر چاہتا تھا جھونک دیتا تھا، خلفاے بنو امیہ دمشق مین نہایت جاہ وجلال سے سلطنت کرتے تھے، لیکن اپنے بچون کو صرف اس لئے عرب کے صحرا مین بھیج دیتے تھے، کہ بدؤن مین رہ کر ان کو قوتِ تقریر اور زبان آوری کا ملکہ حاصل ہو جائے، عرب کا ایک ایک شعر قوم کی قوم مین جوش پیدا کر دیتا تھا، آج گلیڈ اسٹون اور برک کی اسپیچین وہ کام نہین کرسکتین جو عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب مین سیکڑون برس تک شرافت اور توبلٹی کا جوہر قایم رکھا، چنانچہ یہ قصیدہ اس قبیلہ کے

ایک ایک بچہ کو یاد کرایا جاتا تھا، اس قصیدہ کا ایک شعر یہ تھا، ؎

اذا بلغ الفطام لنا صبی　　تخرلہ الجبابر ساجدینا

جس دن ہمارے خاندان کا بچہ دودھ چھوڑ دیتا ہی　　تو بڑے بڑے جبار اس کے سجدہ کرنیکو گر پڑتے ہین

عرب ہی کو شاعری مین یہ فخر حاصل تھا، کہ وہ جو کہتے تھے سچ کہتے تھے، عرب ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ کسی کی مدح کرنا عار اور ننگ سمجھا جاتا تھا، اور جب اخیر زمانۂ جاہلیت مین مدح کی ابتدا ہوئی، تو یہ التزام تھا کہ سچی اور واقعی باتون کے سوا اور کچھ نہین کہتے تھے، ایک بادشاہ نے جب ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اس نے صاف کہا کہ "افعل حتی اقول" یعنی "پہلے تم کچھ کر دکھاؤ تو مین کہون" زہیر بن ابی سلمی کو جب ہرم بن سنان نے ایک قصیدہ پر صلہ دیا، تو اس نے معمول کر لیا، کہ جب دربار مین آتا تھا تو کہتا تھا کہ "مین سب کو سلام کرتا ہون بہ استثنا ہرم بن سنان کے" یعنی بادشاہ کو سلام کرنا بھی ایک قسم کی خوشامد ہے، جو عرب کے شاعر کو زیبا نہین،

افسوس ہے کہ ریڈیکل صاحب اور اکثر ان کے ہم فن عربی زبان نہین جانتے، ورنہ ہم ان کو عربی زبان مین شاعری کے تمام انواع کے ایسے اعلیٰ درجہ کے نمونے دکھاتے جس کی نظیر ان کو بہت مشکل سے مل سکتی، مناظرِ قدرت مثلاً سبزہ زار، کوہستان، دریا، جنگل، گرمی کی شدت، جاڑون کی ٹھنڈ، ابر و باران وغیرہ، یا جذباتِ انسانی، مثلاً رنج و غم، غیظ و غضب، فخر و جوش، شجاعت و دلیری، ذوق و محبت وغیرہ کو جس خوبی سے عرب نے ادا کیا، ایشیا مین کون قوم اس کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اخلاق کے متعلق ہم دو چار مثالین صرف ایک کتاب (حماسہ) سے سرسری طور پر انتخاب کر کے پیش کرتے ہین، اگر ریڈیکل صاحب کے نزدیک یہ شاعری کا عمدہ نمونہ

ہو تو ہم اس قسم کے اشعار کا دریا بہا دینے کو موجود ہین۔[۱]

(۱) اذا ما انت من صاحب لک زلۃ فکن انت محتالا لزلتہ عذرا

---

(۲) وللکف عن شتم اللئیم تکرما اضر لہ من شتمہ حین یشتم

---

(۳) ان من الحلم ذلا انت عارفہ والحلم عن قدرۃ فضل من الکرم

---

(۴) لھم جل مالی ان تتابع لی غنی وان تمل مالی لم اکلفھم رفدا

(۵) وانی لعبد الضیف مادام نازلا وما شیمۃ لی غیرھا تشبہ العبد

---

(۶) انا لنرخص یوم الروع انفسنا ولو نسام بھا فی الامن اغلینا

---

[۱] چونکہ ہمارے دوست مسٹر ریڈیکل زبان عربی سے نابلد ہین لہذا ان کی آسانی کی غرض سے ان اشعار کا ترجمہ نمبروار درج ذیل کیا جاتا ہی، لیکن ہمین ڈر ہے کہ چونکہ ان اشعار مین کھجور کی خاردار شاخ اور اونٹنی کی لمبی گردن کی طرف اشارہ نہین ہو اسلئے کہین وہ یہ دعویٰ نہ کر بیٹھین کہ ترجمہ غلط ہی،

(۱) اگر تمھارے دوست سے کوئی خطا ہو جائے تو تم کو خود اسکی طرف سے کوئی عذر گڑھ لینا چاہئے،

(۲) ذلیل آدمی کے برا کہنے سے باز رہنا اسکو گالی دینے سے زیادہ تکلیف دہ ہی،

(۳) بعض موقع پر بردباری ذلت ہی، لیکن قدرت کے ہوتے بردباری کرنا شرافت ہی،

(۴) میرا مال میرے بھائیون کا مال ہی، اور اگر مین غریب ہو جاؤن تو مین انکو تکلیف نہ دونگا،

(۵) مین مہمان کا غلام ہون، لیکن اس معاملہ کے سوا مجھ مین غلامی کی کوئی ادا نہین،

(۶) ہم لڑائی کے دن اپنی جانین ارزان کر دیتے ہین، لیکن امن کی حالت مین ہماری جانون کی قیمت بہت گران ہی،

(۷) انی لمن معشر أفنی اوائلهم — قول الکماة الا این المحامونا"

(۸) لو کان فی الألف منا واحد فدعوا — من فارس؟ خالهم ایاه یعنونا

(۹) اذا الکماة تنحوا ان یصیبهم — حد الظباة وصلناها بایدینا

---

(۱۰) اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضه — فکل رداء یرتدیه جمیل

(۱۱) تعیرنا أنا قلیل عدیدنا — فقلت لها ان الکرام قلیل"

(۱۲) تسیل علی حد الظبات نفوسنا — ولیست علی غیر الظبات تسیل

(۱۳) اذا سید منا خلا قام سید — قؤل لما قال الکرام فعول

---

(۷) مین اُس قبیلہ کا آدمی ہون جن کے اسلاف کو اس آواز نے فنا کر دیا کہ "آج کون پناہ دینے والا ہے"

(۸) اگر ہمارے قبیلہ کا ایک آدمی ہزارون کے مجمع مین ہو اور کوئی شخص پکارے کہ شہسوار کون ہے؟ تو ہمارے قبیلہ کا آدمی سمجھ جائیگا کہ میری ہی طرف اشارہ ہے،

(۹) جب بہادر لوگ تلوار کی دھار سے کترا جاتے ہین، تو ہم بڑھکر تلوار کو اُن تک پہنچا دیتے ہین،

(۱۰) اگر آدمی دنائت سے اپنی آبرو مین داغ نہ لگائے، تو جو لباس وہ پہنے گا اسکو زیب دیگا،

(۱۱) وہ ہمکو عیب لگاتی ہے، کہ ہمارے آدمی کم ہین، مین نے اس سے کہا کہ "شرفا تھوڑے ہی ہوتے ہین"

(۱۲) ہماری جان تلوارون کے دھار پر بہتی ہے، لیکن اور کسی چیز پر نہین بہتی،

(۱۳) ہم مین کا جب ایک سردار اٹھ جاتا ہی، تو دوسرا پیدا ہوتا ہی، جو وہی کہتا ہی، اور کرتا ہی جو اور سردارون نے کہا تھا اور کیا تھا

(۱۴) معودۃٌ ان لا تسئل نضالہا فتغمد حتی یستباح قبیل

"ریڈیکل" صاحب فرماتے ہین کہ عربی تاریخین، مفید حواشی کے ساتھ یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہوگئی ہین، ان کا مطالعہ اصل عربی کتابون سے زیادہ مفید ہے،

ہم "ریڈیکل" صاحب سے پوچھتے ہین، کہ یورپ کی زبانون سے کیا مراد ہے؟ اگر انگریزی مراد ہے تو مدعی سست ...... کی مثال ہو، تمام انگریزی مصنفین تسلیم کرتے ہین، کہ عربی زبان کا سرمایہ انگریزی مین بہت کم ہے، دوچار معمولی اور متداول کتابون کے سوا انگریزی مین اس قسم کے تراجم بالکل ناپید ہین، ہم ایک نقشہ درج کرتے ہین جس سے ظاہر ہوگا کہ یورپ کی زبانون مین عربی تاریخ کی کس قدر کتابین ترجمہ ہوچکی ہین، اور ان مین انگریزی کا کس قدر حصہ ہے،

نمبر	نام کتاب	کس زبان مین ترجمہ ہوا	سنہ و مقام طبع
۱	تاریخ حمزہ اصفہانی	لاطینی	لیپزگ سنہ ۱۸۴۰ء
۲	مسعودی	فرنچ	پیرس سنہ ۱۸۷۷ء
۳	ابوالفداء	لاطینی	کانہگن سنہ ۱۷۹۴ء
۴	تاریخ الدول الاسلامیہ	"	البسلا سنہ ۱۸۴۶ء
۵	رسالہ افادۃ والاعتبار	فرنچ	پیرس سنہ ۱۸۱۰ء
۶	سیرۃ سلطان صلاح الدین	لاطینی	لیڈن سنہ ۱۸۵۵ء
۷	تاریخ ابن خلکان	انگریزی	
۸	کتاب الاعتبار لاسامۃ بن منقذ	فرنچ	
۹	تاریخ کلبی	جرمن	ڈسٹین فیلڈ سنہ ۱۸۵۷ء

(۱۴) ہماری تلوارون کو عادت ہو کہ جب میان سے باہر آئین تو جب تک ایک قبیلہ برباد نہ ہوجائے وہ میان مین نہین آئین

مختصر الدول اور تاریخ الملکین و ابن البطریق کا ترجمہ بھی یورپ کی زبانون مین ہو گیا ہے، لیکن ان کتابون کے مصنف عیسائی تھے، اس لئے ہم ان کتابون کو عرب مورخین کے تصنیفات مین شمار نہین کرتے،

اس نقشہ سے واضح ہوا ہو گا کہ ایک دو کتابون کے سوا باقی کا ترجمہ انگریزی مین نہین ہوا، بلکہ لاطینی وغیرہ مین ہوا ہے، ان سے متمتع ہونے کا طریقہ ریڈیکل صاحب کیا قرار دیتے ہین ؟ کیا وہ اس بات پر راضی ہین، کہ علی گڈھ کالج مین لاطینی اور فرنچ وغیرہ کی تعلیم کی شاخ کھولی جائے ؟ اگر ان کا ایسا ارادہ ہو، تو ہم خوشی سے عربی تعلیم کی تحریک کو واپس لیتے ہین،

لیکن اصلی سوال یہ ہے کہ کیا مذکورۂ بالا کتابون کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ عربی تاریخ کا سرمایہ یورپ کی زبانون مین منتقل ہو گیا ہے، عربی کی نایاب اور غیر مطبوعہ تاریخین تو ایک طرف مشہور متداول کتابون کا بھی ترجمہ نہین ہوا، ابن خلدون، ابن اثیر، طبری کو بچہ بچہ جانتا ہے، ان کا ترجمہ کس زبان مین ہوا ؟ اور کیا ان کتابون کے ترجمہ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یورپین زبانون مین عربی کا سرمایہ منتقل ہو گیا ہے، کشف الظنون مین جس قدر عربی تاریخون کے نام مذکور ہین، ان کی تعداد تیرہ سَو ۱۳۰۰ ہے، کیا اس خزانہ مین سے پانچ سات تاریخی کتابون کے ترجمہ کی بنا پر عربی سے بے نیازی کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے ؟

عربی تاریخ کا جو اصلی خزانہ ہے، یعنی محدثین کی تصنیفات، اس تک ابھی یورپ کی نگاہ ہی نہین پہنچی، "تا بہ ترجمہ چہ رسد" رجال و تراجم کی سیکڑون ہزارون کتابون مین سے کس کتاب کا یورپین زبانون مین ترجمہ ہوا ہے، ؟

یورپ مین عربی تاریخ کی کتابین نہایت کثرت سے شایع ہوئی ہین، لیکن ترجمہ

نہین، بلکہ یورپ نے ان کو اصل زبان ہی مین پڑھنا پسند کیا، اور ریڈیکل صاحب کی اس رائے پر عمل نہین کیا، کہ ترجمون کے ذریعہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہیے، ریڈیکل صاحب فرماتے ہین کہ عربی زبان مین ایسے معلومات نہین جن سے ارادون مین بلندی اور طبائع مین استقلال پیدا ہو"

آزادی اور استقلال زیادہ تر تاریخی معلومات کا خاصہ ہے، جب ہم کسی ملک کی تاریخ مین آزادی اور استقلال کی مثالین پڑھتے ہین، تو طبیعت مین خود بخود ان جذبات کی تحریک ہوتی ہے، عرب کی تاریخ اس قسم کی مثالون سے لبریز ہے، آزادی عرب کا مایۂ خمیر ہے، بلند خیالی، دلیری، آزادی، حوصلہ مندی کی جو مثالین تاریخ عرب کے ہر صفحہ مین ملتی ہین، آج بھی یورپ اس قسم کے واقعات پیش نہین کر سکتا،

آزادی کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو گی، کہ صحابہ جس قدر آنحضرت صلعم کا ادب و احترام کرتے تھے، اس سے زیادہ امکان مین نہ تھا، تاہم ہر موقع پر اس آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے، کہ آج ہم کو ان کے بیان کرنے مین تامل ہوتا ہے، ہند (امیر معاویہ کی ماں) جب اسلام قبول کرنے کے لئے، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئی، اور آپ نے اس سے بیعت لینے کے وقت یہ فرمایا، کہ "عہد کرو کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی" تو اس نے یہ الفاظ کہے، "یا محمد انا ربیناھم صغیرا وقتلتھم کبیرا یوم بدر فانت وھم اعلم" اے محمد! ہم نے تو اپنے بچون کو پال پوس کر بڑا کیا تھا، اور تم نے بدر کی لڑائی مین ان کو قتل کر دیا، تو تم اور وہ سمجھ لو،

حضرت عمرؓ کا رعب و جلال دنیا کو معلوم ہے، لیکن ایک عام عرب سر دربار ان سے اس طرح خطاب کرتا تھا، کہ کوئی شخص اپنے برابر والے کے ساتھ بھی نہین

کر سکتا، خالد سیف اللہ نے روم کی غارت مین فخریہ اظہار کیا تھا کہ ہم نے جس کو بادشاہ بنا رکھا ہے، (یعنی حضرت عمر فاروق رضؓ) وہ کسی بات مین ہم سے ترجیح کا برتاؤ نہین کر سکتا وہ اگر غلط بولے، تو ہم اسکو ٹوک دین، چوری کرے، تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالین، خلاف انصاف کرے تو معزول کر دین،

امیر معاویہ رضؓ کے حکم سے جب ان کے عامل نے مدینہ منورہ کی مسجد مین یزید کی خلافت کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ سنۃ ابی بکر و عمرؓ یعنی جانشین سلطنت کرنا ابوبکر رضؓ و عمرؓ کا طریقہ ہے، تو وہین ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:- کذبت لا بل سنۃ کسریٰ و قیصر" تو جھوٹ بولتا ہے، یہ کسریٰ اور قیصر کا طریقہ ہے"

اس قسم کے سیکڑون ہزارون واقعات ہین، کیا ان مثالون سے آزادی اور استقلال کے جذبات کو تحریک نہین ہوتی؟

حقیقت یہ ہے کہ جو گروہ علم کو صرف نوکری کی غرض سے پڑھتا ہے، جس نے معاش کے سیکڑون اسباب (تجارت، حرفت، صنعت) مین سے صرف نوکری پر قناعت کر لی ہے، جو یورپ کے علوم و فنون مین سے بجز چند سطحی باتون کے کچھ نہین جانتا، جس کو ذوق علمی سے کچھ مس نہین، جس نے اعلیٰ تعلیم کے لفظ کو بالکل بیجا استعمال کیا ہے، اس کو اس بحث مین پڑنے سے کیا فائدہ کہ عربی زبان مین علوم و فنون ہین یا نہین، اگر علوم و فنون ہوتے بھی تو اس گروہ کے کس کام کے تھے، ارکانِ کالج سے ایک بڑا نکتہ جو فرو گذاشت ہوا اور ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ طریقہ سے وہ صرف ان لوگون کو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ کر سکے، اور کر سکتے ہین، جنکو معاش کی ضرورت نے انگریزی تعلیم پر مجبور کر رکھا ہے، اور امرا اور رؤسا جنکو معاش کی فکر نہین، وہ انگریزی کے واسطے آنکھ

اٹھاکر بھی نہین دیکھتے لیکن اگر انگریزی تعلیم کے ساتھ پورے طور سے عربی اور مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا، تو علی گڈھ کالج کے احاطہ مین تعلقہ داران اودھ اور اہالیان ملک کے خاندان کی یادگار بھی نظر آتین،

خاتمۂ سخن مین یہ کہنا ضرور ہے کہ میری ہرگز یہ رائے نہین کہ مسلمانون کو انگریزی تعلیم سے ہٹاکر عربی کی طرف متوجہ کیا جائے، ایسا کرنا بے شبہہ قوم کے ساتھ دشمنی ہے، لیکن اس بحث مین خواہ مخواہ علوم عربیہ کی تحقیر، ارکان کالج کا اس قسم کے فقرے استعمال کرنا کہ "ہم سے ہرگز یہ توقع نہین رکھنی چاہیے کہ ہم عربی تعلیم پر ایک حبہ بھی صرف کرین گے" نہایت ظلم اور ناانصافی ہے، اور اس سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ ان لوگون کے دل مین کیا جذبات پوشیدہ ہین،؟

یہ کہنا کہ عربی زبان ہماری مذہبی زبان نہین ہے، اور ہے تو صرف قرآن پڑھ لینا کافی ہے، ایک عامیانہ فریب دہی بلکہ بے ہودہ ڈپلومیسی ہے، صاف کہنا چاہیئے کہ ہم کو قرآن کی بھی ضرورت نہین، یا یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ قرآن کا سمجھنا بغیر عربی کی اعلیٰ تعلیم کے ممکن نہین،

بہرحال عربی کی مخالفت جس طریقہ سے کی گئی وہ جس حد تک صحیح بھی ہو، لیکن اسکی نسبت یہ مصرعہ صادق آتا ہے، ع،

کہتے تو ہین بھلے کی ولیکن بری طرح

عربی کی تحقیر نے ثابت کردیا کہ قوم واقعی ذلت کے اخیر درجہ پر پہنچ گئی ہے، کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ذلیل نہین ہوتی جب تک وہ خود اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھے اور یہ درجہ اب قوم نے حاصل کرلیا،

دکن ریویو۔ مئی ۱۹۰۴ء

مولانا شبلی کے مجموعۂ مضامین کی دوسری جلد

فہرست مضامین

لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت : "منیجر"

(طابع و ناشر محمد اویس وارثی)